عائشہ بی

محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم (عائشہ بی) مرحومہ
ہمشیرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ
کے حالات اور علمی وروحانی کمالات کا مرقع

محمود حسن حسنی ندوی

ناشر

مکتبہ سیدہ امامہ حسنی
جامعہ ام المومنین عائشہ الاسلامیہ للبنات
بڑا اکتواں، رائے بریلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

باراول

۱۴۳۴ھ-۲۰۱۲ء

نام کتاب: عائشہ بی

مؤلف: محمود حسن حسنی ندوی

صفحات: ۳۲۸

تعداد: ایک ہزار (۱۰۰۰)

کمپوزنگ: عمار عبدالقیوم ندوی

قیمت: 230/- روپے

ملنے کے پتے

مکتبۃ الشباب العلمیۃ ندوہ روڈ، لکھنؤ

مجلس تحقیقات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ - مکتبۃ الحرمین، مسجد مرکز کچہری روڈ، لکھنؤ

مکتبہ اسلام، رؤف مارکٹ، گوئن روڈ، لکھنؤ - الفرقان بکڈپو، نظیر آباد لکھنؤ

مکتبہ دارین مکارم نگر لکھنو - مکتبہ احسان مکارم نگر لکھنو

ناشر

مکتبہ سیدہ اُمامہ حسنی

جامعہ اُم المؤمنین عائشہ الاسلامیہ للبنات

بڑاکنواں، رائے بریلی، یوپی، انڈیا

فون نمبر: 0535-2213602

انتساب

مرحومہ کے عظیم والدین ماجدین فخر ہند مولانا عبدالحی حسنی

(سابق ناظم ندوۃ العلماء)

رابعہ عصر خاتون مخدومہ خیر النساء بہتر رحمہما اللہ

کی طرف کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ

کو علمی، دینی، روحانی اور ادبی دولت انہی دونوں ہستیوں سے ورثہ میں ملی

اور ان کے بڑے بھائی مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء

اور بڑی بہن سیدہ امۃ العزیز مرحومہ کی طرف

جن سے ان کو حوصلہ ملا اور ان کی سرپرستی حاصل ہوئی۔

..........................اور پھر..........................

مولانا سید ابوالخیر حسنی محدث

اور مرحومہ کے چھوٹے بھائی

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

کی طرف بھی جن سے مرحومہ نے علم وادب میں خاصا اکتساب فیض کیا،

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ان حضرات کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

محمود حسن حسنی

فہرست

انتساب ۳
مقدمہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ۱۳
تقریظ حضرت مولانا سید محمد واضح حسنی ندوی مدظلہ ۱۶
پیش لفظ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی مدظلہ ۲۳
عرض مؤلف محمود حسن حسنی ۲۸
حمد باری تعالیٰ سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ ۳۲
تمہید ۳۶
اسلام میں عورت کا درجہ ومقام اور خواتین کا دینی وایمانی کردار

باب اول
خاندانی اثرات

حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ ۵۱
امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ ۵۴
مولانا حکیم سید فخر الدین خیالیؒ اور حضرت شاہ سید ضیاء النبی حسنیؒ ۵۵

باب دوم
والدین، بھائی بہن اور ماحول

والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی حسنیؒ ۵۹
والدہ ماجدہ سیدہ خیر النساء بہترؒ ۶۱
بھائی بہن ۶۳
برادر بزرگ مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ ۶۳
سیدہ امۃ العزیزؒ ۶۵

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ۶۹

باب سوم

ولادت، ماحول، نشو نما، تعلیم و تربیت اور شادی ۷۳

ماحول ۷۳

ولادت ۷۴

تعلیم ۷۴

مطالعہ ۷۵

دینیات ۷۵

ادبیات ۷۶

قرآن مجید سے تعلق و شغف ۷۸

سیرت عائشہؓ کا مطالعہ ۷۸

صمصام الاسلام ۸۰

شعر گوئی و سخن فہمی اور گل رعنا کا اثر ۸۲

باب چہارم

نکاح، اولاد اور اس کے بعد کے ایام ۸۳

ازدواجی زندگی ۸۳

مولانا سید ابوالخیر برق ۸۴

اولاد ۹۱

زندگی کا ایک خلا اور اس کا معنوی فائدہ ۹۱

اپنی کہانی اپنی زبانی ۹۲
خدائے علیم وحکیم کی حکمت ومصلحت ۹۶

باب پنجم

علم حدیث سے اشتغال اور اس سلسلہ کی خدمات ۹۸
امام نووی کی ریاض الصالحین کا درس ومطالعہ اور ترجمہ زادسفر ۹۸
احادیث پر تعلیقات ۹۹
تعلق ومحبت والی چند احادیث ۹۹
ضبط نفس، صبر وتحمل ۱۰۲
نیک اعمال اور ان کی روح، ایمان واحتساب ۱۰۲
حقوق العباد ۱۰۳
موروثی ونسلی خصوصیات اور اس کے اثرات ۱۰۳
توکل واعتماد علی اللہ ۱۰۴
قرب بالفرائض اور قرب بالنوافل ۱۰۴
ہر بدعت گمراہی ہے ۱۰۴
اچھائیاں اور برائیاں ۱۰۶
چند حقائق ۱۰۷
اولاد کی تعلیم وتربیت ۱۰۸
اہل بیت کا مقام ۱۰۹
مہاجر صحابہ کی فضیلت ۱۰۹
چند اہم ہدایات ۱۰۹

اہلِ صفہ کا مقام ۱۱۱
قناعت ۱۱۲
حدیثِ وصیت ۱۱۲
اسوۂ نبوی ۱۱۲
زبان کی احتیاط ۱۱۳
احادیث سے مسائل کا استنباط ۱۱۳
علمائے وقت کا اعتراف ۱۱۵

باب ششم

سفرِ حجاز، حج و زیارت، اور دربارِ نبوت کی حاضری ۱۱۸
عورتوں کا جہاد حج ہے ۱۱۸
حج کا سفر، دعوتی و تبلیغی جدوجہد اور مستورات کی پہلی جماعت ۱۱۹
سمندری سفرنامہ ۱۲۱
سرزمین حجاز میں ۱۲۵
مدینہ منورہ کا سفر ۱۲۵
قیام مدینہ پاک ۱۲۶
مکہ مکرمہ کی طرف ۱۲۷
قیام مکہ معظمہ ۱۲۸
غیبی مدد ۱۲۸
تبلیغی رفقاء کی ہمدردی ۱۲۹
حج کی کیفیات ۱۲۹

''اللہ ترے در سے نہ جائے کوئی خالی'' ۱۳۰
''آرزو ہو میری پوری'' ۱۳۲
سفر سے واپسی کے بعد

باب ہفتم

ذوق ابتہال و مناجات اور ذات نبوی سے والہانہ تعلق ۱۳۵
دعاؤں کا اعلیٰ ذوق ۱۳۵
مجموعۂ حمد و مناجات اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا تبصرہ ۱۳۶
نواب چھتاری کا تأثر ۱۳۸
کتاب زندگی کا سب سے زریں باب و نورانی عنوان ۱۴۰
مناجات ہاتف ۱۴۰
ذات نبوی سے والہانہ تعلق ۱۴۲
عاشقانہ وفدائیانہ حال ۱۴۳
نعت نبوی اور نذرانۂ سلام ۱۴۴
عاشقانہ انداز تعلق ۱۴۸

باب ہشتم

تصنیفی اور دعوتی خدمات ۱۵۰
زاد سفر اور قصص الانبیاء ۱۵۰
حضرت مصعب بن عمیرؓ ۱۵۰
مطبوعہ شعری مجموعے ۱۵۱
دیگر قلمی خدمات ۱۵۱

حضرت رابعہؒ	۱۵۲
رضوان کی ادارت	۱۵۳
دو اہم تاثر	۱۵۳
ادبی ذوق	۱۵۷
بعض ممتاز و نامور اہل علم و تحقیق کے تاثرات	۱۵۷
تعلیمی خدمات	۱۵۸
جذبۂ دعوت و تبلیغ	۱۵۹
گھر کا ہفتہ واری اجتماع	۱۶۰
چند اہم تأثرات	۱۶۲

باب نہم

تعلق مع اللہ	۱۶۴
زندگی کا اصل جوہر	۱۶۴
معمولات شب و روز	۱۶۵
خدمت والدین	۱۶۸
تزکیہ نفس اور اصلاحی مشاغل	۱۷۲
حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی سے بیعت اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے تجدید بیعت	۱۷۲
باوقار اور محبوب شخصیت	۱۷۵
ثواب کے حصول اور تقرب الی اللہ کے دوسرے کام	۱۷۵

باب دہم

ہدایات، ارشادات وملفوظات اور وصایا

اللہ کا خوف	۱۷۹
مختصر اور جامع نصیحتیں	۱۸۵
گناہ اور ان کے نقصانات	۱۸۷
غیبت	۱۸۷
چغلی، بہتان	۱۸۸
دورخی بات	۱۸۹
حسد	۱۸۹
بدگمانی	۱۹۰
ریا	۱۹۱
احسان جتانا	۱۹۱
لعن طعن کرنا	۱۹۲
قسمیں کھانا	۱۹۲
جھوٹ	۱۹۳
شرک وبدعت	۱۹۴
رسم ورواج	۱۹۵
شگون وفال	۱۹۵
فیشن پرستی	۱۹۶

باب یازدہم
وفات

مسرت کے دن اور دعاؤں کی طرف خصوصی رغبت	۱۹۷
اوراہل خاندان کے لئے ایک سخت امتحان	۱۹۷
علالت اور وفات	۱۹۸
عائشہ بی مرحومہ کی یاد میں (منظوم تاثرات)	۲۰۱
ایک رضوانی بہن کے جذبات	۲۰۱
کل نفس ذائقة الموت	۲۰۱
مدیر رضوان کا شکر و اعتراف	۲۰۳
ماہنامہ رضوان کا اطلاعی مضمون	۲۰۴
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا اطلاعی مکتوب	۲۰۷
بخدمت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ	۲۰۷

باب دوازدہم
چند اہم مقالات ومضامین

میری بہن امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ	(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی)	۲۱۲
اپنی ہمشیرہ مرحومہ کی یاد میں چند تأثرات	(مولانا سید ابوبکر حسنی)	۲۴۰
مل گیا زاد سفر مجھ کو سفر سے پہلے	(مولانا سید محمد الحسنی)	۲۴۳
نانی مرحومہ عائشہ بی کی یاد میں	(مولانا سید سلمان حسینی ندوی)	۲۵۵

ضمیمہ

تذکرہ سیدہ امامہ حسنی (دختر حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی ؒ)	۲۷۱

پیدائش، ماحول اور سلسلۂ نسب ۲۷۱
شخصیت سازی کے بنیادی عوامل ۲۷۲
امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی تربیت میں ۲۷۳
والدین ماجدین اور خاندانی بزرگوں کی شفقتیں ۲۷۸
ماہنامہ رضوان کی ادارت میں شرکت ۲۸۱
نکاح ۲۸۲
منظوم جہیز ۲۸۴
اولاد کی تعلیم وتربیت ۲۸۶
تربیتی خطوط ۲۸۸
دادی مرحومہ سیدہ امۃ العزیز کی شفقت ۲۹۴
ذوق خدمت خلق ۲۹۶
اوصاف وخصوصیات ۲۹۷
مختصر حالات زندگی ۲۹۹
زندگی کا آخری سال اور حج بیت اللہ کی سعادت ۳۰۳
علالت ووفات ۳۰۶
اہل تعلق کی ہمدردی وتاثرات ۳۰۹
مکتوب مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا محمد مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ ۳۱۲
مکتوب مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلوی ومولانا محمد سعد کاندھلوی مرکز نظام الدین دہلی ۳۱۳
سیدہ امامہ حسنی کی وفات ۳۱۵
پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنو ۳۱۶
حضرت قاری امیر حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کا تعزیتی خطاب ۳۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی اله وصحبه اجمعین ،امابعد!

محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم عائشہ بی مرحومہ بہت نیک اور عالمہ خاتون کو گذرے ہوئے صرف دو تین دہائیاں گذری ہونگی لیکن ان کی خوبیوں کی یاد ان کے انجام دیے ہوئے کاموں کے ذریعہ برابر دلوں میں اور ذہنوں میں قائم ہے وہ صرف ایک نیک سیرت خاتون ہی نہ تھیں بلکہ اپنے علم وتصنیف اور شعری ذوق کے لحاظ سے بھی معروف رہیں وہ ایک علمی ودینی گھرانے میں پیدا ہوئی تھیں اور ان کے والد اور والدہ اور دو بھائی اور ایک بہن سب اسی تربیت اور انداز کے تھے کہ جن سے گھر کا ماحول علمائے دین اور صلحائے امت اور علمی وادبی ذوق کا حامل تھا ان میں اپنے والد ماجد اور وقت کے مشہور عالم، مؤرخ اور مصنف مولانا عبدالحی حسنی سے جو دین وتقوی کے لحاظ سے بھی اپنے عہد کے بزرگ صفت لوگوں میں تھے اور والدہ ماجدہ سے جو بڑی صالحہ اور ایک بزرگ باپ کی بیٹی تھی، ان میں دینی تربیت اور اصلاح کا جذبہ پیدا ہوا تھا اور ملت کی فکر اور انسانیت کے لئے درد وسوز کی بات حاصل ہوئی تھی انہوں نے اپنے زیر تربیت نسل کو صلاح ورشد کو اختیار کرنے کے راستہ پر ڈالنے کی فکر رکھی، جس کا اثر ان کی اولاد پر پورے طور سے ظاہر ہوا۔

محترمہ عائشہ بی کو ان کے والد صاحب مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کی وفات کے بعد ان کی والدہ ماجدہ مرحومہ خیر النساء بہتر اور ان کے بڑے بھائی مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی حسنی کی تربیت ملی اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی عمر میں ان سے چھوٹے تھے لیکن بھائی ہونے کی بنا پر گھریلو رفاقت حاصل رہی، علمی شوق میں دونوں میں موافقت تھی، چنانچہ عائشہ بی نے اگرچہ کسی درسگاہ میں تعلیم حاصل نہیں کی لیکن گھر کے اندر کے انداز تربیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود سے عربی زبان میں صلاحیت پیدا کی اور علمی کام انجام دیا، حدیث کی مشہور کتاب ''ریاض الصالحین'' جس میں نیک سیرت اور صلاح وتقوی کے حالات پیدا کرنے والی احادیث کا زیادہ تر انتخاب ہے، اس کا بہت ہی اہتمام سے ترجمہ کیا جس سے نیک سیرت بننے میں بڑی رہنمائی ملتی ہے اور اس سے عربی نہ جاننے والوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل ہے، حضور ﷺ کی سیرت مختصر اور سادہ زبان میں تیار کی اور ''ہمارے حضور ﷺ'' نام رکھا اور دیگر انبیاء کرام کے حالات پر بچوں کی ''قصص الانبیاء'' تیار کی، شعری ذوق عملی طور پر بھی پایا جاتا تھا، خود ہی موثر شعری انداز میں کیفیات پر مشتمل اشعار تیار کئے اور اردو کے اساتذہ شعر کے انداز ان کی خصوصیات سے واقفیت حاصل کی، اس طریقہ سے علم وادب اور صلاح دینی کے مختلف پہلوؤں میں ان کا تفوق وامتیاز ظاہر ہوا، ان کو اپنی بزرگ والدہ کی عمر کے آخری حصہ میں خدمت کا خوب موقع ملا، اور اس طریقہ سے انہوں نے اپنے نیک اعمال میں والدہ کی خدمت کا بڑا اہم عمل شامل کیا، ان کو اپنے دور کے بعض بہت سخت اور مشکل حالات سے گذرنا پڑا جس کو ہمت اور حوصلہ سے برداشت کیا اور اپنی نیک وضع پر قائم رہیں، اس طریقہ سے امت کی نیک خواتین میں انہوں نے اپنا ایک مقام بنایا، جس کی بنا پر یہ بات مفید ہے کہ ان کے حالات کو کتابی صورت میں پیش کیا جائے تا کہ اس سے ہماری نئی نسل کی دینی علمی ذہن کی تشکیل اچھے نمونے پر اور اچھے عملی انداز میں ہو سکے جس کی بہر حال امت کو بڑی ضرورت ہے۔

خواتین کی حیثیت ماں بننے کے بعد پورے ایک ادارے کی ہو جاتی ہے جس میں نسلوں

کی تربیت اور اخلاق کی تشکیل کا سامان مہیا ہو جاتا ہے، مائیں جتنی نیک سیرت ہوں گی ان سے تربیت پانے والی نسل نیک سیرت بنے گی۔ لہٰذا خواتین کے لئے یہ ضروری ہے جوان کے سامنے نیک خاتون کا نمونہ آئے اور وہ ان سے فیض اٹھا کر اپنے کو خوبی والا بنا سکیں، یہ خوشی کی بات ہے کہ عزیزی سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ نے کہ جن کی والدہ مرحومہ نے محترمہ عائشہ بی کی خصوصی تربیت حاصل کی اور ان کی ایسی شاگرد رہیں جیسے نیک ماں کی نیک بیٹی ہو سکتی ہے، اس کے لئے ہمت کی اور مولوی محمود کو جو باتیں اپنی والدہ سے معلوم ہوئیں اور جو مختلف تصانیف اور مضامین میں ملیں، ان کو سامنے رکھ کر محترمہ عائشہ بی کی سوانح تیار کریں، اس کو تیار کرنے میں انہوں نے اچھی صلاحیت کا ثبوت دیا جو ان شاء اللہ مفید ثابت ہوں گے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور لوگوں کے لئے خصوصاً خواتین کے لئے کہ مثالی خواتین کے حالات پر کتابیں مثالی مرد شخصیات کے مقابلے میں بہت کم ہیں، نافع بنائے آمین

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ کلیم منزل، مقدس نگر، بھوپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
(معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا محمد الصادق الامين ، وعلى آله الطيبين الطاهرين ، واصحابه الغر الميامين ، وعلى القانتين والقانتات والصابرين والصابرات ، والمعلمين والمعلمات ، والداعين الى الخير والداعيات ، الى يوم الدين اما بعد !

پیش نظر کتاب ہمشیرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (رحمۃ اللہ علیہ) امۃ اللہ تسنیم صاحبہ عرف عائشہ بی کا تذکرہ ہے، اس کا ایک حصہ خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر کردہ ہے، اور ماہنامہ رضوان (لکھنؤ) میں ان کی وفات کے بعد شائع ہوا تھا۔ اس مجلّہ کی وہ معاون مدیر تھیں اور وہ ان کے خواہر زادہ برادر معظم مولانا محمد ثانی حسنی کی ادارت میں نکلتا تھا۔

عزیزی مولوی سید محمود حسن ندوی نے ان سارے مضامین کو جو "رضوان" کے خاص نمبر میں اس موقع پر شائع ہوئے تھے، جمع کر کے مفید اضافوں اور اپنی والدہ صاحبہ جو ان کی تربیت یافتہ تھیں کے تذکرہ کے ساتھ کتابی شکل دے دی تاکہ قارئین ایک مثالی، صالحہ، مصلحہ، مربیہ معلّمہ خاتون کی زندگی سے واقف ہوں اور اس دور میں جس میں کوئی گھرانہ مغربی

تہذیب اور مادی طرز زندگی سے محفوظ نہیں ہے، اس نمونہ سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔

انسان کا مزاج تقلید اور نقل کا ہے، متقدمین کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ دور دوسرا تھا، متاخرین کا نمونہ جب سامنے آتا ہے تو یہ احساس طبعی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اس مادی دور میں بھی صلاح وتقوی اور دین و دنیا کو متوازی شکل میں جوڑنا اور افادیت اور اصلاح کی مثال پیش کرنا ممکن ہے۔

اس عہد کا ایک بڑا مرض زبان کے استعمال میں بے احتیاطی ہے اور یہ بے احتیاطی اس عصر کے اکثر مسائل کی بنیاد ہے۔

اچھی زبان یا تحریر کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی ہے، یعنی اس میں لفظی اور معنوی نفاست اور شائستگی پائی جاتی ہو، ہماری خالہ محترمہ مرحومہ جنہوں نے "تسنیم" تخلص اختیار کیا، ان میں پہلی صفت جو بچپن سے ہم نے محسوس کی یہ تھی کہ اپنے چھوٹوں، بچیوں، گھر میں خدمت کرنے والی خواتین اور ان کی اولاد سے کبھی بھی سخت لہجہ میں گفتگو نہیں کرتی تھیں، چاہے ناگواری کی حالت میں اپنی ناگواری کا اظہار ہو۔

جو بچیاں ان کی زیر تعلیم و تربیت تھیں، ان کے ساتھ وہ اولاد کی طرح معاملہ کرتی تھیں، اور انتہائی محبت و شفقت سے پیش آتی تھیں، ہر دور میں ان کی تربیت میں یا تعلیم میں جس سے ان کو طبعی مناسبت تھی خاندان کی کوئی بچی رہتی تھی، انہی بچیوں میں سیدہ امامہ والدہ عزیزی محمود حسن حسنی وہمشیرہ برادر زادہ عزیز مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی تھیں جن کی پوری تعلیم و تربیت انہی کی سرپرستی میں ہوئی، ان کا زیادہ وقت اپنے گھر اپنی حقیقی دادی (والدہ کاتب السطور و برادر مرحوم مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ و مولانا سید محمد رابع حسنیؒ) جو تسنیم صاحبہ کی بڑی بہن تھیں اور رحم دلی، غریب پروری اور خاص طور سے اپنے بچوں سے محبت کے سلوک میں ممتاز تھیں، ہماری خالہ محترمہ ہی کے گھر میں گزرتا تھا، تعلیم کے وقت کے علاوہ وہ اسی گھر میں وقت گزارتی تھیں، اس لئے ان کا مزاج، ذوق اور اخلاق ان کے مزاج اور ذوق سے بہت زیادہ مشابہ ہو گیا تھا، جو آخر عمر تک رہا۔

خالہ محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ عرف عائشہ بی کو تعلیم و تربیت سے بہت زیادہ مناسبت تھی اور اس میں ان کا اچھا خاصا وقت صرف ہوتا تھا، شوہر، والدہ صاحبہ اور گھر کے دیگر افراد کی خدمت اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ گھر کے معاملات سے بڑی واقفیت اور دلچسپی کے ساتھ وہ تعلیم اور آخر عمر میں تبلیغ و اصلاح میں بہت زیادہ دلچسپی رکھنے لگی تھیں، ہفتہ میں عورتوں کا ایک دن اجتماع ہوتا تھا، اس میں ان کا معمول تھا کہ کسی معروف مصنف کی کتاب پڑھتی تھیں، یا کوئی تحریر پہلے سے تیار کر لیتی تھیں اور وہ پڑھ کر سناتی تھیں اور اکثر ان کے برادر خورد مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی موجود ہوتے تو ان کو دعا کے لئے بلوا لیتی تھیں۔

ہماری والدہ صاحبہ ان سے عمر میں بڑی تھیں اور خال معظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ان سے عمر میں خورد تھے، دونوں کے ساتھ ان کی گفتگو میں اکرام و احترام اور ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ محبت اور شفقت کا عجیب امتزاج پایا جاتا تھا، وہ بھائی کی علمی اور دعوتی سرگرمیوں سے دلچسپی لیتی تھیں اور ہمت افزائی اور تقویت کا انداز اختیار کرتیں۔ خال معظم مولانا ڈاکٹر عبدالعلی حسنی اپنے بھائی بہنوں میں عمر میں بڑے تھے، اس لئے ان کی حیثیت ان کے والد مولانا عبدالحی حسنی کے انتقال کے بعد پورے خاندان حسنی میں مربی کی تھی، ان کا مستقل قیام لکھنؤ میں رہتا تھا، رائے بریلی میں خالہ محترمہ والدہ محترمہ کی خدمت کے ساتھ اپنی بڑی ہمشیرہ کے مسائل سے اور ان کی اولاد کے مسائل سے اسی طرح دلچسپی لیتیں اور معاونت کرتیں، ان کا ان کی اولاد کے ساتھ خالہ سے زیادہ ماں ہی جیسا معاملہ تھا، گھر میں خادماؤں کے ساتھ بھی ان کا انداز تربیت اصلاح اور ہمدردی کا انداز ہوتا تھا، ان کی اولاد کی تعلیم و تربیت کی وہ فکر کرتیں اور ان کے مسائل سے دلچسپی لیتیں اور ان کے حل کے لئے مشورہ دیتیں۔

خالہ محترمہ کے وقت کا ایک بڑا حصہ مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں گزرتا تھا، ان کا بڑا کارنامہ ''ریاض الصالحین'' کا سلیس اردو ترجمہ ''زاد سفر'' ہے، ترجمہ کرنے کے بعد ان کا معمول تھا کہ ندوہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شاہ حلیم عطا سلونویؒ کے پاس نظر ثانی اور اصلاح کے

لئے بھیجتیں، اکثر برادر گرامی مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی زیدہ مجدہ اور ان کی غیر موجودگی میں یہ ناچیز یہ خدمت انجام دیتا تھا، انہوں نے جو متعدد کتابیں تصنیف کیں ہیں ان میں ''زادسفر'' کے علاوہ ''ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم'' جو بچوں کے لئے سیرت نبوی کی کتاب ہے ''قصص الانبیاء'' (چار اجزاء) بہت مقبول اور مشہور ہوئیں۔

ان ساری کتابوں میں علمی حیثیت کے ساتھ زبان میں لطافت اور حسن بیان نمایاں طور پر پایا جاتا ہے، محاورہ کے استعمال کی ایسی مثالیں ان میں ملتی ہیں جو زبان سیکھنے میں اور ادبی ذوق پیدا کرنے میں مدد اور معاون ہوسکتی ہیں، ان کی شاعری دل کی ترجمانی ہے، وہ جن حالات سے گزریں اور زندگی کے جو مسائل پیش آئے ان کی شاعری اس کی عکاسی کرتی ہے، اس میں انابت الی اللہ اور مناجات کے اعلیٰ اثرات پائے جاتے ہیں، خاص طور پر حج کے ایام میں مکہ ومدینہ کے قیام میں جو کیفیات پیدا ہوئیں ان کا اس میں اظہار ہے، یہ مختصر دیوان مکتبہ اسلام لکھنؤ سے ''باب کرم'' کے نام سے شائع ہوکر مقبول ہوا اور ان دعاؤں کا اثر متعدد پڑھنے والوں نے محسوس کیا۔

چند اشعار نمونے کے طور پر پیش ہیں۔

اے مرے رب دل مضطر کی دعائیں سن لے
حال زار دل بیکل جو سنائیں سن لے
قید ہیں جال میں فکروں کے مثال طائر
بے قراری میں نکلتی ہیں دعائیں سن لے
دیکھ لے دیکھ لے ہاں دیکھ لے حالت میری
سن لے مغموم دلوں کی بھی صدائیں سن لے
یاالٰہی تجھے تیرے ہی کرم کا صدقہ
کر نہ مایوس مجھے میری دعائیں سن لے

ہیں خزانے ترے معمور تو پھر دیر ہے کیا
مانگنے والے کبھی خالی نہ جائیں سن لے
جو طلب میں نے کیا تھا خاص عنایت سے دیا
تیرے قربان میری یہ بھی دعائیں سن لے
یہ مناجات کہی کہہ کے سنائی سب کو
داد اس کی ترے دربار سے پائیں سن لے
آج تسنیم پہ ہو تیرے کرم کی بارش
آج ناکام ترے در سے نہ جائیں سن لے

تصنیف وتالیف اور تربیت کے ساتھ خالہ محترمہ کاایک مشغلہ جب وہ اپنے برادر عزیز مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندوی اور والدہ محترمہ خیرالنساء بہتر صاحبہ کے مکان میں منتقل ہوگئی تھیں، تجارت تھا، اکثران کا سامان قرض پر جاتا تھااوراس کی ادائیگی مدت کے بعد ہوتی تھی ،اس لئے کہ تکیہ کلاں اورشہر کے درمیان رابطہ کے وسائل نہیں تھے،سڑک نہیں بنی تھی ، کھیتوں میں سے کچے راستے سے جانا ہوتا تھافوری ضرورت کی چیز کامہیا ہونا بروقت آسان نہیں تھا،وہ روز مرہ کی ضرورت کاسامان خاص طور سے مطبخ سے متعلق سامان بازار سے منگوارکھتی تھیں اور خاندان کے افراد کومہیا کرتی تھیں،ان کا مقصد ضرورت مندوں کی مدد ہوتا۔وہ حساب باقاعدہ تحریری شکل میں رکھتی تھیں،مقروض لوگوں سے وہ جلدادائیگی کا مطالبہ نہیں کرتی تھیں،بعض وقت ان کوخریداری میں اور مال کی فراہمی میں دشواری ہوتی ،وہ سب دشواریاں برداشت کرتیں اور اپنے اعلی اخلاق اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرتیں ،ان ساری مشغولیتوں کے ساتھ والدہ صاحبہ کی خدمت اورتقویت میں ان کابڑاوقت صرف ہوتا۔

خواتین اگرجمع ہوجاتیں اورکوئی خاص موقع ہوتاتو''صمصام الاسلام'' پڑھی جاتی تھی اور ہماری خالہ اکثر یہ خدمت انجام دیتیں۔اس سے صحابہ کرام اور مجاہدین عظام کی

عظمت ومحبت اوران کی تقلید کا جذبہ پیدا ہوتا،ہمیں اپنے بچپن کے عہد کی یہ بات خوب یاد ہےاور ہماری نظروں کے سامنے وہ منظر ہےاوران کانوں میں جیسے آواز بسی ہوئی ہے جب خواتین کے اجتماع میں ''صمصام الاسلام'' پڑھی جاتی تھی جو ہمارے خاندان کے ایک بزرگ کی تصنیف ہے اور اکثر ہماری خالہ پڑھتی تھیں،ان سے پہلے ان کی خالہ پڑھتی تھیں،جس کااثر ہماری والدہ،خالہ اور ماموں پر پڑا۔

اس کے ساتھ ساتھ کسی پریشانی کے وقت ''مناجات ہاتف'' کے پڑھنے کا منظر بھی سامنے ہے،یہ مناجات خالہ مرحومہ کو بہت پسند تھی اوران کوخوب یادتھی،اپنے پیش لفظ کے ساتھ اس کوطبع کرنے کا بھی انہوں نے اہتمام کیااور آج بھی شائع ہورہی ہے،یہ بھی ان کے لئے صدقۂ جاریہ میں سے ہے۔

چنداشعار نمونے کے طور پر پیش ہیں۔

مرے معبود اے مرے اللہ
اے مرے بے نیاز شاہنشاہ
جملہ عالم کا کارساز ہے تو
خلق پرور جہاں نواز تو
نہ عبادت ہی ہے نہ طاعت آہ
ہے فقط تیری رحمتوں پہ نگاہ
کر میری جملہ مشکلیں آساں
اپنے فضل وکرم سے یا رحماں
مرے اعمال پر نہ کر تو نظر
یا رحیم اپنا رحم کر مجھ پر

ان ساری مشغولیات کے ساتھ رات کواپنی والدہ مرحومہ خیر النساء بہتر صاحبہ کے

ساتھ آخر شب میں اٹھنے کا اہتمام، نماز اور دعا کی مشغولیت اور صبح کی نماز کے لئے جماعت کے وقت سے پہلے سب بچوں کو نماز کے لئے اٹھانے کا اہتمام تھا، اکثر نانی صاحبہ اور خالہ محترمہ اپنے گھر سے (جو ہمارے گھر سے متصل تھا) آکر پابندی سے اٹھانے کا اہتمام کرتیں۔

ہماری نانی محترمہ خیر النساء بہتر صاحبہ حافظہ تھیں، رمضان المبارک میں بعد عشاء وہ قرآن مجید سنانے کا اہتمام کرتیں تھیں تو خالہ صاحبہ سامع کی حیثیت سے سنتی تھیں۔

اس طرح ان کی زندگی مجموعہ صفات تھی، یہ چند خصوصیات جو ہمارے ذہن میں تھیں، اس لئے تحریر کردیں کہ خواتین ان کے طریقہ کو اختیار کر کے اپنی زندگی کو مفید مؤثر اور خیر پھیلانے کا ذریعہ بنائیں، امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے جو خاندان میں اور وطن میں عائشہ بی کے نام سے معروف تھیں، اپنی زندگی کو بنانے میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سیرت عائشہ'' سے بڑا استفادہ کیا تھا اور اس سے ان کو بڑا حوصلہ ملا جس سے انہوں نے زندگی کے مختلف بڑے گوشوں میں رہنمائی حاصل کی، انہوں نے ان کتابوں کا ذکر جن سے انہوں نے استفادہ کیا تھا اپنی ایک تحریر ''بے زبان استانیاں'' میں کیا ہے جو خواتین کے لئے مفید ہے، ان کا اپنے چھوٹوں پر حق تھا کہ ان سے متعلق کوئی ایسا تذکرہ پیش کریں، جس سے دوسرے رہنمائی حاصل کریں، محمود سلمہ نے اپنی والدہ ماجدہ سے جو سنا اس سے ان کے اندر اس کام کا داعیہ پیدا ہوا اور خود عزیزی محمود سلمہ نے ان کی محبت و شفقت پائی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو اس حدیث نبوی کا مصداق بنائے "اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ اَنْ یَصِلَ الرَّجُلُ اَھْلَ وُدِّ اَبِیْہِ بَعْدَ اَنْ یُوَلِّیَ " (صحیح مسلم) اور اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور نافع بنائے۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی	۲۳/۳/۱۴۳۳ھ
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو	۱۶/فروری ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از:: مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی

(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ و مدیر ماہنامہ رضوان لکھنؤ)

الحمد للّٰہ کفی و سلام علی عبادہ اللذین اصطفی ۔ امابعد!

دین کی اشاعت وتبلیغ میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا بھی بہت بڑا حصہ رہا ہے اگر ہم اسلامی تاریخ پر ایک نظر ڈالیں، عہد نبوی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ کا مطالعہ کریں تو ہم کو اس راہ میں اسلام کی سیکڑوں بیٹیوں کے نام درخشاں نظر آئیں گے۔

اسلام قبول کرنے میں حضرت خدیجہؓ نے پہل کی اور رسول اللہ ﷺ کی غمگساری اور رفاقت کا حق ادا کردیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد جو تکلیفیں اور اذیتیں صحابہ کرامؓ نے اٹھائیں ان میں بھی ایک خاتون حضرت سمیہؓ کا نام نامی سرفہرست نظر آتا ہے وہ اس راہ میں شہید ہوئیں۔

علم کا سلسلہ ہو تو اس میں سرفہرست حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام نامی نظر آئیگا، حدیث شریف کی سبھی چھوٹی بڑی کتاب پر نظر ڈالی جائے تو اس میں جا بجا حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ احادیث ملیں گی اور آنحضرت ﷺ کی پاک زندگی کے بعض گوشے صرف حضرت عائشہؓ ہی کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔

اسی طرح جہاد کا میدان بھی کبھی مسلمان خواتین سے خالی نہیں رہا، غزوۂ بدر، غزوۂ

احد اور حنین وغیرہ میں (جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی) مسلمان عورتوں نے بھی شرکت کی، زخمیوں کو پانی پلانا، ہتھیاروں کی فراہمی وغیرہ عورتوں کا مستقل کام تھا اور ضرورت پڑنے پر وہ کافروں سے جہاد بھی کرتی تھیں اور غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت صفیہؓ کا ایک یہودی کو قتل کرنا مشہور واقعہ ہے۔

اللہ کے راستے میں قربانی دینے کا موقع آیا تو تاریخ گواہ ہے کہ عورتوں نے مردوں کے شانہ بشانہ قربانیاں دیں اور ایک خاتون حضرت خنساءؓ نے اپنے چار بیٹوں کو اسلام پر قربان کر دیا اور اس عظیم ماں کے بیٹے شہادت سے سرفراز ہوئے۔ غزوۂ احد کے موقعہ پر ایک صحابیہ کا یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہے کہ ان کے بھائی باپ اور شوہر تینوں شہید ہو گئے اور ان کو خبر دی گئی تو انھوں نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی بلکہ ان کی زبان پر یہی تھا کہ یہ بتاؤ حضور ﷺ کیسے ہیں۔

عہد صحابہ میں سب سے پہلے بحری مہم جو حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں ہوئی اس میں بھی نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت ام حرامؓ شریک تھیں۔

عبادت وریاضت اور محبت الٰہی میں بھی خواتین کبھی پیچھے نہیں رہیں، صحابہ کے مبارک زمانے سے اور نیچے آیئے تو حضرت رابعہ بصریؒ کا نام اس بارے میں ایسا تابندہ اور درخشندہ ہے کہ کوئی شخص جس کا دین سے تعلق ہوگا وہ اس نام سے ناواقف نہیں رہ سکتا، اگر ہم زمانہ بعید کو چھوڑ کر اپنے دور سے قریب آئیں تو حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کی والدہ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کی والدہ (اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے) کے تذکرے ہمارے سامنے ہیں۔

یہ تو چند مثالیں ہیں جو پیش کی گئی ہیں ورنہ پوری تاریخ خواتین اسلام کے تذکرے سے بھری ہے، انسان کا کام کوشش کرنا ہے، مدد تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ دین کا درد اور اس کے لیے قربانی کا جذبہ اور دین کی حفاظت کی خاطر جان کی بازی لگا دینے کی توفیق دیتا ہے۔

موجودہ دور میں جب کہ ہر طرف مادیت کا غلبہ اور دین سے دوری پیدا ہو چلی ہے، جدھر

دیکھیے انسان دنیا کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں جان کی بازی لگا دیتا ہے، دین و مذہب کو ایک ثانوی چیز اور اس کو موجودہ زمانے کے لیے ایک ناقابل عمل سمجھا جانے لگا ہے۔ یہ دور ایسا ہے کہ جب کہ اچھے اچھوں کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں اور اسی بات کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی ذاتی حیثیت سے دین کی پابندی کر لیں یہی ان کے لیے بہت ہے تو ایسے نازک وقت میں جب کوئی اللہ کا بندہ یا بندی سامنے آتی ہے، ماحول سے ٹکراتی ہے اور تند و تیز لہروں میں دین کی کشتی کو کھیتے ہوئے اس کو پار لگانے کی کوشش کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا بڑا بلند مرتبہ اور اس کا شمار ان نیک بندوں میں ہوگا جو انسانیت کا عطر ہوتے ہیں۔

امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ نے اللہ کے نیک اور مجاہد بندوں کی راہ پر چل کر اپنی پوری زندگی دین کی بقا اور اشاعت کے لیے وقف کر رکھی تھی، اپنی بستی میں رہ کر تصنیف و تالیف کے علاوہ انہوں نے عورتوں میں جو اصلاح کا کام کیا وہ ہمارے اس دور میں ایک مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تسنیم صاحبہ کو جو دین کا جذبہ عطا کیا تھا اور اس کے لیے پوری زندگی کام کرنے کا جو حوصلہ اور ہمت عطا کی تھی اس سے انھوں نے پوری طرح کام لیا۔

دنیا کی حالت اور دین کی طرف سے بے اعتنائی دیکھ کر ان کا دردمند دل بیتاب ہو جاتا تھا اور وہ ان کو سکون سے زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ نے عافیت کی زندگی اختیار کرنے کے بجائے، مادیت، الحاد اور بے دینی کے طوفان سے مورچہ لینا زیادہ پسند کیا اور سنت نبویؐ پر چلتے ہوئے بے دینی اور الحاد کے خلاف جہاد شروع کر دیا اور ساری زندگی اسی راہ پر چلتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔

وہ ہفتہ میں ایک دن عورتوں کا جلسہ کرتی تھیں جس میں قرب و جوار کی عورتیں شریک ہوتیں اور دین کی باتیں سنتیں ان جلسوں سے بہت دینی فائدہ ہوا، جو عورتیں ان جلسوں میں شریک ہوتی تھیں وہ آج تک ان ایمانی محفلوں کو حسرت سے یاد کرتی ہیں۔

انھوں نے اپنے قلم کے ذریعہ بھی دین کی خدمت کی، جس کی گواہ ان کی تصنیف کردہ کتابیں، زادسفر، موج تسنیم، قصص الانبیاء، ہمارے حضور، اور مضامین ہیں جو مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں اور اپنے دردمند دل کی تڑپ کو انھوں نے جس انداز سے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ والہانہ انداز میں اشعار کی صورت میں ڈھالا ہے کہ پڑھنے اور سننے والا بھی خدا کی محبت میں ڈوب جاتا ہے اور تمنا کرنے لگتا ہے کہ یہ تڑپ، یہ کسک اور یہ سوز دروں کاش اسکو بھی نصیب ہوتا تو اس کی زندگی بھی سوارت ہوجاتی۔

جب سے لگی تری لگن زندگی زندگی ہوئی
دل کو سکوں بھی ملا روح میں تازگی ہوئی

اسی طرح ان کا دل عشق نبوی سے لبریز تھا اور کس مسلمان کو حضور سے محبت اور تعلق نہیں ہوتا مگر جو والہانہ انداز اور سوز دروں ان کے یہاں پایا جاتا تھا وہ کم دیکھنے میں آیا ہے، نعت خوانی شعر وشاعری میں سب سے دشوار صنف ہے یہ ایسا پل صراط ہے کہ انسان ذرا سا پھسلے تو کہیں کا کہیں پہنچ جائے مگر اللہ کی توفیق جس کو شامل حال ہو وہ کبھی نہیں بہکتا۔ امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ نے جس خوبی سے یہ راستہ طے کیا وہ اپنی آپ مثال ہے ان کے نعتیہ اشعار کی مثال عشق ومحبت نبوی سے ایسے لبریز جام سے دی جاسکتی ہے جو چھلکتا نہیں ان کی شخصیت کی تاثیر کا اندازہ اس سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے کونے کونے سے ان کے پاس خطوط آتے تھے جن میں اپنی گھریلو مشکلات کا ذکر ہوتا تھا، دینی مسائل دریافت کئے جاتے تھے، ان میں امور خانہ داری، ازدواجی زندگی کی مشکلات دین ودنیا کے مسائل ہوتے تھے جن کا وہ تشفی بخش جواب دیتیں اور سائل مطمئن ہوتا۔

یہ ایک پاک نفس خاتون اور اللہ کی نیک بندی کا کارنامہ تھا جو اس نے اللہ کی راہ میں انجام دیا اور اس کے لیے عیش وآرام کو خیر باد کہا، پھر بھی وہ آخر تک یہی سمجھتی رہیں کہ اب بھی کچھ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

ضرورت تھی کہ ان کی جامع کمالات شخصیت پر مستقل کتاب ہوتی، مقام مسرت ہے کہ خواہرزادہ عزیز القدر مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ اللہ نے یہ کام اپنی سعادت سمجھ کر انجام دیا اور اپنے پیش نظر ''ماہنامہ رضوان'' (لکھنؤ) کی وہ خصوصی اشاعت رکھی جو ان کی وفات پر سامنے آئی تھی اور بعض پہلوؤں کو ذرا تفصیل سے اجاگر کیا جو تشنہ رہ گئے تھے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس کے نفع کو عام کرے۔

وما ذالك على الله بعزيز۔

محمد حمزہ حسنی

''مدیر'' ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ

۲۲؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

مطابق ۱۵؍فروری ۲۰۱۲ء

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

عرض مولف

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی أشرف الأنبیاء والمرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ وأہل بیتہ أجمعین وعلی من تبعھم باحسان من ذکر وأنثی ودعا بدعوتہ الی یوم الدین ۔أما بعد

معروف عالم دین اور جنوبی ہند کی مایہ ناز ، علمی ، دینی روحانی شخصیت حضرت مولانا شاہ سید صبغۃ اللہ بختیاریؒ نے اپنے محبوب اور عزیز ترین ومحترم رفیق درس حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی قدس سرہ کو ان کی مصنفہ ومعلمہ اور گوناگوں صفات وکمالات کی حامل بہن مخدومہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے انتقال کے سانحہ سے متاثر ہوکر خط لکھا، اور یہ فرمائش کی کہ آپ تو مفصل اور مکمل سوانح حیات صاحبہ رضا وتسلیم سیدہ امۃ اللہ تسنیم علیہ الرحمۃ کی مرتب کیجیے اور رضوان کا خصوصی نمبر نکالیے یہی یادگار رہے۔

مفصل ومکمل سوانح حیات کا کام تو اب تک سامنے نہ آسکا، البتہ رضوان کا نمبر صاحبہ رضوان پر مرتب ہوکر تھوڑے ہی عرصہ میں منظر عام پر آگیا تھا مفصل ومکمل سوانح حیات نہ سہی، تذکرہ کا قرض تو باقی تھا ہی۔ حالانکہ کسی حد تک مکتوب نگار کی فرمائش کا حق مکتوب الیہ نے اپنے مفصل وطویل مضمون میں کردیا تھا جو پرانے چراغ حصہ دوم کی زینت ہے اور گویا اس میں انھوں نے اپنے قلب وجگر کو نکال کر رکھ دیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا جس قدر شکر گزار ہوا جائے کم ہے، جتنی ہی حمد وثنا بیان کی جائے تھوڑی ہے اور جتنا اس کا نام لیا جائے اور تسبیح بیان کی جائے وہ کماً وکیفاً معمولی ہی رہے گی کہ اس گنہگار کے حصہ میں یہ سعادت آرہی ہے کہ مکمل ومفصل سوانح حیات نہ سہی،

جو کچھ بن پڑا اس کو محض اللہ رب العالمین کی توفیق وتائید کا اثر محسوس کرتے ہوئے پیش خدمت کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کے نفع کو عام کرے

راقم الحروف پر امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے احسانات بہت زیادہ ہیں، میری عمر شعور کی عمر نہیں تھی کہ ایک ایک چیز یاد رکھتا۔ لیکن اپنی والدہ مرحومہ (اللہ انھیں اپنی رضا ورحمت میں رکھے) اور دوسرے بڑوں سے جو سنا اس نے وہ نقوش دل ودماغ پر ثبت کئے جس سے برابر اس بات کی تحریک ہوتی رہی کہ ان کی غیر معمولی شخصیت کے سوانح حیات بھی سامنے لائے جائیں تاکہ اس مجموعۂ کمالات خاتون کو خواتین آئیڈیل بنا سکیں۔ والدہ مرحومہ ان کی ہی تربیت میں رہی تھیں اور انہوں نے ان کی شفقتوں کا حصہ وافر پایا تھا ان کا ان سے دوہرا تعلق تھا، بڑے بھائی مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ کی نواسی اور بڑی بہن سیدہ امۃ اللہ العزیز مرحومہ کی بڑی پوتی تھیں، والدہ مرحومہ اپنی ان دادی (امۃ اللہ تسنیم مرحومہ جو عائشہ بی کے نام سے معروف تھیں) کی خوبیوں، ان کے تربیت کے انداز ان کے جذبہ تعلیم وتبلیغ ان کے تصنیفی اور تحریری ذوق اور دوسری خصوصیات کا جن کا ایک خاتون کے اندر جمع ہو جانا نادر بات ہے تذکرہ کرتیں اور بڑی وارفتگی وشیفتگی کے ساتھ ان کی باتیں بتاتیں، پھر یہ کہ ہم سب اہل خاندان کے سرپرست، مرشد ومربی اور نہایت محبوب شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کا ان کا بچپن سے ہم مذاقی وہم مزاجی کا تعلق اتنا گہرا رہا تھا کہ علمی، فکری، اصلاحی، دعوتی، ملی، خاندانی، سیاسی تمام معاملات ومسائل میں بڑی ہم آہنگی رہی اور وہ محبت وتعلق رہا جو ایسا کم بھائی بہن میں ملے گا، یہی وجہ تھی کہ ان کے انتقال کا حضرت مولاناؒ کو بڑا صدمہ پہنچا، حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کو اپنی ان مرحومہ بہن کی ایک ایک ادا پسند تھی اور وہ لوگ عزیز تھے جو انہیں عزیز رہے تھے، یہ تذکرہ پیش کرتے وقت اپنی ان دونوں محسن ومربی شخصیتوں کی بڑی یاد آ رہی ہے وہ ہوتے تو یقیناً خوش ہوتے بلکہ اشک بار ہوتے (یعنی سرپرست خاندان حضرت مولانا قدس سرہ اور والدہ ماجدہ مرحومہ)

مرتب نے ماہنامہ رضوان لکھنؤ کی اس خصوصی اشاعت کو پیش نظر رکھا جو امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی وفات کے بعد مئی، جون ۱۹۷۶ء میں منظر عام پر آئی تھی اور اس اشاعت کے مضامین سے اس تذکرہ کی ترتیب میں فائدہ اٹھایا، البتہ تین مضمون تذکرے کے آخر میں پورے کے پورے شائع کیے جا رہے ہیں۔ایک حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا، دوسرا ان کے برادر عم زاد مولانا سید ابوبکر حسنیؒ کا، تیسرا مضمون مرحومہ کے برادر زادۂ اعز واحبّ مولانا سید محمد الحسنیؒ کا ہے، باقی مضامین ومقالات کے مندرجات موضوعات کی مناسبت سے الگ الگ جگہوں میں ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے، خال معظم مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ نے اپنے روزنامچہ میں جو تصویر کشی کی تھی وہ بھی مستقل مضمون کے طور پر شامل ہے۔

ان کے علمی اشتغال کے تعلق سے احادیث نبویہ پر ان کے علمی حواشی کو موضوع بنا کر ایک مضمون مستقل طور پر سپرد قلم کیا ہے جو ان کی کتاب زاد سفر کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے، اس کے علاوہ ان کے ذوق ابتہال ومناجات، ان کے تعلق مع اللہ، عشق رسول ﷺ اور تعلیم وتربیت ودعوت وتبلیغ اور حالات زندگی پر الگ الگ مضامین ہیں اس طرح یہ کتاب قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

خال معظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ کے امۃ اللہ تسنیم نمبر کے مرتب تھے اس لئے یہ حق انہی کا تھا کہ ان کا مضمون کتاب کا حرف آغاز ہوتا پیش لفظ کے طور پر وہ نظر قارئین ہے۔خاندان کے سرپرستوں اور امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے محبوب بھانجوں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید محمد واضح حسنی ندوی زید مجدہم کی تقریظات نے کتاب کو اعتبار بخشا اور آخر میں اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ وہ اسے قبولیت عطا فرمائے اور لوگوں کو اپنی زندگیوں میں فرق لانے کا ذریعہ بنائے، اور مرحومہ کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرمائے اور جزائے خیر عطا فرمائے اور خال محترم مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی و برادر محترم مولانا

نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی (معاون شبلی کتب خانہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ) نے مسودے پر نظر ڈالی اور مفید مشوروں سے نوازا، اور برادر عزیز مولانا اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے بعض مقامات پر اچھی توجہ دہانی کرائی۔

اسی طرح برادر عزیز مولوی سید معاذ حسینی ندوی ناظر جامعہ ام المومنین عائشہ للبنات کا شکریہ بھی ضروری ہے جنہوں نے اس کے دار الاشاعت مکتبہ امامہ سے اشاعت کا نظم کیا، اور کمپوزنگ کا مشکل مرحلہ برادرم مولوی عمار عبد القیوم ندوی نے اور تزئین کا کام جناب حامد خوش نویس نے جس خوش اسلوبی سے انجام دیا اللہ سے دعا ہے کہ اس پر ان سب کو بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے، اور جس کا جس طرح بھی حصہ رہا ہو اللہ اس کے لئے اس حصہ کو صدقہ جاریہ بنائے اور قبول فرمائے۔ آمین

محمود حسن حسنی

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی تکیہ کلاں رائے بریلی

جمعرات ۲۳ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

حمد باری تعالیٰ

از: سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ

محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے یہ وہ اشعار ہیں جس میں اللہ رب العالمین کی حمد اس عجز وقصور کے اعتراف کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ وہ ذات عالی اس سے بہت بالاتر ہے اور اسلامی عقائد کا خلاصہ بھی اس میں آ گیا ہے اور اس کی خوبی یہ ہے کہ نعتیہ اشعار پر اس حمد کا اختتام کیا ہے اور آخری شعر دعا کا ہے اس میں بھی حمد کا پورا اظہار ہے یہی آغاز کتاب ہے۔

تری حمد مجھ سے ہو کیا بیاں تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ
ترا ذکر راحت قلب و جاں تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تری حمد پوری محال ہے جو کہوں تو خام خیال ہے
تو خود آپ اپنی مثال ہے ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تری ذات اعلیٰ صفات ہے ترا نام آبِ حیات ہے
تری یا د وجہِ نجات ہے، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ترا عرشِ اعلیٰ مقام ہے یہ دلوں میں تیرا مقام ہے
یہ زباں پہ تیرا ہی نام ہے ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ترا جلوہ شمس و قمر میں ہے، ترا جلوہ لعل و گہر میں ہے
ترا جلوہ قلب و نظر میں ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تو یہاں وہاں تو کہاں نہیں، کوئی ہے مقام تو جہاں نہیں
کوئی راز تجھ سے نہاں نہیں ، تری شان جَلَّ جَلاَلُہٗ

کوئی ذات ایسی بھلا کہاں ، جو سفر حضر میں ہو ہمر ہاں
تو ہے سب کا ہر جگہ پاسباں ، تری شان جَلَّ جَلاَلُہٗ

ہے مقام عرش پہ جلوہ گر ، یہ دلوں کے راز سے باخبر
ہے زمیں کی تہہ پہ تری نظر ، تری شان جَلَّ جَلاَلُہٗ

ہے جہاں میں تیرا ہی رنگ وبو ، ہے بسا خیال میں تو ہی تو
ہے زبانِ قلب پہ ذکر ھُوْ ، تری شان جَلَّ جَلاَلُہٗ

نہ نگاہ ظن تجھے پاسکے نہ خیال ہی میں تو آسکے
وہ ہے کون تاب جولا سکے ، تری شان جَلَّ جَلاَلُہٗ

ترا اسم گرامی حمید ہے ، ترا نام نامی مجید ہے
تری ذات گرامی وحید ہے، تری شان جَلَّ جَلاَلُہٗ

تو خبیر ہے تو علیم ہے تو لطیف ہے تو حلیم ہے
تو رؤوف اور رحیم ہے ، تری شان جَلَّ جَلاَلُہٗ

تو سمیع اور بصیر ہے تو مجیب، ربّ قدیر ہے
تو علی ہے اور کبیر ہے، تری شان جَلَّ جَلاَلُہٗ

تو مربی اور کفیل ہے ، تو شفیق ہے تو وکیل ہے
ترا اسم پاک جلیل ہے ، تری شان جَلَّ جَلاَلُہٗ

ترا ذکر کیسا عزیز ہے ، تری یاد کتنی لذیذ ہے
ترا نام خود ہی عزیز ہے تری شان جَلَّ جَلاَلُہٗ

تری حکمتوں کا ہو کیا بیاں، تری قدرتوں کے ہیں سب نشاں
یہ زمین اور یہ آسماں ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ہیں انعام تیرے جو اے خدا انھیں گن سکے کوئی کیا بھلا
ترے فضل کی نہیں انتہا تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

وہ ہوائیں گرم ہیں تیز تر کہ تپش سے تپ گئے بحر و بر
لگی لوٹنے خاک زمیں پر ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

جو بہار آئی چمن چمن کھلے گل و لالۂ و نسترن
ہے زبان طوطی کے یہ سخن تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

کہیں کوٹھیاں ہیں سجی ہوئی ، کہیں شادیاں ہیں رچی ہوئی
کہیں ماتم صف ہے بچھی ہوئی، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

لب جاں مریض بحال ہے ، کوئی بیٹھے بیٹھے نڈھال ہے
اسے روکے کس کی مجال ہے ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

کوئی موت سے نہ بچا سکا نہ مَرے کو کوئی جِلا سکا
نہ نوشتہ کوئی مٹا سکا ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

کیا زور خوب نہ جا سکے نہ ہی چاند ہی میں وہ سما سکے
کسی شے پہ قابو نہ پا سکے ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

کوئی عشق میں تیرے فنا ہوا کوئی کفر ہی پہ مرا جیا
جسے چاہا جیسا بنادیا ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

کوئی شاہ کوئی امیر ہے ، کوئی در کا مارا فقیر ہے
تری کُن کی ایک نظیر ہے ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

یہ زمیں بنی وہ بنے فلک ، یہ بشر بنے وہ بنے مَلَکْ
ہے ہر ایک شے میں تری جھلک ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

جو فلک پہ مہرِ مبین ہے تو یہاں پہ مظہر دین ہے
ترا وہ رسول امین ہے ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

نہ وہ حسن شمس وقمر میں ہے ، نہ وہ خوبی لعل وگہر میں ہے
نہ وہ شان کوئی بشر میں ہے ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

یہ وہ ذات عالی مقام ہے کہ تمہارے بعد ہی نام ہے
مرا لاکھ بار سلام ہے ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

یہ چند شعر ہوئے ادا ، ہو قبولیت کا شرف عطا
بہ طفیل حضرت مصطفیٰ (۱) ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

ترا فضل فضلِ عظیم ہے ، ترا لطف لطفِ عمیم ہے
تری ذات ذاتِ کریم ہے ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

تجھے واسطہ اپنی ہی ذات کا ، مجھے کردے ایسی صفات کا
جو سبب ہوں میری نجات کا ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

---

(۱) صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم آتنی بفضلك افضل ماتوتی عبادك الصالحین

تمہید

اسلام میں عورت کا درجہ ومقام اور خواتین کا دینی وایمانی کردار

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا وسید العالمین محمد بن عبد اللہ الصادق الأمین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وعلی من تبعھم باحسان ودعا بدعوته الی یوم الدین ۔

أما بعد!

انسانی تاریخ میں نسلوں کی تربیت اور لوگوں کی رہنمائی اور رہنمایان قوم کی نصرت وتائید اور تعلق مع اللہ، خدمت خلق ودین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے فدائیت کا حوصلہ وجذبہ رکھنے میں خواتین پیچھے نہیں رہیں۔ معرفت ربانی، حیا، عفت اور پاکدامنی یقین، توکل اور اعتماد علی اللہ، میں حضرت مریمؑ اور اللہ اور اس کے دین اور اس پر ایمان ویقین کے خاطر بڑی سے بڑی چیز قربان کر دینے اور صبر وعزیمت واستقامت کی اعلی ترین اور نادر مثال ونمونہ پیش کرنے میں حضرت آسیہ (سرکش فرعون کی پاکباز اور فخر اہل بہشت بیوی)۔ اسی طرح تصدیق رسالت ووحی اور دین کی سربلندی کے لیے بڑی سی بڑی متاع کو قربان کر دینے، اور جرأت وعالی ہمتی اور تواصی بالحق وتواصی بالصبر کے عمل میں بے مثال نمونہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کا اور علم وفضل، ذہانت وذکاوت شجاعت وبسالت میں ام المومنین حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا اور شرم وحیا جو کہ خواتین کا زیور ہے، جرأت وبیباکی، صبر وبرداشت، زہد وعبادت، عفت وحیا میں سیدۂ عالم فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ کی زندگیوں میں وہ نمونے ہیں جن سے ہر دور میں رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے اور ان عالی ہمت و پاکباز خواتین کو نمونہ بنا کر برابر عالم نسواں ایسے شاندار نمونے پیش کرتا رہا ہے، کہ جس سے ایسے جانباز، جیالے، باہمت اور عبقری انسان سامنے آئے کہ جو ہزاروں پر بھاری رہے اور ایک ایک نے وہ کارنامے انجام دیے جو مملکتیں انجام دیتی ہیں، ہر ایک کے پیچھے عظیم ماؤں اور عظیم بہنوں اور عظیم بیویوں کی قربانی اور غیر معمولی صلاحیت واستعداد نظر آتی ہے، اسی طرح بعض غیر معمولی کارنامے انجام دینے والوں کے پیچھے ان کی وہ بہن اور بیٹیاں نظر آتی ہیں جنھوں نے پس پردہ ان کی حیرت انگیز طریقہ پر حمایت ونصرت کی، علمی دنیا میں امام بخاریؒ کا نام لے لیا جائے تربیت وارشاد میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، للہیت وقربانی میں حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ جہاد وعزیمت میں امیر المومنین حضرت سید احمد شہید، دعوت وتبلیغ میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کاندھلوی، اور علمی وفکری رہنمائی میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ذات گرامی، ان سب کے پیچھے ایسی عالی ہمت بالغ نظر اور صاحب فراست وبصیرت اور باحمیت وغیرت خواتین خانہ کی دعاؤں اور حسنات کے اثرات صاف طور پر ظاہر ہوتے نظر آئیں گے۔ جنھیں کوئی بھی انصاف پسند مؤرخ ومصنف فراموش نہیں کرسکتا یہ خود ایک ایسا موضوع ہے جو مستقل ایک تصنیف چاہتا ہے۔ کسی کے پیچھے ماں اور ماں کی مائیں، کسی کے پیچھے ماں باپ کی بہنیں اور خود اس کی بہنیں دکھائی دیں گی اور کہیں خاتون اسلام بہترین بیوی کے طور پر نظر آئے گی اور کہیں بیٹیاں تقویت کا باعث بنتی دکھائی دیں گی، صحابہ کے لئے صحابیات تابعین کے لئے تابعات اور ہر دور میں مردوں کے لئے عورتیں پشت پناہ رہی ہیں۔

مسلمانوں پر یہ الزام لگایا جاتا رہا ہے کہ انھوں نے اپنی مذہبی تعلیمات کے اثر سے یا قبائلی وخاندانی روایات کے دباؤ کے نتیجہ میں سہی عورتوں کی تعلیم وتربیت کو ہمیشہ نظر

انداز کیا، اس خلاف واقعہ وحقیقت بات کو اس زور سے کہا جاتا رہا کہ اسے ایک واقعہ FACT سمجھ لیا گیا، جبکہ تاریخ کا جائزہ لینے سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ معاملہ ہمیشہ اس کے برعکس رہا، اور اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلامی تعلیمات میں عمل پر بہت زور دیا گیا ہے اور ایسی عملی زندگی اختیار کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے کہ جس سے وہ انسان صاف ستھری زندگی گزار کر اللہ کا پسندیدہ بنے اور اپنے عمل سے دوسروں کو بھی پاکیزہ زندگی کا حامل اور اپنے رب کا پسندیدہ بنائے۔ یہ اسلام کا صرف مردوں سے مطالبہ نہیں رہا عورتیں اس مطالبہ میں مردوں کے مساوی رہیں اور عمل کا دارومدار ارادہ ونیت پر ہے اور ارادہ ونیت کا صحیح ہونا صحیح علم پر موقوف ہے اور اسلام نے علم میں کبھی عورتوں کی ہمت شکنی نہیں کی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رقم طراز ہیں:

قرآنی آیات جو نصف نوع انسانی اور جنس لطیف کے بارے میں نازل ہوئی ہیں وہ عورت کے اندر اس لیے اعتماد پیدا کرتی ہیں کہ ان کے بموجب معاشرہ میں اور خدا کے نزدیک اس کا ایک متعین مقام ہے اور وہ دین وعلم، خدمت اسلام خیر وتقوی میں تعاون اور صالح معاشرہ کی اس تعمیر میں پوری طرح حصہ لے سکتی ہے، قرآنی آیات، قبول اعمال، نجات وسعادت اور آخرت کی کامیابی کے بیان میں ہمیشہ مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کرتی ہیں۔ اسی طرح وہ حیات طیبہ کے مواقع ووسائل عطا کرنے کے موقع پر بھی مردوں کے ساتھ عورتوں کو یاد رکھتا ہے، بلکہ اس کے لیے ضمانت دیتا ہے اور اس کا وعدہ کرتا ہے کہ "حیات طیبہ" ایک جامع اور دوررس معانی پر مشتمل کلمہ ہے جو مثالی اور کامیاب زندگی کا مفہوم اور عزت واطمینان کے غیر محدود معانی رکھتا ہے، صفات حسنہ، اعمال صالحہ اور دین کے اہم شعبوں کے ذکر کے وقت قرآن مجید صرف مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر اور یہ اشارہ ہی نہیں کرتا، کہ اعمال صالحہ اور صفات کریمہ میں ذکور واناث میں کوئی فرق نہیں بلکہ اس کے برعکس وہ ایک ایک صفت کو الگ بیان کرتا ہے، اور جب مردوں کی اس صفت کا ذکر کرتا ہے تو اسی صفت سے عورتوں کو بھی موصوف کرتا اور ان کا مستقل

ذکر کرتا ہے اگر چہ اس کے لیے طویل پیرایہ بیان ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے اس کی حکمت یہ ہے کہ ان صفات میں قوت وصلاحیت رکھنے والے مردوں پر عورتوں کو قیاس کرنے پر وہ انسانی ذہن آمادہ نہیں ہوتے جنہوں نے غیر اسلامی مذاہب وفلسفہ اور قدیم معاشرت وآداب کے سایہ میں تربیت پائی ہے، ایسے ذہنوں نے ہمیشہ مردوں اور عورتوں میں تفریق کی ہے اور انہیں بہت سے فضائل میں مردوں کے ساتھ شرکت سے بھی مستثنیٰ رکھا ہے، چہ جائیکہ ان میں ان کی مزاحمت وسبقت کو گوارا کریں۔ قرآن مجید صرف طاعات وعبادات ہی کے سلسلہ میں ان کا ذکر نہیں کرتا، بلکہ باصلاحیت مردوں، علماء، اولوالعزم افراد دینی واخلاقی احتساب اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں مشکلات برداشت کرنے والوں کے ساتھ بھی ان کا ذکر کرتا ہے اور مومنین ومومنات کو ایک متحدہ اور خیر وتقوی پر تعاون کرنے والی جماعت کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے، وہ شرف انسانی کی اعلی ترین منزل پر پہونچنے کا ذریعہ اور کامل معیار جنس ونسل اور رنگ وخون سے قطع نظر صرف تقوی کو قرار دیتا ہے۔

یہ سب باتیں عورتوں میں بہت خودداری اور خود اعتمادی پیدا کرنے اور جدید نفسیات کی اصطلاح میں انہیں احساس کمتری سے دور رکھنے کے لیے بہت کافی ہے ان ہی تعلیمات کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد سے عصر حاضر تک مشاہیر خواتین اسلام میں معلمات اور تربیت کرنے والی، جہاد اور تیمارداری کرنے والی، ادیب ومصنف، حافظ قرآن، حدیث کی راوی، عابد وزاہد اور معاشرہ میں صاحب حیثیت ووجاہت خواتین کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے جن سے علمی استفادہ کیا گیا اور جن سے تربیت حاصل کی گئی اور جو معیاری ومثالی شخصیت کی حامل تھیں۔

متعدد انصاف پسند مغربی فضلاء اور معاشرتی وتمدنی تاریخ کے ماہرین نے ان قرآنی اور شرعی تعلیمات کی برتری کا اعتراف کیا ہے، جو عورتوں کے احترام اور ان کے لیے حقوق پر مشتمل ہیں۔(۱)

---

(۱) تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات ص، ۶۸ تا ۷۴۔ از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

انسانی کردار سازی بڑا اہم بالشان عمل ہے اور وہ عظیم خدمت ہے جسے انجام دینے کے لیے انبیاء ورسل مبعوث کیے جاتے رہے نائبین انبیاء اور حاملین علم نبوت کی تگ ودو بھی اسی میں صرف ہوتی نظر آتی ہے، انھیں کے شانہ بشانہ خواتین بھی رہیں اور حدیث میں بہترین خاتون اس بیوی کو کہا گیا ہے جو اپنے شوہر کی دینی معاون ہو اور اندرون خانہ اس کے مال ومتاع کی اچھی نگہبان اور امین ہو۔ بیوی کو درحقیقت شوہر کی زندگی کے ایک مرحلہ کے گزرنے کے بعد یہ سعادت حاصل ہوتی ہے، جبکہ ماں اور بہنیں اور پہلے ہی یہ شرف حاصل کرلیتی ہیں۔ اور انسانی کردار سازی میں یہ شرف اول ماں کے حصہ میں آتا ہے اور بہنیں بھی بہترین معاون ہوتی ہیں، گھریلو تعلیم وتربیت کے علاوہ اگر خواتین تعلیم وتربیت کا دائرہ اور وسیع کرلیتی ہیں تو ان کے حصہ میں اور بھی ہیرے جواہرات انسانی شکلوں میں آجاتے ہیں۔

جہاں تک اخلاق وکردار اور اعلی ایمانی صفات کا تعلق ہے تو امت کی خواتین اس میں بھی مردوں سے پیچھے نہ نظر آئیں گی، اس دور آخر ہی کی خواتین کو لے لیجیے!!

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی (م ۱۳۱۳ھ) کی والدہ مرحومہ نے سخت قحط کے زمانہ میں جب کہ شوہر بھی وفات پاچکے تھے اور وہ جو سرمایہ چھوڑ گئے تھے وہ خرچ ہوگیا تھا، آپ نے اپنے مکان کا دروازہ بند کرلیا اور جو درخت گھر میں تھے ان کے پتوں کو ابال کر کھالیتیں اور کسی کو اپنے حال سے مطلع نہ ہونے دیتیں۔

داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی والدہ مرحومہ (۱) کے یہاں بھی دست سوال گویا سب سے بڑا جرم تھا، جو بھی ضرورت ہوتی اللہ کے سامنے رکھتیں اسی چیز نے حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے اندر ایمان ویقین اور اعتماد علی اللہ کی وہ کیفیت پیدا کردی تھی جس میں وہ اپنی انفرادیت رکھتے تھے۔

تعلیم وتربیت میں حضرت مولانا خواجہ نظام الدین اولیاء کی والدہ کا نمونہ ہمارے

---

(۲) ہمشیرہ محترمہ حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی وحضرت مولانا اظہار الحسن کاندھلوی وحضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی

سامنے ہے، حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ والدہ کا معمول تھا، کہ جس روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں، ایک دن خدا کا ایک بندہ ایک کلو غلہ گھر میں دے گیا، چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آ گیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں، یہ سن کر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوتا کہ بیان میں نہیں آسکتا۔(۱)

جہاد وعزیمت اور شوق شہادت میں خواتین نے اپنے نونہالوں میں وہ حوصلہ اور جرأت پیدا کی، کہ بڑی بڑی حکومتیں ان سے تھرا گئیں، زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ کی مثال سامنے ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''ایسی مائیں دنیا میں بہت کم ہوں گی جو بیٹے کی جان کے امتحان میں پوری اتریں اور اس کو مرنے کے لیے اپنے ہاتھ سے رخصت کریں، حضرت سید احمد شہیدؒ کو اللہ نے والدہ بھی ایسی دی تھی جو حضرت اسماءؓ کا نمونہ تھیں۔(۲)

ایک مرتبہ ایک جنگ کے دوران سید صاحب نے جانے کی آمادگی ظاہر کی لیکن کھلانے والی نے کسی طرح جانے نہ دیا، والدہ محترمہ نماز پڑھ رہی تھیں، سید صاحب منتظر کھڑے تھے کہ آپ سلام پھیریں تو اجازت طلب کریں، والدہ صاحبہ نے جب سلام پھیرا تو دایہ سے کہا کہ بی بی تمھیں سید احمد سے ضرور محبت ہے مگر میری طرح نہیں ہوسکتی یہ روکنے کا موقع نہ تھا، جاؤ بھیا! اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ مگر خبردار پیٹھ نہ پھیرنا ورنہ

---

(۱) رضوان جنوری، فروری ۶۳ء

(۲) ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو جب سولی دی گئی تو ان کی والدہ نے فرمایا "اما آن للراکب ان ینزل" کیا اس سوار کے لئے ابھی اترنے کا وقت نہیں آیا؟ اور ان کا جرأت مندانہ مکالمہ بھی مشہور اور کتب احادیث میں مذکور ہے جو اس موقع پر حجاج کے ساتھ ہوا تھا

تمہاری صورت نہ دیکھوں گی۔(۱)

مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندویؒ نے مولانا محمد علی جوہر کا واقعہ بھی اسی سے ملتا جلتا بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

''پرانی عورتیں مقام صبر ورضا میں بہت مضبوط اور مسئلہ تقدیر کے حقیقی فوائد سمجھتی رہی ہیں اور اس اعتقاد کی بدولت ان کی گودوں میں جن لوگوں نے پرورش پائی، وہ دنیاوی طاقتوں سے بے خوف اور ظاہری قوتوں سے نڈر رہے۔بی اماں کے دل میں بھی یہ خیال مضبوطی سے قائم ہے، فرمایا کہ سات برس ہوگئے اپنے بچوں کو خدا کے سپرد کردیا ہے، لیکن خدا شوکت (علی) محمد (علی) کی حفاظت کررہا ہے انگریز ان کا ایک ناخن بھی اکھاڑ نہ سکے لیکن اللہ کی مرضی اگر یہی ہے کہ میرے دونوں بچے اس راہ میں جان دے دیں تو ان کو کون بچا سکتا ہے(۲)

مشہور اسلامی الفکر وانقلابی شاعر اسلام علامہ اقبال کے متعلق مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا بیان ہے کہ وہ اپنی ساری ترقیوں، بیداریوں، ایمانی ذوق اور دردوسوز کو اپنی والدہ کی تربیت اور پاک باطنی کا نتیجہ سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میرے اندر ایمان ومحبت کی جو چنگاری ہے وہ میری ماں کی تربیت کا نتیجہ ہے، مجھے جو کچھ ملا، ان کی گود اور ان کی تربیت سے ملا، یہ دولت ایمان والی ماں کی آغوش تربیت سے ملتی ہے، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نہیں۔(۳)

خود حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا اپنی والدہ کے سلسلہ میں یہی اعتراف ہے، ان کی دعائے نیم شبی وآہ سحرگاہی اور تعلیم وتربیت میں سختی، دست سوال سے

(۱) حضرت سید صاحب کی والدہ ماجدہ حضرت شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلوی کی صاحبزادی تھیں جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ممتاز تلامذہ ومسترشدین وخلفاء میں تھے۔

(۲) رضوان، اگست ۶۳ء

(۳) ماہنامہ رضوان لکھنو شمارہ جولائی ۶۳ء اور ملاحظہ ہو نقوش اقبال مولفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی)

بالکلیہ گریز، حتیٰ کہ فاقہ اختیار کر لینا، اور حقوق العباد میں سختی، یہاں تک کہ اگر کسی ملازمہ کے بچے کو بھی بچپن میں ماردیا تو اس سے بدلہ لینے کو کہتیں اور ان سے معافی مانگنے پر اصرار کرتیں، کسی طرح فراق گوارہ نہ تھا لیکن دین کی تعلیم وتربیت کے لیے ہفتوں کیا مہینوں کا فراق بہ آسانی گوارہ کرتیں اور اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتیں۔

تربیت کا ایک غیر معمولی واقعہ مولانا الطاف حسین حالی نے سرسید احمد خاں کا لکھا ہے کہ ''سرسید سے ایک دفعہ ان کے بچپن کے حالات پوچھے گئے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میری تمام سرگذشت کے بیان کو یہ ایک شعر کافی ہے۔

طفلی ودامانِ مادرخوش بہشتے بودہ است
جو بپائے خود رواں گشتیم سرگرداں شدیم

اور یہ واقعہ لکھا ہے کہ وہ کہتے تھے:

''جس زمانہ میں میری عمر ۱۱، ۱۲، برس کی تھی میں نے ایک نوکر کو جو بہت پرانا اور بڈھا تھا، کسی بات پر تھپڑ مارا، والدہ کو خبر ہوگئی، ناراض ہوکر کہا کہ اس کو گھر سے نکال دو، جہاں اس کا جی چاہے چلا جائے، یہ گھر میں رہنے کے لائق نہیں رہا، چنانچہ ماما میرا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر لے گئی، اور سڑک پر لاکر چھوڑ دیا اسی وقت میری خالہ کے گھر سے جو بہت قریب تھا دوسری ماما نکلی اور خالہ کے پاس لے گئی۔

انہوں نے کہا دیکھو! آپا جی تم سے بہت ناراض ہیں، میں تم کو کوٹھے پر ایک مکان میں چھپا دیتی ہوں، وہاں سے باہر نہ نکلنا، ورنہ ہم سے بھی ناراض ہوجائیں گی میں تین دن تک وہاں چھپا رہا، تیسرے دن خالہ صاحبہ مجھے والدہ کے پاس لے گئیں، تاکہ قصور معاف کرائیں انہوں نے کہا اگر اس نوکر سے قصور معاف کرائے گا تو میں بھی معاف کردوں گی، جب میں نے ڈیوڑھی میں جاکر نوکر کے آگے ہاتھ جوڑے تب قصور معاف ہوا۔''

حصول علم کے جذبہ کی بہترین مثال حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی جماعت تبلیغ کی والدہ ماجدہ کی ہے کہ انہوں نے شادی کے بعد قرآن مجید حفظ کیا تھا اور ایسا اچھا یاد کرلیا تھا کہ معمولی حافظ ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔

اسی طرح ایک مثال مولانا سید عبدالحی حسنی کی نانی سیدہ حمیرا بنت سید علم الہدیٰ حسنی کی مثال بھی ہے جو حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت تھیں اور مولانا سید سراج الدین ہنسوی (خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ) کی اہلیہ تھیں، انہوں نے حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی صاحبزادی سیشاہ صاحب کی مقبول عام تفسیر و ترجمہ قرآن ''موضح القرآن'' کی ایک سفر میں روایت و اجازت لی اور غالباً وہ سفر حج تھا پھر انھوں نے یہ اجازت اپنے نواسہ مولانا عبدالحی حسنی کو دی اور وہ جب سلاتی تھیں تو یہ لوری دیتیں۔

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب
یہ افضل سے افضل عبادت نصیب

علم وعمل سے عبارت ایک خاتون انہی مولانا سید عبدالحی حسنی کی دادی سیدہ فاطمہ بنت مولانا سید محمد ظاہر حسنی (خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ) ہیں۔

مصنف خانوادہ علم اللّٰہی مولانا سید محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

''بی بی فاطمہ نہایت خوش اوقات اپنے زمانہ کے لحاظ سے تعلیم یافتہ اور خاندان میں بہت باوقار بی بی تھیں، ابتدائے شعور سے تادم مرگ فرائض وسنن ورواتب تہجد، اوابین، چاشت، اشراق اور نوافل، طاعات، تلاوت قرآن مجید، مطالعہ رسائل فقہ وحدیث اور اوراد واذکار کی پابند تھیں، ترجمہ مشارق الانوار و مشکوۃ المصابیح، مفتاح الجنۃ، ضمان الفردوس، حکایات الصالحین، طب احسانی، رسالہ خوان نعمت وغیرہ کا مطالعہ رہتا تھا، بچوں اور عورتوں کے علاج میں ید طولیٰ حاصل تھا'' (۱)

---

(۱) خانوادۂ علم اللّٰہی ص ۱۵۴

ارشاد وتربیت اور صبر واستقامت میں بھی اسی خاندان کی برگزیدہ خاتون سیدہ سلیمہ (اہلیہ حضرت شاہ آیت اللہ خلف الرشید حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ) کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

مولانا محمد ثانی حسنیؒ لکھتے ہیں:

''سیدہ سلیمہ ایک بڑی صاحب علم اور خدا رسیدہ خاتون تھیں، جنہوں نے حضرت شاہ علم اللہ کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تربیت حاصل کی تھی، اوران کی مجاز ارشاد تھیں اور ان کی نسبت کاملہ سے حظ وافر رکھتی تھیں اور عورتوں سے کیا اس وقت کے بہت سے اہل کمال مردوں سے اس باب میں سبقت لے گئی تھیں (۱)

انہوں نے اپنے بڑے بیٹے شاہ محمد ضیا(۲) کے انتقال پر اپنے دوسرے بیٹے مولانا محمد صابر حسنی (۳) کو دہلی سے جہاں وہ حضرت شیخ محمد صدیق فرزند خواجہ محمد معصوم سرہندی کی خدمت میں سلوک طے کر رہے تھے بلا کر مسند ارشاد پر بٹھایا اور حضرت شاہ علم اللہ کی نسبت خاصہ عطا کی (۴)

جب ان کے ایک بیٹے سید عظیم الدین کو بعض لوگوں نے شہید کر دیا اور ان کا جنازہ گھر آیا تو خود انہوں نے بیٹے کے سر سے چادر ہٹائی اور حضرت صدیق اکبرؓ کی اتباع میں بوسہ دیا اور اللہ کے سپرد کیا۔(۵)

صرف یہی چند مثالیں نہیں ہیں۔عبادت وریاضت میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی والدہ کا حال ان کی امتیازی خصوصیت ظاہر کرتا ہے،

درود شریف پانچ ہزار (۵۰۰۰)، اسم ذات پانچ ہزار (۵۰۰۰)، بسم اللہ الرحمن الرحیم، انیس سو (۱۹۰۰) یا مغنی، گیارہ سو (۱۱۰۰)، لاالہ الااللہ بارہ سو (۱۲۰۰) یا حی ،یاقیوم دوسو (۲۰۰) حسبی اللہ ونعم الوکیل پانچ سو (۵۰۰) سبحان اللہ دوسو (۲۰۰)، الحمد للہ دوسو (۲۰۰) اللہ اکبر دوسو (۲۰۰) استغفار پانچ

---

(۱) خانوادہ علم اللہی ص ۳۴، (۲) والد حضرت شاہ ابوسعید حسنی م ۱۱۹۳ھ (۳) والد حضرت مولانا سید محمد واضح حسنی محدث (۱۲۰۱ھ) (۴) ایضاً ص ۵۱، (۵) ایضاً ص ۵۱،

سو(۵۰۰)افوض امری الی اللہ ،ایک سو،(۱۰۰)حسبنا اللہ و نعم الوکیل ، سو(۱۰۰)رب انی مغلوب فانتصر ایک سو(۱۰۰)رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین ،ایک سو(۱۰۰)لاالہ الاانت سبحانك انی کنت من الظالمین، سوبار (۱۰۰)ان کے علاوہ قرآن مجید کی ایک منزل روزآنہ تلاوت کا معمول تھا(۱)

دینی مزاج اور بچوں کی تربیت کی فکر کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اپنی کتاب سیرت سید احمد شہید حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو پیش کی تو انہوں نے اس کے مطالعہ کے بعد فرمایا، آپ کی کتاب نے میری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں کیا یہ سب کچھ میں نے اپنی نانی دادیوں سے سن رکھا تھا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی صاحبزادی کو یہ مرتبہ حاصل تھا کہ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ اپنے امور میں ان سے مشورہ لیتے،

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی والدہ ماجدہ جید حافظ قرآن تھیں اور ان کا علمی مقام یہ تھا کہ ان سے حدیث کی روایت بھی لی جاتی، ذکر وعبادت، دعا ومناجات میں انہماک کے ساتھ تصنیف وتالیف کا بھی ملکہ حاصل کرلیا تھا اور ان کے ساتھ ان کے گھر کی کئی اور خواتین حافظ قرآن تھیں انہی میں بتول بی بی ہیں جو راقم الحروف کی پردادی اور ان کی ہم سن بھانجی تھیں دادا صاحب سید محمد مسلم حسنیؒ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے دین کی وہ باتیں ہم لوگوں کو سکھادی تھیں جو بعد میں ہم بھائی و دوسروں سے سنتے تو محسوس نہ ہوتا کہ یہ باتیں نئی ہیں وہ پرانی معلوم ہوتیں، تصنیف وتالیف میں ان کی دونوں صاحبزادیوں نے بھی کمال پیدا کیا، بڑی صاحبزادی سیدہ امۃ العزیز کی کتابیں شائع نہ ہوسکیں اور اب ان کے مخطوطات بھی نایاب ہیں، سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی کتابوں اور ان کے ترجموں اور مجموعہ حمد ونعت، باب کرم اور موج تسنیم وغیرہ نے کافی مقبولیت حاصل کی، اس کے ساتھ

---

(۱) اقوال سلف جلد پنجم ص ۲۷۳،اور ملاحظہ ہو مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت، از: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

تعلیم نسواں اور تبلیغ دین اور ارشاد وتربیت میں بھی وہ بڑھی ہوئی تھیں۔

صاحبہ تذکرہ معاصر خواتین میں ایک مثال حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی والدہ کی بھی ہے جو خواتین اور بچوں کے علاج میں اتنی معروف تھیں کہ بڑی تعداد میں عورتیں اپنا اور اپنے بچوں کا علاج انہیں سے کرایا کرتیں اور ان کے معمولات ووظائف کا یہ حال تھا کہ ایک ہزار دانوں کی ایک طویل تسبیح ان کے سرہانے رہتی اور نماز عشاء کے بعد بلا ناغہ کلمہ طیبہ کی تسبیح ہزارہ پڑھنے کی اس درجہ عادی تھیں کہ شدید ترین بیماری میں بھی وہ کبھی قضا نہیں ہوتی اس کے ساتھ اذان کی آواز سنتے ہی مصلے پر پہونچ جاتیں۔(۱)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نے فضائل رمضان میں اپنی صاحبزادیوں کے اس عمل کو تحدیث نعمت کے طور پر بیان کیا ہے کہ گھر کے کام کاج کے ساتھ بیس پارے روز تلاوت کر لیتی ہیں۔

مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نے اپنی صاحبزادیوں کی تعلیم کا خود اہتمام کیا اور ان کو عربی سکھائی اور دینیات پڑھائی، ان کی صاحبزادی مرحومہ اہلیہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے رسائل، حیٰوۃ المسلمین، تعلیم الدین، جزاء الاعمال، ، آداب المعاشرت وغیرہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی قصص النبیین خود اپنے والد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب سے پڑھیں، اور بڑی صاحبزادی اہلیہ حضرت مولانا شاہ محمد مبین مدظلہ نے حفظ قرآن بھی کیا۔(۲)

اولاد کی تعلیم وتربیت اور مسلمانوں کی نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کی فکر میں ماؤں کے کردار کی ایک مثال حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی کی والدہ کی بھی ہے کہ انہوں نے ان کو یہ میدان اختیار کرنے کی تاکید فرمائی اور خود تکلیفیں اٹھائیں، بحیثیت بیوی کے جن خواتین

---

(۱) ملاحظہ ہو اقوال سلف از: مولانا شاہ قمر الزماں الہ آبادی

(۲) ملاحظہ ہو اقوال سلف از: مولانا شاہ قمر الزماں الہ آبادی

نے اس سلسلہ میں تعاون کیا ان کا اصل جوہر قناعت اور مطالبات سے گریز والا عمل رہا،

اس وقت بھی اللہ تعالی جن لوگوں سے کام لے رہا ہے اور خدمت دین کی جس کو تھوڑی بہت توفیق مل رہی ہے اس کے پیچھے ماں کی دعاؤں کا بنیادی حصہ نظر آئے گا، پاکستان کے مشہور شیخ و مربی حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی نے حرم پاک میں راقم الحروف سے فرمایا کہ والدہ صاحبہ خاصا وقت دعاؤں میں لگاتیں اور اللہ تعالی ہمیں جو نواز رہا ہے وہ انہی دعاؤں کے طفیل ہے۔

خواتین اسلام کی علمی و دینی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم و تعلم، وعظ و تذکیر، تربیت وارشاد، جہاد و عزیمت، سارے میدانوں میں انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں، فقہ میں رسوخ پیدا کیا، حدیث کی روایات کی حامل و ناشر بنیں، یہ ایک مستقل موضوع ہے، اور اب اس پر کتابیں سامنے آرہی ہیں، عصر حاضر کے عظیم محقق مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کی کتاب ''خواتین اسلام کی علمی و دینی خدمات'' حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب ''خواتین اور دین کی خدمت اور مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی جونپوری حال مقیم اسلامک سنٹر آکسفورڈ یونیورسٹی و سابق استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کی کتاب'' جو ۲۰ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے ان ذی علم خواتین کے حالات پر ہے جن کا علم حدیث سے تعلق رہا، اس طرح انہوں نے عہد بہ عہد سینکڑوں ہزاروں خواتین کے حالات جمع کر دیے۔

اور موجودہ دور میں تعلیم نسواں کے لیے دینی مدارس کے قیام اور دعوت و تبلیغ کی راہ سے مرد داعیوں کے ساتھ ان کی خواتین کے بھی دعوتی اسفار نے خواتین کے اندر ان دبی ہوئی صلاحیتوں کو اجاگر کیا ہے، جس سے وہ خواتین میں علم وہدایت کے پھیلانے اور بدعات و جہالت کے دور کرنے کا وہ عظیم کام انجام دے رہی ہیں جس کا پہلے تصور بھی محال تھا۔ خواتین میں حفظ قرآن کا رواج بھی بڑھ گیا ہے اور چھوٹی عمر کی لڑکیوں کے ساتھ بڑی عمر کی خواتین بھی اس میں حصہ لے رہی ہیں، حفظ حدیث کا رواج شام اور تیونس کے ملکوں میں زیادہ ہے، جہاں

تک حفظ قرآن کا تعلق ہے ہندوستان و پاکستان ملیشیا انڈونیشیا وغیرہ میں اس کی طرف رغبت زیادہ نظر آرہی ہے، ہندوستان کے ساحل سمندر پر واقع چھوٹے شہر بھٹکل میں خاصی تعداد حافظات قرآن کی ہے اور متعدد عورتیں ایسی ہیں جنہوں نے شادی کے بعد حفظ قرآن شروع کیا اور جلد پورا کرلیا اور بعض نے شادی سے پہلے شروع کیا اور شادی کے بعد مکمل کیا اور اسی کے قریب منگلور میں اقراء عربک اسکول کے نظام کے تحت ایک ۵۸ سالہ خاتون نے ڈیڑھ سال کے عرصہ میں حفظ قرآن کی تکمیل کی، اور شام (سوریا) میں ایسی بھی خواتین ہیں جو صحاح ستہ کی حافظ ہیں، اسی طرح برصغیر ہندوپاکستان میں علم حدیث سے اشتغال میں مردوں کے ساتھ خواتین بھی نظر آتی ہیں۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور محدث حافظ پشاوری شارح منہج الباری شرح فارسی بخاری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اکثر علوم اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کئے جو ایک عالمہ فاضلہ تھیں، اس کے بعد مسند افادہ وافاضہ پر بیٹھے اور پوری عمر طلبہ کے پڑھانے اور تصنیف وتالیف میں گذاردی جس کا یہی مطلب ہے کہ ان کی والدہ صاحبہ بھی محدثہ تھیں (۱) علم وادب اور تصنیف میں مراکش کی دکتورہ عائشہ بنت الشاطی اور جہاد وعزیمت میں مصر کی مجاہد خاتون زینب الغزالی عصر حاضر کی لائق رشک خاتون ہیں۔

زیر تذکرہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ (ہمشیرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ) ایک جامع کمالات وصفات شخصیت تھی انہوں نے ان متنوع صفات وخصوصیات کو جمع کیا جو ایک نادر بات نظر آتی ہے۔

چونکہ ان کا علمی گھرانے سے تعلق تھا اور گھر میں ہمہ وقت علمی فضا چھائی رہتی تھی اور خود ان کے والد صاحب عظیم مصنفوں میں سے تھے اس لیے کتب بینی کا بے حد ذوق وشوق ورثہ میں ملا تھا اور یہ ذوق وشوق بڑھتا رہا، اور اپنی محنت، ذوق وشوق کا یہ اثر ہوا کہ ان کا قلم اچھا خاصا رواں ہوگیا، اسی زمانہ میں انہوں نے ''میری بے زبان استانیاں'' کے نام

---

(۱) ''الشارق'' اعظم گڑھ جلد ۱۵ شمارہ ۲ ص ۴۴

سے ایک مضمون تحریر کیا، جو اس وقت کے خواتین کے سنجیدہ رسالہ ''مسلمہ'' میں چھپا، پھر وہ وقت آیا کہ مشہور عالم حدیث کی کتاب ''ریاض الصالحین'' کا ترجمہ ''زادِ سفر'' کے نام سے کیا جس سے ان کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی، پھر انھوں نے خواتین کے رسالہ ''رضوان'' میں شریک ادارت ہو کر ایک نئے علمی دعوتی وصحافتی میدان میں بھی قدم رکھا اور اس کے ذریعہ بھی ان کا میدان عمل وسیع ہوا۔ دوسری طرف ذکر وشغل اور دعا ومناجات کے ذریعہ روحانی بلندیاں طے کیں اور حدیث کی خدمت، اصلاحی مضامین کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو اللہ سے جوڑنے کا کام جاری رکھا، ان کے اور کاموں کے اثرات قارئین اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان کو آزمائشوں اور حوادث سے بھی گزرنا پڑا، دل کمزور دردمند اور حد درجہ حساس تھا، لیکن انہوں نے اپنی قوت ایمانی اور کسی قدر علمی مشغلے اور ذوق کی مدد سے اس کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ان کی زندگی کا یہ موڑ ان کی ہزاروں ترقیوں اور سعادتوں کا ذریعہ بن گیا۔

مزید اپنے تصنیفی ذوق، شعر وشاعری کے مذاق اور تعلیمی وتربیتی مزاج کے ذریعہ اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کر لیا اور اس میں انھیں کسی دور کے پس منظر میں جانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ انھیں اپنی والدہ محترمہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ سے مماثلت رہی جو جامع کمالات خاتون تھیں اور کی دعا وتربیت کا نتیجہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے تعلیم وتربیت اور ارشاد وتلقین کے ذریعہ ایک طرف کردار سازی اور شخصیت سازی کا کام کیا، اور ان کے انفرادی مدرسہ تعلیم وتربیت سے تعلیم یافتہ لڑکیوں کی کھیپ تیار ہوئی اور پورے تیس سال تک انہوں نے پوری استقامت سے یہ مشغلہ جاری رکھا یہاں تک کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

باب اول

خاندانی اثرات

حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ

عہد شاہجہانی وعالمگیری کے عالی مرتبت بزرگ اور نہایت متبع السنّت عالم وشیخ اور باکمال مربی حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ (۱۰۳۳ھ۔۔۔۱۰۹۶ھ) حضرت سید آدم بنوری (صاحب سلسلہ احسنیہ آدمیہ م ۱۰۵۳ھ) کے خلیفہ تھے اور وہ امام سرہندی حضرت مجدد الف ثانی م ۱۰۳۴ھ (صاحب سلسلہ مجددیہ) کے خلیفہ تھے۔ نصیر آباد (رائے بریلی) سے مدینہ طیبہ ہجرت کے لیے نکلے تھے۔ مگر دین کی خاطر ایک غیر آباد بستی میں قیام کو ترجیح دی۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

''شاہ علم اللہ پر مدینہ طیبہ ہجرت کا جذبہ بہت طاری تھا مرشد سے رخصت ہو کر وطن نصیر آباد پہونچے اور اپنے اہل وعیال کو لیکر ہجرت کے ارادہ سے وطن چھوڑ کر رائے بریلی شہر آئے اور چند دن اپنے ایک عزیز کے یہاں قیام کیا۔ دریا کنارے ایک مجذوب اور خدا رسیدہ بزرگ رہتے تھے۔ ان سے ایک روز صبح کو ملاقات ہوئی شاہ عبد الشکور نے وہیں ٹھہرنے کو کہا اور مرشد کا قول یاد دلایا، شاہ علم اللہ نے قیام پر آمادگی ظاہر کردی۔ شاہ عبد الشکور ان کو لے کر اپنی قیام گاہ سے چند فرلانگ مغربی جانب ایک جگہ پہونچے اور لب دریا خط کھینچ کر مسجد، مکان اور مقبرہ کی نشاندہی کی، وہ جگہ شاہ عبد الشکور کے ایک مرید کی ملک میں

تھی۔انھوں نے بخوشی دس بیگھہ زمین نذر کی اور شاہ علم اللہ نے جھونپڑی ڈال کر اپنے اہل وعیال کو اس میں ٹھہرا دیا اور قریب ہی میں ایک خس پوش مسجد بنائی، ہر طرف جنگل اور خودرو درخت تھے۔اہلیہ صاحبہ کو جنگلی جانوروں کا خوف ہوا تو شاہ صاحب نے خدا کی جناب میں ان سے حفاظت کی دعا کی اور درخت صاف کر کے غیر آباد جگہ کو آباد کیا، چند ہی دنوں میں حضرت سید آدم بنوری کی بشارت کے آثار نمودار ہوئے، اور طالبین سلوک کا ہجوم ہونا شروع ہوا اور عزیزوں کی آمد ورفت ہوئی اور وہ جگہ ذکر وشغل سے معمور ہونے لگی، ۱۰۷۵ھ میں شاہ علم اللہ نے پہلا حج کیا۔۱۰۸۲ھ میں دوبارہ حجاز تشریف لے گئے، واپسی پر کعبہ کا نقشہ اور اس کی صحیح پیائش ساتھ لائے اور خام مسجد کی جگہ پر پختہ مسجد بنائی اور بالکل کعبہ کی شکل پر خدا کا گھر تعمیر کیا، اس وقت کئی صاحبزادے جوان تھے، سعادت مند بیٹوں کی مدد سے خدا کا گھر تیار کیا اور اس کی بنیاد میں آب زمزم ڈالا اور اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی اولاد کو وہیں اس نسبت سے آباد کیا"(۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس بات کو اور وضاحت کے ساتھ اس طرح لکھا ہے کہ:

"اس چھوٹی سی دیہاتی بستی کا ایک نقشہ دکھانا چاہتا ہوں جس کی بنیاد ۱۰۵۰ھ میں عارف کامل حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی نقشبندی (خلیفہ حضرت سید آدم بنوری) کے ہاتھوں اسی جذبہ پر پڑی جو ان کے مورث اعلی اور اس ملت کے مؤسس اول سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سینہ میں موجزن تھا اور جس کا مقصد "رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ" کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔(۲)

عقیدہ توحید میں تصلب اور سختی وپختگی اور بدعت سے سخت تنفر اور اس میں کسی لچک کی گنجائش نہ رکھنا، چھوٹی بڑی تمام سنتوں کا نہایت درجہ پاس ولحاظ اور اپنی زندگی میں

---

(۱) خانوادہ علم اللہی ص ۲۸،۲۹)

(۲) کاروان زندگی جلد اول ص ۳۵،

نفاذ کا اہتمام اور دوسروں کو ترغیب، اللہ کے فیصلوں پر چاہے وہ خواہش وتمنا کے مطابق ہوں یا اس کے برعکس، راضی برضا رہنا اور زہد وقناعت اور استغناء سے کام لیتے ہوئے حرص وہوس کو قریب نہ پھٹکنے دینا، اور فقر وفاقہ اختیار کر لینا ان کا شیوہ اور وطیرہ تھا اور اس میں اس قدر پختگی تھی کہ کہ گھر پر بھی ان کی اس خصوصیت کے اثرات مرتب ہو چکے تھے۔ چنانچہ جب شاہ وقت سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر نے ایک قطعۂ اراضی کا پروانہ یا کوئی بڑی رقم خرچ کے لیے بھیجی تو ان کے قاصد کو یہ کہہ کر شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا کہ انھیں تو ضرورت نہیں ہے۔ ان کے اصرار پر اتنا کہا کہ گھر میں معلوم کر لیں ان کی ضرورت ہو تو انھیں اختیار ہے، قاصد نے اہلیہ محترمہ کو کہلوایا انھوں نے بڑا عارفانہ وعالمانہ جواب دیا کہ ''اللہ نے ہمارا نان ونفقہ اورنگ زیب عالمگیر کے ذمہ نہیں کیا ہے، شاہ علم اللہ کے ذمہ کیا ہے'' بالآخر وہ قاصد مایوس ہو کر چلا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں بڑی خیر وبرکت عطا فرمائی۔ نسل در نسل اولیاء واصفیاء اور علماء ومجاہدین فی سبیل اللہ پیدا ہوتے رہے، جن میں امیر المومنین حضرت سید احمد شہید کو سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت محبوبیت ومرکزیت اور مرجعیت حاصل ہوئی اور برصغیر کے جمہور ومعتبر مسلمانوں نے انھیں امام وقائد اور امیر تسلیم کیا اور جوق در جوق لوگ ان کے ہاتھوں بیعت ہوتے گئے، آخر میں موجودہ دور میں حضرت شاہ علم اللہ کی اس بستی کو ان کی ہی دختری اولاد کے چشم وچراغ اور خانوادہ علم اللہی کے گل سر سبد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی ذات گرامی سے بین الاقوامی شہرت اور قبولیت ملی اور اس جگہ کا پیغام دنیا میں عام ہوا، یہ وہ پیغام ہے جو مولانا ندوی کی زبان میں عقیدۂ توحید کی حفاظت، اتباع سنت کا جذبہ، اعلاء کلمۃ اللہ کی فکر وکوشش اور دین کے لیے قربانی ہے'' (۱)

---

(۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے جد امجد سید عبد الرحیم شہید حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی کے داماد اور مولانا سید شاہ ہدایت اللہ حسنی کے فرزند تھے، اس کے علاوہ حضرت مولانا علی میاں ندوی کی والدہ خیر النساء بہتر اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا سلسلہ نسب حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی سے ملتا ہے۔

امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ

عقیدہ توحید اور سنت کی پیروی، بدعات سے تنفر اور اس میں حد درجہ حساسیت، صبر وعزیمت، جہاد وقربانی نیز زہد واستغناء اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جو سبق حضرت شاہ علم اللہ نے دیا تھا، حضرت سید احمد شہید نے اس کو تحریکی اور عمومی دعوت کا رنگ دے کر ''وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل'' سے کام لیتے ہوئے پورے برصغیر میں عام کیا اور اس خطہ سے بھی باہر نکل کر حجاز ویمن میں جا کر حج کے موقع سے فائدہ اٹھا کر توحید واتباع سنت کی پرزور دعوت دی، اور مراکش سے لیکر ترکستان، چین کے لوگوں کو بھی یہ دعوت حق پہونچائی، وہ خود تو ان علاقوں میں نہ جا سکے مگر ایسے لوگ انہیں مل گئے جو اس دعوت کے حامل بن کر وہاں پہونچے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ ۶ رصفر ۱۲۰۱ھ کو تکیہ کلاں (دائرہ شاہ علم اللہ) رائے بریلی میں اپنے آبائی وجدی مکان میں پیدا ہوئے۔ حضرت سید صاحب قدس سرہ حضرت شاہ ابوسعید حسنی (تلمیذ ومسترشد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) بن سید محمد ضیا بن سید آیت اللہ بن حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی کے نواسے اور مولانا سید محمد عرفان بن سید محمد نور بن سید محمد ہدی بن حضرت شاہ علم اللہ کے بیٹے ہیں، ان کی اولاد نرینہ نہیں ہوئی دختری اولاد اور بھائی بہن کی اولادیں حضرت سید احمد شہیدؒ کی شہادت کے بعد سندھ (پاکستان) سے راجستھان (انڈیا) میں ٹونک میں مقیم ہوئیں، حالانکہ حضرت سید صاحب کی خواہش تھی کہ اگر ان کی شہادت ہو جاتی ہے تو ان کے اہل خانہ کو کہیں اور لے جانے کے بجائے حرمین شریفین بھیج دیا جائے لیکن نواب وزیر الدولہ والیٔ ریاست ٹونک کے شدید اصرار پر یہ لوگ ٹونک میں مقیم ہوئے اور پھر تقسیم ملک کے بعد ان کی اولاد کراچی سندھ ہجرت کر گئی۔

حضرت سید صاحب قدس سرہ خاندان میں اپنے قریبی عزیز مولانا سید محمد ظاہر حسنی کو تکیہ کلاں رائے بریلی میں اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑ گئے تھے اور نصیر آباد (رائے بریلی)

میں مولانا سید محمد بن اعلی نصیر آبادی کو جن کے خلیفہ حضرت خواجہ احمد نصیر آبادی ہیں، اس طرح خاندان کی دونوں شاخوں میں ان کی دعوت کی حامل شخصیتیں ارشاد و تربیت کے کام میں ان کے نہج پر قائم رہتے ہوئے گامزن رہیں اور آخری دور میں خاندان کی دو نامور وعظیم المرتبت شخصیتیں مولانا سید فخر الدین خیالی اور مولانا سید شاہ ضیاء النبی حسنی ان سے مربوط ہوئیں اور یہ دونوں بزرگ اپنے اسلاف کی دولت کی صحیح وارث بنے۔

مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی اور حضرت شاہ سید ضیاء النبی حسنی

جہاں تک حضرت سید شاہ ضیاء النبی حسنی کا تعلق ہے وہ مولانا سید محمد ظاہر حسنی (خلیفہ حضرت سید احمد شہید) کے برادر زادہ اور مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی کے مسترشد اور ان کے خلیفہ خواجہ فیض اللہ اورنگ آبادی کے خلیفہ تھے۔ مولانا عبدالحی حسنی مصنف ''نزہۃ الخواطر'' نے جو کہ ان کے شاگرد رشید اور مجاز طریقت اور داماد بھی ہیں انھیں ''لُبُّ لُبَابِ الْعِرْفَانِ'' ''سِرّ الوجود'' اور ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ'' کی عملی تفسیر سے تعبیر کیا ہے۔

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے ''اَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ'' کا مصداق قرار دیا ہے۔ حضرت سید احمد شہید کی شہادت سے تین سال قبل ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے، دیدار سے اس لیے محروم رہے کہ وہ سرحد کی طرف ہجرت فرما چکے تھے۔ علم دین میں رسوخ پیدا کرنے کے لیے دہلی اور لکھنؤ کا سفر کیا اور پھر نصیر آباد آمد و رفت رکھی۔ نماز کی کیفیت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے جو کہ ان کی خدمت میں رہ چکے تھے ان کے نواسہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے بیان کی اور فرمایا کہ ''میں نے ان کی جیسی نماز پڑھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا''۔

حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کا یہ تأثر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے ہم نے براہ راست سنا،

مولانا سید محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

"وہ نماز وتلاوت میں غرق رہتے نماز کو کھڑے ہوتے یا قرآن پڑھنا شروع کردیتے تو دنیا و مافیھا کی خبر نہ رہتی بس وہ ہوتے اور ان کا مالک بے نیاز، راز و نیاز کی جو باتیں ہوتیں اور اس میں جو لذت وکیفیت پائی جاتی اس کو دوسرا کیسے سمجھ سکتا ہے، پاؤں میں سخت رعشہ تھا، لیکن جب نماز کو کھڑے ہوجاتے قدم کو جنبش نہ ہوتی۔ایک مرتبہ محراب میں کھڑے ہوگئے سارے کھڑے رہنے والے ہمت ہار گئے، نوجوان گر گر گئے اور آپ نے پورا قرآن مجید سنایا ایک مرتبہ قرآن پڑھ رہے تھے جوان بیٹی کے انتقال کی خبر آئی صرف" انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" کہا اور پھر پڑھنے لگے، مریدوں کو توجہ اکثر دیتے، توجہ میں اتنی قوت تھی کہ توجہ لینے والا مرغ بسمل کی طرح لوٹتا اور اس کی کیفیت ہی بدل جاتی یاد الٰہی اس کا مقصد حیات ہوجاتا"(۱)

ان کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی کی قوت تاثیر سے بھی تربیت مریدین میں ان کے کمال ورسوخ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مولانا سید محمد امین نصیر آبادی سے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ہیں:

"کتاب وسنت کی تعلیم صحیح عقائد کی تلقین، رسوم جاہلیت کی تردید اور بدعات سیئہ کے محو کرنے میں حضرت مولانا سید محمد امین صاحب رائے بریلوی کو جو حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے پیر و مرشد حضرت مولانا سید احمد شہید کے خانوادے سے تھے بڑا امتیاز حاصل تھا، مولانا کے حلقہ ارشاد میں ملک کے دوسرے حصوں کے علاوہ ہمارے ضلع اعظم گڑھ کے دیہات بھی داخل تھے وہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے اصرار سے ان دیہاتوں میں تشریف لاتے تھے اور اپنے وعظ و پند اور نصائح دلگیر اور اپنے معتقدوں کو امر و فرمان اور حکم سے

(۱) خانوادہ علم اللّٰہی ص:۲۱۱

مرعوب حق بنا کر ان کی اصلاح کرتے تھے۔اور حق یہ ہے کہ بڑا کام کرتے تھے، بہتوں نے ان کی نصیحت سے فیض پا کر توبہ کی اور بہت سے گھروں سے بدعات ومراسم فاسدہ کا ازالہ ہوا اور کتنے دیہاتوں میں ان کی تلقین سے روشنی پھیلی۔(۱)

مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی مولانا سید محمد ظاہر حسنی کے نواسہ اور مولانا سید عبدالعلی حسنی (مدفون ناگود مدھیہ پردیش) کے صاحبزادہ ہیں مولانا سید عبدالعلی حضرت سید احمد شہید کے مرید اور بڑے بلند احوال کے حامل اور مثالی تقویٰ کی زندگی رکھتے تھے والد ماجد مولانا عبدالعلی نصیر آبادی کے جلدی وفات پا جانے کی وجہ سے نانا مولانا محمد ظاہر کی تربیت میں رہے ان سے مجاز بھی ہوئے اور پھر مولانا خواجہ احمد نصیر آبادی سے ربط وتعلق قائم کرلیا اور دینی درستگی پیدا کی اور خلیفہ بھی ہوئے وہ مولانا حکیم سید فخر الدین صاحب کے حقیقی پھوپھا تھے۔

مولانا کو بڑا تاریخی تصنیفی ادبی ذوق حاصل تھا۔خیالی تخلص رکھتے ''مسدس حالی'' کے جواب میں ''مسدس خیالی'' کہی، ''مہر جہاں تاب'' کے نام سے تاریخ کے موضوع میں لاجواب کتاب تصنیف کی، جسے اسلامی تاریخ کے انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت حاصل ہے اور وہ فارسی میں ہے مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی ان کے صاحبزادے ہیں اور مشہور عالم واستاذ مولانا سید محمد طلحہ ٹونکی ان کے داماد تھے۔مولانا محمد ثانی حسنی نے ان کے اجمالی حالات یوں بیان کیے ہیں:

''تکمیل علوم ظاہری اور حصول نسبت باطنی کے بعد مختلف علاقوں اور ریاستوں کا سفر کیا اور اہل علم اصحاب وکمال کی صحبت اختیار کی۔چند روز راجپوتانہ اور چند روز ساگر میں رہے، آٹھ سال حیدرآباد میں قیام کیا پھر وطن آکر بھوپال گئے اور وہاں بھی آٹھ سال رہے، پھر چند

---

(۱) خانوادہ علم اللہی ص، ۲۴۴۔۲۴۵ مصنفہ مولانا محمد ثانی حسنی

سالوں کے بعد ٹونک تشریف لے گئے اور نواب ابراہیم علی خان نے ان کو سرکاری طبیب بنا لیا پھر وطن تشریف لائے اور اس کے بعد پھر کہیں نہیں گئے۔

مولانا کو اللہ تعالی نے علم وفضل زہد وتقویٰ کے ساتھ ساتھ خاکساری اور اخلاق کریمہ کا پیکر بنایا تھا۔ایک طرف طبیب، شاعر، مصنف، عارف کامل تھے دوسری طرف ہر شخص کے دوست کم آمیز، متین حلیم اور عزلت پسند بھی تھے کسی قسم کے جھگڑے سے واسطہ نہ رکھتے، تمکنت اور غرور کا شائبہ تک نہ پایا جاتا تھا، گاؤں کے قریب کوری اور چماروں کی بستیاں آباد تھیں اگر کوئی چمار بھی بے وقت اپنے مریض کو دکھانے آجاتا تو خندہ پیشانی کے ساتھ مریض کو دیکھتے۔"(۱)

۴ ر رمضان ۱۳۲۶ھ کو بیمار ہوکر مختصر علالت کے بعد ذکر وشغل کی حالت میں ۱۰ ر رمضان ۱۳۲۶ھ، مطابق ۱۹۰۸ء کو تکیہ کلاں رائے بریلی میں انتقال فرمایا۔

خانوادہ علم اللہی ص ۲۰۶-۲۰۷)

باب دوم

والدین، بھائی بہن اور ماحول

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ وہ نابغہ روزگار شخصیت تھے جنھوں نے دین وملت کی مختلف جہتوں سے خدمت کی۔ قلم کے ذریعہ اعلیٰ تحقیقی وادبی معیار پر اترنے والی کتابوں کی تصنیف کے ساتھ اصلاحی لٹریچر بھی امت کو فراہم کیا۔ ان کی شخصیت خاندان کی متفق علیہ شخصیت تھی، بعض خاندانی نزاعات کے خاتمہ کے لیے ان کی شخصیت کو حکم کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ انھوں نے ''اصلاح'' نام سے رسالہ لکھا جو بڑا ہی مقبول اور موٴثر ہوا، جو خاندانی نزاعات کو دور کرنے اور صلہ رحمی کی فضا قائم کرنے کے لیے لکھا تھا جس میں وہ بعض افراد خاندان واقارب میں کوتاہی محسوس کررہے تھے اس کا کھلا فائدہ ظاہر ہوا، اور دوسروں نے بھی خاندانی نزاعات دور کرنے میں اس سے مدد لی۔(۱)

جب تحریک ندوۃ العلماء نے کام کرنا شروع کیا تو آپ اس کے اہم رکن اور پھر ذمہ دار بن گئے آپ نے معاشرہ کی اصلاح اور دعوت وتبلیغ کا کام بھی اس تحریک سے لینا شروع کیا اور خود بنفس نفیس دورے کیے دینی حمایت وحمیت آپ کی رگ وریشہ میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ دلسوزی اور دردمندی کے ساتھ اپنے مشاغل میں مصروف عمل ہوگئے۔ آپ کے تعلق مع اللہ اور ربانیت وحقانیت کو دیکھ کر عارف کامل مولانا شاہ ضیاء النبی حسنی نے اجازت وخلافت سے

(۱) کتاب ''اصلاح'' مختلف موقعوں پر ہزاروں کی تعداد میں شائع کراکے تقسیم کرائی گئی اور اب اس کا عربی ترجمہ بقلم مولوی جاوید اشرف ندوی مدنی مدینہ منورہ سے بھی طبع ہوگیا ہے۔

سرفراز کیا، ان کے علاوہ اور بھی مشائخ عصر نے اجازت بیعت وارشاد سے مسعود کیا جن میں ایک نام خود ان کے والد ماجد مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی کا بھی ہے، شیخ وقت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ مکہ مکرمہ ہجرت فرما چکے تھے مگر آپ کے خط سے طلب صادق کا احساس وادراک فرما کر خط کے ذریعہ بیعت فرمایا اور وہ جواب عنایت فرمایا جس سے اجازت وخلافت کی بات ظاہر ہوتی ہے، اویس زمانہ، جنید وقت حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی نے حدیث کی قولی اجازت دی اور سلوک میں داخل سلسلہ فرمایا۔ حدیث میں شرف تلمذ علامہ حسین بن محسن الانصاری الخزرجی الیمانی مقیم بھوپال اور مسند ہند حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے حاصل کیا اور اجازت حدیث لی ان کے علاوہ عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر حدیث کی اجازت حاصل کی، علوم عالیہ وآلیہ میں استاذ الہند حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی (لکھنوی) سے کسب فیض کیا اور بعض کتابیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے بھی کانپور میں پڑھیں۔

مولانا عبدالحی حسنی کو اللہ نے نادر خصوصیات وامتیازات سے نوازا تھا، بڑے ہی کم سخن مگر خوب نشیط اور بیدار مغز، خوددار متواضع اور پروقار شخص تھے جو ان سے مل لیتا وہ گرویدہ ہو جاتا جس نے ان سے محبت کی پھر اس کی محبت میں کبھی کمی نہیں آئی۔ مولانا سید محمد ثانی حسنی نے آپ کی اچھی تصویر کشی کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"طبیعت میں خلوت پسندی، کم گوئی، حیا، خودداری اور کم آمیزی تھی، اللہ تعالیٰ نے جلال وجمال دونوں نعمتیں عطا فرمائی تھیں جس مجلس میں ہوتے ممتاز معلوم ہوتے۔ توکل واستغنا حد درجہ تھا۔ دن بھر کی آمدنی شام تک خرچ کر دیتے۔ ہمیشہ کمرہ میں تنہا رہتے بے ضرورت زبان سے کوئی بات نہ نکالتے، دستر خوان وسیع تھا ادب، حدیث، قرآن اور طب کا درس دیا کرتے، جو وفات کے دن تک جاری رہا۔ ہر کام میں اتباع سنت کا خیال کرتے، اعزہ واحباب کے ساتھ صلہ رحمی اور سلوک کا بڑا اہتمام رکھتے، نمود ونمائش سے سخت نفرت تھی،

شعروشاعری اورادب کا بھی ذوق رکھتے ،اردوزبان وادب پر وسیع اور گہری نظرتھی ،دوراندیشی اور معاملہ فہمی ،مردم شناسی سلامت روی آپ کی خاص صفات تھیں ،عصبیت ،غلواور مبالغہ سے طبیعت کو کوئی مناسبت نہ تھی ،بڑے خوش خوراک ،خوش پوشاک تھے ،مزاج میں نفاست ولطافت تھی عربی زبان بے ساختہ لکھتے آپ کی عربیت کے ڈاکٹر تقی الدین الہلالی بہت معترف تھے ،اردوتحریر میں متانت حلاوت سنجیدگی وبے ساختگی بہت تھی ۔بہت کم عمر پائی ۵۵ سال کی عمر میں ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ مطابق ۲رفروری ۱۹۲۳ء کو جمعہ اور شنبہ کی درمیانی شب میں چند گھنٹوں کی علالت کے بعد لکھنؤ میں انتقال ہوا ،جنازہ رائے بریلی وطن لے جایا گیا جہاں حضرت شاہ علم اللہ کے روضہ میں انھیں کے پائنتیں سپردخاک کئے گئے‘‘(۱)

والدہ ماجدہ سیدہ خیرالنساء بہتر

عارف کامل شیخ زمانہ حضرت سید شاہ ضیاء النبی حسنی کی رابعہ سیرت صاحبزادی سیدہ خیرالنساء بہتر سے مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کی دوسری شادی ہوئی ۔پہلی اہلیہ (والدہ مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی حسنی) کی وفات کے بعد والد ماجد مولانا حکیم سید فخرالدین خیالی کے اصرار وتقاضہ پر آپ دوسرے عقد کے لیے تیار ہوئے ،حضرت شاہ ضیاء النبی صاحب کے یہاں پیغام گیا وہ بڑے خوش ہوئے باوجود یہ کہ اور رشتے آئے ہوئے تھے ۔مگران کے لئے متقی پرہیز گاراور علم وصلاحیت والا شخص قابل ترجیح تھا انھوں نے اپنی اہلیہ کو یہ فیصلہ سنادیا اور رشتہ طے کردیا ۔یہ رشتہ بڑا ہی مبارک ثابت ہوا اور ایسے مبشرات بھی ملے جس سے مزید تقویت حاصل ہوئی ۔مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

’’والدہ صاحبہ نے جن کو ہمیشہ خوابوں سے مناسبت رہی کئی ایسے خواب دیکھے جن میں والد صاحب کے گھر کی طرف اشارہ تھا اور یہ کہ اگر یہ دونوں گھر مل گئے تو اللہ تعالی کی طرف سے خاص عنایتیں ہونگی ۔اسی کے آگے پیچھے ایک نہایت بشارت آمیز خواب دیکھا

---

(۱) خانوادہ علم اللہی ص ۲۳۹)

جس سے وہ زندگی بھر تسکین حاصل کرتی رہیں جب وہ اس کا تذکرہ کرتیں تو ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی وہ لکھتی ہیں:

"ایک رات کو میں نے خواب دیکھا کہ خاص اس مالک کریم، رحمٰن ورحیم کی عنایت ومہربانی سے ایک آیت کریمہ مجھے حاصل ہوئی، صبح تک وہ زبان پر جاری تھی، مگر کچھ خوف ایسا تھا کہ میں بیان نہ کر سکی، منھ سے نکلنا دشوار تھا اور اس کے معنی بھی مجھے معلوم نہ تھے، جب معنی دیکھا تو خوشی سے پھول گئی اور تمام فکر وغم بھول گئی، اس خوش نصیبی پر فخر کیا اور اس خواب کو بیان کیا ہر شخص سن کر رشک کرتا اور والد مرحوم خوشی میں رونے لگے، وہ آیت کریمہ یہ ہے:

"فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ "

(سورۃ السجدۃ آیت نمبر ۱۷) ترجمہ: سو کسی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلہ اس کا جو کرتے تھے۔

بالآخر نانا صاحب کا فیصلہ اور ارادہ غالب رہا۔ اور ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء میں بخیر وخوبی یہ رشتہ ہو گیا دادا صاحب جو اس کے اصل محرک تھے، اس رشتہ سے باغ باغ اور اپنے انتخاب پر مطمئن ومسرور تھے۔(۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اپنی والدہ ماجدہ کے اوصاف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اللہ تعالی نے والدہ صاحبہ کو حفظ قرآن کی دولت، نوافل وعبادت کے ذوق، دعا اور مناجات کی حلاوت سے نوازا تھا اور بڑی موزوں طبیعت عطا فرمائی تھی ان کے کلام کے دو مجموعے "باب رحمت" اور "کلید باب رحمت" کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں، جو سراسر مناجات ونعتیہ کلام پر مشتمل ہیں اور بہت سے دیندار گھرانوں میں وظیفہ کی طرح پڑھے جاتے ہیں، تصنیفات میں ذائقہ، اور حسن معاشرت (مطبوعہ) الدعا والقدر (غیر مطبوعہ) اپنی زندگی

---

(۱) کاروان زندگی حصہ اول ص ۳۲-۳۳۔ بحوالہ "الدعاء والقدر" مولفہ خیر النساء بہتر مرحومہ

کے حالات اور دعاؤں کی قبولیت کے تجربات میں یادگار ہیں، ۱۹۴۷ء ۱۳۶۶ھ میں حج وزیارت کی سعادت سے بھی بہرہ یاب ہوئیں اور نصف سال سے زائد حرمین شریفین میں قیام کا موقع ملا طویل عمر پاکر شب وروز عبادت ودعا اور ذکر واذکار میں گذری تھی، ۷؍ رجمادی الآخر ۱۳۸۸ھ (یکم ستمبر ۱۹۶۸ء) کو داعی اجل کو لبیک کہا اور ۴۷؍ سال کی مفارقت کے بعد اپنے باکمال شوہر اور رفیق زندگی سے جاملیں اور ان کے پہلو اور شیخ المشائخ شاہ علم اللہؒ کی زوجہ محترمہ کی پائتیں آسودہ خاک ہوئیں۔(۱)

بھائی بہن

بہن بھائیوں میں سب سے بڑے اور والد کے جلد ہی وفات پاجانے کے باعث ان کے قائم مقام مربی ومعلم مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی حسنی ناظم ندوۃ العلماء تھے جن کو ان کے بھائی بہن بھائی صاحب کہتے تھے، دوسرے نمبر پر بہن سیدہ امۃ العزیز صاحبہ تھیں جن کو ان کے چھوٹے بھائی بہن آپا جان کہتے تھے ان سے چھوٹی بہن سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ (عائشہ بی) ہوئیں اور سب سے چھوٹے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ہوئے۔

برادر بزرگ مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی متوفی ۱۳۸۰ھ

مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی ۲۲؍ رجمادی الاولی ۱۳۱۱ھ و یکم دسمبر ۱۸۹۳ء بروز یکشنبہ اپنے نانیہال ہنسوہ ضلع فتح پور (اتر پردیش انڈیا) میں پیدا ہوئے، ابتدائی نشو نما اور تعلیم وتربیت کا پہلا مرحلہ بھی وہیں طے ہوا۔ مولانا عبدالحکیم کیرانوی (تلمیذ مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی دبانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ) سے ہنسوہ میں اور دادا مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی سے دادیہال رائے بریلی میں اور لکھنؤ میں والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی سے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مولانا سید علی زینبی، مولانا شبلی جیراجپوری، مولانا شیر علی حیدر آبادی،

(۱) حیات عبدالحی ص، ۲۲۱ مطبوعہ اردو مراٹھی پرکاشن پونہ انڈیا، تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو ذکر خیر از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

مولانا سلطان محمد کابلی سے اور دارالعلوم دیوبند میں شیخ الھند مولانا محمود حسن دیوبندی اور مولانا انور شاہ کشمیری سے درسیات کا علم حاصل کیا۔ حدیث کی اجازت شہرۂ آفاق محدث شیخ حسین بن محسن انصاری خزرجی یمانی سے بھی حاصل کی اور اپنے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی سے علم وادب اور طب میں کسب فیض کیا۔ پھر طب میں حکیم اجمل خاں سے دہلی میں اور اسی زمانہ قیام میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری سے بھی ڈاکٹری میں استفادہ کیا۔ تعلیم کا سلسلہ مزید جاری رکھا، سائنس پڑھی اور انگریزی میں اعلیٰ استعداد حاصل کی، بی ایس سی کا امتحان اول پوزیشن کے ساتھ حاصل کر کے امتیازی تمغہ ۱۹۱۹ء میں حاصل کیا۔ ۱۹۲۰ء میں میڈیکل کالج لکھنؤ میں داخل ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں آنریری لکچرر ہو گئے، ۱۹۲۳ء میں جب کہ میڈیکل کالج کی طرف سے مدراس ایک پروگرام میں شرکت کے لیے گئے تھے، والد ماجد کی وفات کے عظیم صدمہ سے دو چار ہوئے غریب الوطنی میں اس اندوہناک خبر نے آپ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

آپ کو اپنے اساتذہ، مشائخ اور سب سے بڑھ کر والد ماجد کا زبردست اعتماد حاصل رہا، والد ماجد مولانا عبدالحی حسنی نے تمام اجازتوں سے جو ان کو اپنے اساتذہ ومشائخ سے علم ودین سلوک واحسان اور طب وغیرہ میں حاصل تھیں، اپنے ان محبوب فرزند کو سرفراز کیا اور صرف یہی نہیں بلکہ انھوں نے اپنی لازوال تصنیف اور مشاہیر ہندوستان پر بے نظیر کتاب ''نزہۃ الخواطر'' میں ان کا حال تحریر فرمایا۔ یہ ان پر ان کے عظیم والد کے غیر معمولی اعتماد وتعلق کی بات ہے۔

تعلق مع اللہ کی دولت ابتدا سے ہی قلب ودماغ میں ودیعت تھی اس کا اثر تھا کہ زمانہ طالب علمی سے ہی ان کا کوئی قدم رضا جوئی کے استحضار کے بغیر نہ اٹھتا تھا، اور کسی بھی اقدام سے پہلے فقہ الاولویات انھیں ملحوظ رہتی تھی اور قرب بالفرائض کو قرب بالنوافل پر ترجیح دیتے تھے، باضابطہ بیعت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے ہوئے اور بہت جلد یہ اعتماد وتعلق حاصل کیا کہ لکھنؤ میں آپ کا قیام ڈاکٹر صاحب کے مکان میں ہونے لگا، یہ ۱۹۲۸ء یا

اس کے آس پاس کی بات رہی ہوگی اور حضرت کے اس معمول میں آخر تک فرق نہ آیا، والد کے انتقال کے بعد اپنے بھائی بہنوں کی تعلیم وتربیت کا بیڑا اٹھایا اور ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جو ایک بالغ نظر باپ اپنی اولاد کے ساتھ رکھتا ہے دنیا کو برتا مگر اسے اپنے اوپر غالب نہیں ہونے دیا، کسب معاش کے تمام امور پر نظر جمائے رکھی، آخرت کے نفع کو ایک لمحہ کے لیے بھی نظر انداز نہیں کیا اور اس طرح زندگی گزار کر دنیا سے گئے کہ ان کے قریب ترین دوست اور معاملات میں شریک رفیق مولانا عبدالباری ندوی نے بے ساختہ یہ کہا کہ "اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔"

اپنے پیچھے یادگار میں ایک بڑا ادارہ ندوۃ العلماء اور لائق فخر بھائی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور لائق فخر بہنیں اور قابل رشک صاحبزادیاں اور فرشتہ صفت فرزند مولانا سید محمد الحسنی اور لائق وفائق بھانجے مولانا سید محمد ثانی حسنی، مولانا سید محمد رابع حسنی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی جو کہ داماد بھی تھے اور دوسرے داماد جد مکرم سید محمد مسلم حسنی اور مولانا سید محمد طاہر منصور پوری اور کچھ نواسے اور نواسیاں اور پوتے چھوڑے۔

سیدہ امۃ العزیز (م ۱۴۱۶ھ و ۱۹۹۶ء)

محترمہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں رائے بریلی میں پیدا ہوئیں، وہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ سے چار سال بڑی تھیں اور اپنے والدین ماجدین کی چہیتی تھیں اور نانا حضرت شاہ ضیاء النبی حسنی اور دادا حضرت مولانا فخر الدین خیالی کی بھی شفقت پائی، ان کے اندر لوگوں کے لیے بڑی شفقت تھی، سادگی، سخاوت، ورع وتقویٰ، زہد وقناعت اور دوسری صفات میں ممتاز تھیں، نماز کا بڑا اہتمام رہتا، غیبت اور جھوٹ سے ہمیشہ دور رہیں اور ذکر وشغل کا اہتمام رکھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی (م ۱۴۰۲ھ (۱۹۸۲ء) سے بیعت تھیں اور خطوط کے ذریعہ استرشاد واصلاح واستفادہ کا ربط رکھا، علمی وادبی ودینی مطالعہ کے سلسلہ میں ان کی ہی ایک تحریر پیش کی جارہی ہے جو انہوں نے ماہنامہ "رضوان" کے لیے لکھی تھی اور پھر وہ

تعمیر حیات ۱۰ ارجون ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی وہ تحریر فرماتی ہیں۔

''میں نے اپنی زندگی میں بہت سی کتابیں پڑھی ہیں اور اب بھی پڑھتی رہتی ہوں، مجھ کو علمی مشغلوں سے دلچسپی بھی ہے، جی چاہتا ہے کہ ان کتابوں کا ذکر کروں جنھوں نے میری زندگی میں کوئی خاص تاثر پیدا کیا اور میری ان ساری بہنوں سے درخواست ہے کہ جن کو خدا نے علم کا شوق دیا ہے وہ بھی اس طرح کی چیزیں تحریر کریں خدا کرے یہ سلسلہ برابر جاری رہے۔

ابتداءً حسب دستور دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا، میں نے اپنے عم محترم سید عزیز الرحمٰن صاحب سے کلام پاک ختم کیا اور اس کے بعد پہلی کتاب جو میں نے شروع کی وہ اپنے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کی تصنیف کردہ ''تعلیم الاسلام'' اس کے بعد ''نورالایمان'' اور ''اصلاح'' تھیں، ان کتابوں نے میرے دل پر خاص اثر پیدا کیا ان سے مجھ کو مسائل اور اسلامی عقیدوں اور معاشرت کا علم ہوا اور یہ زمانہ میرے ابتدائی شوق کا تھا، پھر ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم کی تصنیفات ''مرآۃ العروس'' ''بنات النعش'' ''توبۃ النصوح'' دیکھیں، ان سے دلچسپی بہت لی، اس کے ساتھ ہی ساتھ اور کتابیں پڑھتی رہی، ان مذکورہ کتابوں کو مشغلہ وقت اور نصیحت آمیز سمجھ کر پڑھتی تھی اور ''وقت مقررہ'' اور ''گلزار دبستاں'' اس کے بعد ''رقعات عالمگیری'' پھر فارسی کی پہلی دوسری پڑھی، اسی اثنا میں میری شادی ہوگئی اور خانہ داری کا بوجھ میرے سر پر پڑا، مگر کتب بینی کا شوق ترقی پر تھا، ایک لمحہ بےکار رہنا پسند نہ کرتی تھی امور خانہ داری اور بچوں کی تربیت سے فراغت حاصل کر کے پھر کتاب لے بیٹھتی، اکثر دو دو بجے رات تک مطالعہ میں مصروف رہتی تھی۔

میرا یہ شوق دیکھ کر میرے خالو مولوی سید خلیل الدین صاحب مرحوم نے اسوہ صحابہؓ، اسوہ حسنہ، اسوہ صحابیات، بندگی، سیرۃ النبیؐ، سیرت عائشہ، موضح القرآن، تاریخ اسلام، رحمۃ للعالمین، الفاروق، الصدیق، منگا کردیں، صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین کا تذکرہ اور

ان کے اوصاف وکمالات اور سب سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کے ذکر مبارک کا مطالعہ کرنے سے ان کے لیے جو عظمت و وقعت میرے دل میں پیدا ہوئی وہ ہرگز کسی دوسری کتاب سے حاصل نہیں ہوسکتی ہے، پھر میں نے صمصام الاسلام، گوہر مخزون، جو میرے والد کے پھوپھا سید عبدالرزاق کلامی صاحب کی تصنیفات ہیں خریدیں، اور پڑھ کر بہت محظوظ ہوئی۔

مطالعہ کا شوق ہونے کے سبب میری نظریں کتابوں کو تلاش کیا کرتی تھیں اور وہ مل جاتی تھیں، میری والدہ صاحبہ کے پاس میرے نانا مولانا سید ضیاء النبی صاحب مرحوم کی کتابیں موجود تھیں، ضیاء الایمان، مآثر الصالحین، مقاصد الصالحین، حکایات الصالحین، اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی بہشتی زیور وغیرہ دیکھتی رہی، اسی زمانہ میں علامہ راشد الخیری صاحب کی نئی تصنیفات کا بہت چرچا تھا، صبح زندگی، شام زندگی، شب زندگی، الزہراء بکثرت دیکھیں، ان کے علاوہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم کی ''ایامیٰ محصنات''، پھر نذر سجاد صاحبہ اور محمدی بیگم کی تصنیفات پڑھیں اور آجکل کے حالات پڑھ کر بہت عبرت حاصل کی اور اس کا بدانجام مجھے برابر سبق دیتا رہا۔

شعر وسخن میں دیوان تقی، دیوان مومن، دیوان ذوق پر بھی سرسری نظر ڈالی مگر دلچسپی نہیں لی، والد صاحب کی تصنیف کی ہوئی ''گل رعنا'' کئی بار دیکھی اور علامہ اقبال کی بانگ درا، شکوہ اور مولانا حالی کی ''شکوہ ہند'' اور ''مسدس حالی'' یہ اب تک پڑھتی ہوں اور ان کی تصنیفات کی داد دیتی ہوں، ان کتابوں کے متواتر دیکھنے سے یہ اثر ہوا کہ مجھے بھی تصنیف کا ازحد شوق پیدا ہوگیا، چنانچہ ''مہتاب رسالت'' اور ''امہات المومنین'' لکھیں، (۱) ان کتابوں کی بہت ممنون ہوں جنھوں نے میری دنیا و دین کی رہنمائی کی، اللہ تعالیٰ ان کے مصنفین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی یہ باقیات الصالحات پڑھنے والوں کے لیے ہمیشہ مفید ثابت ہوتی رہیں''۔ (۲)

---

(۱) افسوس کہ یہ دونوں کتابیں طبع نہ ہوسکیں اور نایاب ہوگئیں (م)

(۲) تعمیر حیات لکھنؤ ۱۰؍جون ۲۰۰۳ء

جہاں تک خود امۃ العزیز مرحومہ کے بلند کردار و اخلاق اور مقام و مرتبہ کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں راقم ان کے فخر عہد بھائی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا تاثر پیش کرتا ہے جسے ان کی خودنوشت سوانح حیات "کاروان زندگی حصہ ششم میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں

"ہمشیرہ محترمہ سیدہ امۃ العزیز صاحبہ جو بالکل مادر محترمہ مشفقہ کے قائم مقام تھیں اپنے والد نامدار مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی صاحبؒ کی بڑی صاحبزادی تھیں مولانا کے صاحبزادہ گرامی قدر مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی مرحوم سے عمر میں چھوٹی اور راقم سے بڑی تھیں اور چار فرزندوں سید محمود حسن مرحوم مولوی سید محمد ثانی مرحوم مولوی سید محمد رابع ندوی اور مولوی سید محمد واضح رشید ندوی (سلمهما الله تعالى واطال بقاء هما) کی والدہ محترمہ ان میں سے دو صاحبزادوں کا انتقال ان کے سامنے ہوگیا تھا (بڑے بیٹے سید محمود حسن مرحوم کا ۲۱ سال کی عمر اور عین جوانی میں، اور ثانی الذکر فاضل و مصنف اور داعی الی اللہ مولوی محمد ثانی حسنی کا ۵۷ سال کی عمر میں) اور انھوں نے صبر و احتساب کے ساتھ اسے برداشت کیا تھا، مرحومہ کا بیعت واصلاح کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سہارن پور سے تھا، ان کے مشفقانہ خطوط جن میں کہیں کہیں "ہمشیرہ صاحبہ" سے خطاب ہے اکثر محفوظ ہیں، تدفین حضرت شاہ علم اللہ صاحب کے روضہ میں اپنے والدین ماجدین برادر محترم اور فرزند ارجمند عزیزی مولوی محمد ثانی مرحوم کے جوار میں ہوئی۔ غفر اللہ تعالی ورفع درجاتها۔

ہمشیرہ صاحبہ مرحومہ اپنے اسلاف اور خاندانی خصوصیات سے متصف اور ان کی وارث اور نمونہ تھیں، شفقت عام، صلہ رحمی حسن سلوک ذکر و عبادت دعا و تضرع ان کی خاص صفات تھیں غفر الله لها ورفع درجاتها۔

جہاں تک اس راقم کا تعلق ہے مرحومہ کو اس کے ساتھ شفیق ماں کا سا تعلق تھا وہ بھی ان کو اسی نظر سے دیکھتا اور یہی محسوس کرتا تھا جب اپنے مسکن رائے بریلی پہونچنا ہوتا سب

سے پہلے ان کو سلام کرنے کے لیے حاضر ہوتا اور وہ انتہائی مسرت کا اظہار فرماتیں۔ جب باہر جاتا تو ان کی دعائیں لیتا اور سلام کرتا ہوا جاتا اگر یہ مہینہ رمضان کا نہ ہوتا تو راقم اس کو ''شہر الحزن'' لکھتا''۔

وفات کی کیفیت کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں:

''والدہ عزیزان عزیز القدر مولوی سید محمد رابع ندوی و مولوی سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی اچانک وفات کا حادثہ ۲۳؍رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ کو ۱۲ یا ۱۳؍فروری ۱۹۹۶ء کی درمیانی شب میں پیش آیا، پہلے سے اس حادثہ کے پیش آنے بلکہ قرب کے بھی آثار نہیں تھے۔ البتہ کئی گھنٹے پہلے ذکر و تسبیح اور استغفار کیطرف ان کی طبیعت نمایاں طریقہ پر مائل نظر آتی تھی راقم کو ڈیڑھ بجے رات کو سوتے سے جگایا گیا گھر جا کر دیکھا تو حادثہ پیش آچکا تھا یا پہنچنے کے بعد ہی چند منٹ میں پیش آیا''۔

آگے وہ لکھتے ہیں:

''آپ کے لیے جو دعائیں کی گئیں اور قرآن پڑھ کر ایصال ثواب ہوا وہ زمانہ اور فضا کے فرق سے بہت کم مسافرین آخرت کو حاصل ہوتا ہے تعزیت اور ایصال ثواب کی اطلاع کے بھی مختلف شہروں اور سمتوں بلکہ ملکوں سے راقم کے نام اور ان کے فرزندوں کے نام اتنے خطوط آئے، جو بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ پھر اس کے کچھ ہی عرصہ بعد حج کا زمانہ آ گیا مخلص احباب نے حرم شریف اور منی و عرفات میں دعائیں کیں بعض نے ایصال ثواب اور دعاؤں کے لیے طواف کیے ایک عزیز دوست نے حج بدل بھی کیا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم(۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (متوفی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی عظیم و عبقری اور ہر دلعزیز اور محبوب انسانیت

(۱) کاروان زندگی ششم ص ۲۲۵؍۲۲۶

ہستی مجمع الکمالات و مجموعہ حسنات ذات بابرکات، مجددانہ و مصلحانہ صفات وکمالات کی حامل اور عالم اسلام کی مؤثر داعی و مفکر اور شہرہ آفاق مصنف و مرشد شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، ان کے ساتھ اللہ تعالی کا ان کی زندگی کے ہر موڑ میں خصوصی عنایت کا معاملہ رہا۔

اوران کی والدہ نے اپنے عقد سے پہلے اس خواب سے قرآنی بشارت سن لی تھی کہ:

’’فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ‘‘ (سورۃ السجدۃ آیت نمبر ۱۷)

اوران کی والدہ نے جس اضطرار سے ان کے لئے دعائیں کی تھیں کہ اس کا انھوں نے خود اس طرح اعتراف کیا ہے کہ:

’’میں سمجھتا ہوں کہ جو دو حرف آئے اور خدا کے نیک اور مقبول بندوں سے جو قرب کی دولت اوران کی شفقت اور دعاؤں کی نعمت حاصل ہوئی وہ انھیں مضطربانہ دعاؤں کی برکت ہے:

’’أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ‘‘

اور شروع ہی میں انھوں نے انھیں اس دعا کا عادی بنادیا تھا۔

’’اَللّٰهُمَّ اٰتِنِي بِفَضْلِكَ أَفْضَلَ مَا تُؤْتِي عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ‘‘۔(۱)

اللہ نے ان کی والدہ کی دعائیں سنیں اور ان پر خصوصی فضل فرمایا اور افضل سے افضل انعامات واحسانات سے نوازا اور انھیں بھائی کی صورت میں ایسا مربی واتالیق اور پھر اس کے بعد ایسے ماہر فن اور مخلص اساتذہ اور باکمال مشائخ عطا کیے کہ جن کی نظیر دنیا میں ملنی مشکل تھی خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، دنیا میں ہم کہاں کہاں گئے اور کس کس سے ملے ان کی نظیر نہیں پائی اللہ نے انعامات فرمائے اور آزمایا بھی جب جب آزمایا تو اس آزمائش میں بھی فضل ساتھ رکھا۔ کئی ایسے نازک وقت آئے مگر بروقت ان کو یہ احساس ہوگیا

---

(۱) کاروان زندگی اول ص ۸۴

کہ " هَـٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّى لِيَبۡلُوَنِى ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ " چنانچہ "لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ " کے اصول ربانی کے تحت پھر ان پر انعامات الٰہی کا تانتا بندھ گیا۔ انھوں نے اللہ کے انعامات پر شکر بجالاتے ہوئے اس کے محرکات پر بھی روشنی ڈالی ہے تاکہ دوسروں کے لیے بھی توفیق الٰہی اور تائید ایزدی کے باب کھلے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اپنی زندگی کے واقعات اور اپنے ساتھ خدا کا معاملہ دیکھ کر بے ساختہ قرآن مجید کی آیت یاد آتی ہے ۔ارشاد خداوندی ہے:

"سَنُرِيۡهِمۡ آيَاتِنَا فِىۡ الۡاٰفَاقِ وَفِىۡ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ ۔اَوَلَمۡ يَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّه عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ "

ترجمہ: ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا وہ حق ہے، کیا تم کو یہ کافی نہیں ہے کہ تمھارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے؟ (سورۂ حم السجدہ ۵۳)

حقیر ذہنی و علمی صلاحیتوں، محدود ماحول ناسازگار حالات اور قلیل وسائل کے ساتھ رحمت الٰہی کی جو کرشمہ سازی اور مربی مطلق کی جو جو بندہ نوازی دیکھی اس سے والدین کی دعاؤں کی تاثیر، نیک نیت و سراپا شفقت سرپرستوں کی تعلیم و تربیت، شفیق ولائق اساتذہ کی محنت، خدا کے مقبول بندوں کی نظر شفقت ان کی دلی مسرت اور قلبی اطمینان کا فائدہ ان سے انتساب اور ان پر اعتماد کی برکت ظاہر ہوئی۔ صحیح مقاصد و مشاغل زندگی کے انتخاب (جو توفیق الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا) حد درجہ کی کمزوری، ہمت کی پستی اور طبیعت کی افسردگی کے باوجود چند اصولوں کی پابندی اور ع

''پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ''

ہر عمل کی کوشش کا ثمرہ کھلی آنکھوں دیکھا۔(۱)

---

(۱) مقدمہ کاروان زندگی حصہ اول ص ۱۰

اللہ تعالی نے مولانا سے علم وعمل کے مختلف میدانوں اور مختلف حیثیتوں میں کارہائے نمایاں انجام دلائے، تعلیم وتربیت، دعوت واصلاح، ارشاد وتزکیہ، تصنیف وتحقیق، تحفظ شریعت، تقدس مقامات مقدسہ، احقاق حق، ابطال باطل، مذاہب منحرفہ ومحرفہ کی تردید، مسالک حقہ کی تائید ودفاع، فرق ضالہ ومُضِلّہ کے تعاقب، اسلامی شخصیات کے دفاع، ملت کی فکرمندی اور اس کے مسائل کے حل کے لیے دلسوزی، اور خدمت دین وملت میں حیرت انگیز خدمت پیش کیں اور وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل سے کام لیا، دوسری طرف خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات کو بھی اختیار کیا، تحریکوں کا ساتھ دیا، خانقاہوں میں بھی شب وروز بسر کیے، دینی اداروں، اسلامی تنظیموں کی قیادت بھی کی اور ارتداد کی ہواؤں کا رخ ایمان کی عطر بیز ہواؤں سے موڑا، اور ازسرنو اسلام پر نوجوانان ملت کا اعتماد بحال کرنے کی دعوت دی اور یہ نعرہ دیا "شِعَارُنَا اَلْوَحِیْدُ اِلَی الْاِسْلَامِ مِنْ جَدِیْدٍ" اور یہ وصیت کی کہ نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کو بچانا ہماری اولین ذمہ داری ہے۔ اور "أینقص الدین وانا حیٌّ" کے جملہ کو یاد دلاکر دین میں ہر قسم کی کمی وزیادتی کو ناقابل برداشت قرار دیا۔ ادب کو اسلامی رخ دے کر یہ تجدیدی کارنامہ انجام دیا کہ تحریروں میں ادبی تحریر وہ ہے جس میں اخلاقی چھاپ ہو۔ زہد واستغنا، ورع وتقویٰ، تسلیم ورضا، اطاعت وعبادت کے پیکر رہے اور داعی اجل کو اس حال میں لبیک کہا کہ غسل فرماکر کپڑے تبدیل کرکے عطر لگاکر تلاوت قرآن مجید کے عمل میں منہمک تھے، اور سورہ یٰسین شریف کی ابتدائی آیات زبان پہ تھیں۔ جمعہ کی نماز کا وقت قریب تھا اور چہرہ قبلہ رخ تھا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے رمضان المبارک کی ۲۳ویں شب کو مسجد شاہ علم اللہ میں نماز پڑھائی اور پھر ۲۷ویں شب کو بعد نماز عشاء حرمین شریفین میں امام حرم نے لاکھوں افراد کو غائبانہ نماز پڑھائی، عرب وعجم نے اور عالم اسلام نے ان کی وفات کو بڑا خسارا اور عالم انسانیت کے لئے عظیم سانحہ قرار دیا۔ "اللھم اغفرلہ وارحمہ واحشر مع النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئك رفیقا"۔

باب سوم

ولادت، ماحول، نشوونما، تعلیم وتربیت

ماحول

مؤرخ ہند پروفیسر خلیق احمد نظامی (مصنف تاریخ مشائخ چشت ونگاہ فقر وغیرہ) نے حضرت سید احمد شہید اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے خاندان کا اوپر سے جائزہ لیتے ہوئے بڑا بلیغ تبصرہ کیا ہے کہ ''اگر شیخ الاسلام سید قطب الدین سے لے کر سید ابوالحسن علی حسنی ندوی تک اس خاندان کی جہد وسعی کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اندازہ ہوگا کہ قضا، سلوک، عزیمت، علم وادب، دعوت وارشاد اس خاندان کی کوششوں کا مرکز ومحور رہا ہے۔(۱)

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے جن خصوصیات وامتیازات کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے اثرات اس ماحول پر پورے طور پر مرتب تھے جس ماحول میں مولانا عبدالحی حسنی کی اولاد نے آنکھیں کھولیں اور صورتحال یہ تھی کہ یہاں کے مردوں سے زیادہ عورتوں پر اس کے اثرات تھے، دینی فہم، سوجھ بوجھ، دینی حمیت، ملی غیرت، اعلاء کلمۃ اللہ کی فکر، دین کی سربلندی کا جذبہ اور اسلام کے غلبہ کی کوشش میں ان کے بس میں جو ہوتا وہ یہاں کی خواتین اپنے قلم وزبان سے بیان کرتیں۔ جن میں پیش پیش مولانا عبدالحی حسنی کی اہلیہ اور حضرت شاہ ضیاء النبی کی صاحبزادی مخدومہ خیر النساء بہتر صاحبہ تھیں اسی طرح ان کی بہنیں اور بڑی بہنوں کی صاحبزادیاں جن میں بعض ان کی ہم عمر تھیں حصہ لیتیں۔ مولانا علی میاں نے اس ماحول کی اچھی تصویر کشی کی ہے وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) مقدمہ ''کتاب ''حکیم سید فخر الدین خیالی حیات وکارنامے'' ص،۵، مولفہ ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

"خاکسار کا خاندان ایک خزاں رسیدہ دینی خانوادہ ہے جسکے بزرگوں نے کبھی فصل خزاں میں بھی دنیا کو پیغام بہار سنایا تھا۔ ہندوستان میں جب دین کی بہار آخر ہوئی تو اس خاندان پر بھی تنزل آیا۔ ہوش کی آنکھیں کھولی تو دینداری جوانوں سے زیادہ بوڑھوں میں اور مردوں سے زیادہ عورتوں میں تھی۔

خاندان میں دستور تھا کہ تقریباً روزآنہ اور ان دنوں میں خاص طور پر جب کسی حادثے کی وجہ سے تسکین و مشغلے کی ضرورت ہوتی ایک گھر کی تمام بیبیاں ایک جگہ جمع ہوجاتیں اور ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ سید عبدالرزاق صاحب کلامی متوفی ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء کی منظوم فتوح الشام پڑھی جاتی"۔(۱)

ولادت

محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مولانا عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء کی اولاد میں تیسری ہیں اور صاحبزادیوں میں دوسری اپنے وطن دائرہ شاہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں جمعرات کے دن ۱۲/ جمادی الاولی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۸/ جون ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئیں۔ امۃ اللہ تسنیم نام رکھا گیا۔ عرفیت عائشہ ہوئی اور عائشہ بی کہلائی گئیں۔

تعلیم

اردو، فارسی اپنی والدہ مخدومہ خیر النساء بہتر اور چچا مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی سے پڑھی، اس کے ساتھ والدہ صاحبہ سے بھی قرآن مجید پڑھتیں اور انہیں کے حکم پر حفظ بھی شروع کیا اور چند پارے یاد بھی کر لیے، پھر انہیں کے کہنے سے رک گئیں کہ سامع نہ ہونے سے یاد رکھنا مشکل ہوگا، لیکن اہم سورتیں یاد کرائیں، جو آپ نے یاد کرلیں اور تلاوت کا زیادہ سے زیادہ معمول رکھا، عربی اپنے بھائی مولانا علی میاں اور پھوپھا مولانا سید طلحہ حسنی ٹونکی سے پڑھی اور جب ۲۵/ نومبر ۱۹۲۶ء کو ماموں زاد بھائی مولانا سید ابوالخیر حسنی کے ساتھ عقد ہوا تو علمی مزاج

(۱) کاروان زندگی حصہ اول

اور ادبی مذاق کی وجہ سے دونوں میں بڑی یگانگت رہی اور انہوں نے مولانا ابوالخیر صاحب سے بھی خاصہ علمی وادبی استفادہ کیا۔ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی کو اپنا خصوصی استاد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ابتدائی تعلیم میں نے اپنے مخدوم ومحترم چچا مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب سے پائی، چچا جان نے بہت خلوص اور محبت سے تعلیم دی اور تھوڑی بہت تربیت بھی فرمائی، اٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کا سلیقہ ادب اور قاعدہ بہت کچھ انہوں نے سکھایا۔

ساتھ ہی ساتھ سینے، پرونے، پکانے، کاڑھنے، بنانے کی ترغیب بھی دیتے رہے اور ہمت بڑھاتے رہے۔ کلام مجید، اردو کی پہلی کتاب اور فارسی کی کتابوں میں آمدنامہ گلزار دبستاں، رقعات عالم گیری بھی پڑھیں۔ رقعات عالمگیری کے گیارہ سبق ہوئے تھے کہ میری بڑی بہن کی شادی کا سلسلہ شروع ہوگیا اور تعلیم کا سلسلہ بند ہوگیا۔ اب میں خود کتابوں کا مطالعہ کرنے لگی۔''

مطالعہ:

جہاں تک ذاتی مطالعہ کا تعلق ہے تو اس سے متعلق بھی ان ہی کا بیان ملاحظہ ہو: وہ اپنے مضمون ''میری بے زبان استانیاں'' میں لکھتی ہیں:

''سب سے پہلے میں نے اپنے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم کی لکھی ہوئی کتابیں، تعلیم الاسلام، نورالایمان، اصلاح، استفادہ، دیکھیں، ان کتابوں کا خاص مجھ پر اثر پڑا، جو باتیں یاد رکھنے والی تھیں۔ مسئلہ مسائل وغیرہ وہ تو میرے دل نے محفوظ کرلیے اور جو دینی خوبیاں اور اچھے اخلاق تھے ان کا دل پر بڑا اچھا اثر پڑا اور میں نے ان کو قبول کرنے اور اپنانے کی پوری کوشش کی۔ نورالایمان سے ایمان وعقیدے میں پختگی پیدا ہوئی''۔

دینیات

اپنے دینی مطالعے کے متعلق وہ مزید لکھتی ہیں:

"میرے خالو آنریری مجسٹریٹ مولوی سید خلیل الدین صاحب مرحوم نے بہت سی مذہبی کتابیں منگوائیں، جن میں اسوۂ صحابہ، اسوۂ حسنہ، سیرت الصحابیات، بندگی وغیرہ تھیں۔ موصوف نے وہ کتابیں مجھے بھی دیکھنے کو مرحمت فرمائیں، ان کتابوں کو میں نے بہت ذوق وشوق اور غور وفکر سے پڑھا۔ صحابہ کرام صحابیات رضی اللہ عنھم اجمعین کے تمام اخلاق وعادات کا ایسا اثر پڑا کہ ان خوبیوں کے حاصل کرنے کے شوق میں میں بے خود ہوگئی۔ پھر قاضی سلیمان صاحب منصور پوری کی "رحمۃ للعالمین" حصہ اول وحصہ دوم اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی "رحمت عالم" اور "سیرت عائشہ" پڑھیں، سیرت عائشہ کے پڑھنے سے عربی کا شوق اور عالمہ بننے کا جذبہ پیدا ہوا، اس وقت میرے خاندان میں عورتوں کو صرف کلام مجید اور مسئلہ مسائل کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اور میرا شوق میرے اختیار سے باہر تھا، چنانچہ میں نے اپنے چھوٹے بھائی ابوالحسن علی سلمہٗ سے چپکے چپکے عربی پڑھنا شروع کی۔ علی سلمہٗ بھی اس وقت طالب علم تھے جو خود پڑھتے تھے وہی مجھ کو پڑھا دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ میں نے بہت کتابیں پڑھ لیں۔ گو عالمہ نہ بنی مگر خدا کا شکر ہے کہ امام نووی کی ریاض الصالحین کا ترجمہ کر کے زاد سفر اور قصص النبیین کا ترجمہ کر کے بچوں کی قصص الانبیاء لکھ سکی"۔

ادبیات

ادبی مطالعہ کے تعلق سے انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ:

"اس زمانے میں ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم کی کتابوں کی بہت قدر تھی، ہر گھر میں ان کی کتابیں موجود تھیں۔ میں نے بھی مرآۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح پڑھیں۔ بنات النعش سے جغرافیہ کا شوق ہوا، حساب سیکھنے کا شوق ہوا۔ چنانچہ تھوڑا بہت سیکھ بھی لیا۔ توبۃ النصوح میں نصوح کے خواب سے بہت عبرت ہوئی اور دین کی طلب پیدا ہوئی۔ مرآۃ العروس سے بہت کچھ حاصل ہوا۔ گویا میری بہت کم عمری کا زمانہ تھا، لیکن بڑی سی بڑی بات حاصل کرنے کا جذبہ فطری تھا۔ بس "اصغری" کے حالات پڑھ کر جی چاہا کہ ان جیسی بن جاؤں۔

چنانچہ خانہ داری کا شوق، سینے، پرونے اور پکانے کی خواہش اور لڑکیوں کو پڑھانے کا جذبہ اسی کتاب کے دیکھنے سے پیدا ہوا، چنانچہ کئی لڑکیوں کو پڑھنے کے لیے بٹھالیا، ہوتے ہوتے پورا مکتب قائم ہوا اور کتنی ہی لڑکیاں فارغ ہو کر نکلیں، مجھ کو خود پڑھانے سے فائدہ پہونچا اور جو خانہ داری کا سلیقہ آیا وہ اسی کتاب کی بدولت، پھر علامہ راشد الخیری کی کتابیں ''صبح زندگی'' شام زندگی'' شب زندگی'' نوحہ زندگی'' منازل السائرہ'' دیکھیں، ان میں سب سے زیادہ ''شام زندگی'' کا مجھ پر اثر ہوا، آنے والی زندگی میں اس کتاب نے بڑی رہبری کی۔ پھر نذر سجاد صاحبہ اور محمدی بیگم صاحبہ کی کتابیں دیکھیں، ان کتابوں میں ''آج کل'' ''چندن ہار'' اور'' بدمزاج دلہن'' سے بہت نصیحت حاصل ہوئی۔ آج کا کام کل پر ڈالنے کی عادت میری بھی تھی وہ اسی کتاب کے دیکھنے سے چھوٹی''۔

شعر و شاعری کی کتابیں بھی امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے مطالعہ میں رکھیں۔ یہ ذوق اور شوق دراصل انھیں اپنے والد کے حقیقی پھوپھا سید عبدالرزاق صاحب کی منظوم تصانیف ''گوہر مخزون'' ''حسام الاسلام'' اور ''صمصام الاسلام'' سے پیدا ہوا پھر اسی زمانے میں انہوں نے اپنے والد ماجد کی کتاب ''گل رعنا'' کا مطالعہ بھی کر ڈالا جو تذکرہ شعراء اردو پر شاہ کار تصنیف ہے۔ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے اپنے اس ارتقائی ادبی مطالعے اور اس کے اثرات پر یوں روشنی ڈالی ہے وہ لکھتی ہیں کہ:

''اسی اثنا میں اپنے والد ماجد کی ''گل رعنا'' دیکھی اور'' دیوان غالب'' دیوان مومن'' ''کلیات میر تقی میر'' ''میر درد'' ''سودا'' ''آتش'' ''امیر مینائی'' اور'' کلیات اکبر الہ آبادی'' ''مسدس حالی'' اور اپنے دادا صاحب کی'' مسدس خیالی'' اقبال کی'' بانگ درا'' اور'' شکوہ و جواب شکوہ'' دیکھا، ان کتابوں کے دیکھنے سے شعر و شاعری کی طرف طبیعت راغب ہوئی اور کچھ ٹوٹے پھوٹے شعر کہنے کے قابل ہوئی، چونکہ طبیعت کا رجحان دعا و مناجات کی طرف بہت تھا۔ وہ رجحان رنگ لایا، چنانچہ مناجاتوں کا ایک مجموعہ تیار ہو گیا، اللہ تعالی ان دعاؤں اور مناجاتوں کو قبول فرمائے اور ہر بہن کو نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے''۔

قرآن مجید سے تعلق وشغف

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کا قرآن مجید سے تعلق بڑا گہرا اور مستحکم تھا اس تعلق کے حاصل کرنے میں ان کی والدہ ماجدہ مخدومہ خیر النساء بہتر صاحبہ کی توجہ کو خصوصی دخل تھا اس کا اعتراف امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے پوری فراخدلی سے کیا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ:

''میری والدہ ماجدہ اللہ تعالی ان پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارش فرمائے اور مجھے ان کا پورا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔دن بھر خانہ داری کے کاموں اور والد صاحب کی اطاعت میں مصروف رہتیں اور راتوں کو ہم لوگوں کو بٹھا کر نماز کی ترکیب سکھاتیں۔کلام مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کراتیں اللہ ورسول کے تذکرے کرتیں،رسول اکرم ﷺ کے حالات اور صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ عنہم کے واقعات بتاتیں،بزرگوں کی سچی سچی کہانیاں سناتیں ،ساتھ ہی ساتھ نیکیوں کی ترغیب دیتیں،برائیوں کے برے نتائج دکھاتیں اور کچھ ایسے موثر انداز میں کہتیں کہ دل خود بخود مائل ہو جاتا اور یہ ان کا روز کا معمول تھا۔

میری والدہ حافظ قرآن ہیں مجھے بھی انہوں نے حفظ کرنے کی ترغیب دی پھر کچھ سوچ کر منع فرمادیا،لیکن اتنے عرصے میں میں سورہ بقرہ یاد کر چکی تھی،پھر انہی کے فرمانے سے سورۂ یٰسین،سورۂ الرحمٰن،سورۂ الملک،سورۂ القیامہ سورۂ الدخان،اور اپنے شوق سے سورۂ فتح،سورۂ عم،سورۂ مزمل،سورۂ جمعہ میں نے یاد کیں جواب تک مجھے یاد ہیں''۔

سیرت عائشہ کا مطالعہ

علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کتابوں میں ان کی یہ کتاب بڑی موثر اور البیلی کتاب ہے جو اولوالعزمانہ مزاج بنانے میں مہمیز کا کام دیتی ہے،امۃ اللہ تسنیم صاحبہ پر اس کتاب کے مطالعہ کا گہرا اثر پڑا اور بقول ان کے:

''اس کے پڑھنے سے عربی کا شوق اور عالمہ بننے کا جذبہ پیدا ہوا''

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم کے اعتبار سے سبھی خواتین اسلام پر فضیلت حاصل ہے اور حدیث میں آتا ہے "فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام"(۱)

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے جن کا دوسرا نام عائشہ تھا اور اسی نام سے انہیں پہچانا اور پکارا جاتا تھا، نام کی خصوصیات حاصل کرنے کی بھی کوشش کی اور تدین وتقوی کے ساتھ علم وفضل میں اپنے عہد کی خواتین میں نمایاں مقام حاصل کرلیا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بانی ''الفرقان'' ومصنف ''معارف الحدیث'' نے انہیں اس دور کی خواتین کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ ناظم ندوۃ المصنفین دہلی نے انہیں ایک عابدہ، زاہدہ، عالمہ، اور پیکر تقدس وتقوی کہا۔ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سیرت عائشہ کے ان کی شخصیت پر مرتب اثرات ونقوش کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں:

''انہوں نے کہیں مولانا سید سلیمان ندویؒ کی مشہور کتاب سیرت عائشہ کا اشتہار دیکھا، اب یاد نہیں کہ بھائی صاحب مرحوم نے اس کتاب کا تذکرہ کیا یا اس کے اشتہار پر نظر پڑی، بہر حال ہمشیرہ نے اس کو حاصل کیا اور حرز جاں بنالیا، اس سے مناسبت کی کئی کھلی وجہیں تھیں، ایک تو ہمنامی کا شرف وافتخار، دوسرے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علمی کمال وامتیاز۔ جس کی ان کے دل میں شروع سے قدر ومنزلت تھی، بہر حال اس کتاب کو انہوں نے پڑھا ہی نہیں بلکہ اس کے مضامین کو اپنے اندر اتارلیا اور جذب کرلیا اور وہ ان کی بڑی رہنما کتاب ثابت ہوئی اسی زمانے میں اور عجب نہیں کہ اسی کتاب کا فیض ہو انہوں نے عربی پڑھنا شروع کی۔ میری عربی زبان کی تعلیم کا بھی یہ دور طفولیت تھا، مگر میں گھر کے باہر نامور اور باکمال اساتذہ سے پڑھتا تھا، جن میں امام فن شیخ خلیل عرب یمنی بھوپالی کا پایہ سب سے بلند تھا، اس لیے میں ان کی تھوڑی بہت مدد کرنے کے قابل ہوگیا تھا، سب سے بڑی مدد ان کو اپنے پھوپھا

(۱) صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ باب فضل عائشہؓ

مولانا سید طلحہ حسنی صاحب سے ملی تھی، جو گرمیوں کی چھٹی میں لاہور سے وطن آتے تھے ان کو علم کو گھول کر پلا دینے کا ملکہ تھا اور صرف ونحو کے ضروری مسائل کی مشق کرانے میں ید طولی حاصل تھا اور ان کے اس میں عجیب عجیب چٹکلے تھے۔(۱)

صمصام الاسلام

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ پر جن کتابوں نے غیر معمولی اثرات ڈالے ہیں ان میں ایک اہم کتاب ''صمصام الاسلام'' ہے، جو بڑی تختی پر مطبع نول کشور لکھنو سے شائع ہوئی تھی اور بہت سے دین دار خاندانوں میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی جاتی تھی، واقدی کی فتوح الشام کو سید عبدالرزاق صاحب کلامی نے جو کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے بھانجے سید حمید الدین کے پوتے اور دوسرے بھانجے سید عبدالرحمٰن کے نواسے تھے، بڑی قادر الکلامی اور جوش وولولے اور حمیت وغیرت ملی کے جذبہ کے ساتھ پچیس ہزار شعروں میں اردو میں نظم کیا تھا، مولانا علی میاں نے اپنے گھر پر اس کے اثرات کے ذیل میں لکھا ہے۔

''میری بڑی خالہ سیدہ صالحہ مرحومہ جو قرآن مجید کی بھی حافظ تھیں یہ منظوم ''فتوح الشام'' بڑے پر اثر ودلکش لہجے میں پڑھتی تھیں اور پڑھتے پڑھتے کتاب ان کو بہت رواں ہوگئی تھی، عموماً عصر کے بعد یہ مجلس ہوتی، بچے بھی کبھی اپنی ماؤں کے پاس کھیلتے کھیلتے یا کسی پیغام کے لیے آجاتے اور بے ارادہ کچھ دیر ٹھہر کر سنتے، کبھی با ارادہ بیٹھ جاتے اور کبھی مائیں اپنے پاس بٹھا کر سننے کا موقع دیتیں، پھر جب اس میں لطف آنے لگتا تو کھیل چھوڑ کر اس مجلس میں شریک ہوتے''۔

میری خالہ مرحومہ جب سادہ وبے تکلف لیکن پر اثر لہجے میں یہ اشعار پڑھتیں تو جہاد کا ایک سماں بندھ جاتا، دل امنڈ آتے، حضرت خالد، حضرت ضرار، اور ان کی بہن حضرت خولہ بنت الازور اور دوسرے صحابہ کرام ومجاہدین شام کی جاں بازی اور شجاعت کا ذکر آتا تو مجلس پر ایک کیف وسرور اور نشہ سا طاری ہو جاتا، کسی سخت معرکہ میں مسلمانوں کے گھر جانے اور کسی

---

(۱) رضوان لکھنؤ امۃ اللہ تسنیم نمبر ص، ۳۱

بہادر کے شہید ہونیکا تذکرہ ہوتا تو آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، آنسوؤں کے یہ طوفان اٹھتے اور برستے تو ان کا چھینٹا ہمارے معصوم دلوں پر بھی پڑ جاتا اور اس نرم مٹی کو تر کر جاتا۔

''فتوح الشام'' کی ان زندہ مجلسوں نے دل پر یہ اثر چھوڑا کہ مجاہدین کی محبت وعظمت اور اللہ کی راہ میں جان دینے کی قیمت کو کوئی نئی علمی تحقیق اور جہاد کو مدافعانہ ثابت کرنے کی کوئی کوشش کم نہیں کرسکی۔

خون کے نقش کو سیاہی کے وہ نقش کبھی نہیں مٹا سکتے جو لیٹے لیٹے یا آرام سے بیٹھے بیٹھے کاغذ پر ثبت کیے جائیں، پھر وہ نقش جس کو بچپن کے پاک آنسوؤں نے پائیداری بخشی ہو۔

اَتَانِی ھَوَاھَا قَبْلَ اَنْ اَعْرِفَ الْھَوٰی

فَصَادَفَ قَلْبًا خَالِیًا فَتَمَکَّنَا (۱)

مولانا علی میاں ندویؒ کی مذکورہ بالا تحریر سے اس کتاب کے معاشرے پر مرتب غیر معمولی اثرات کا اندازہ قارئین خود لگالیں گے۔ خود امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے جو تاثر بیان فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو، وہ لکھتی ہیں:

''میرے والد ماجد کے حقیقی پھوپھا سید عبدالرزاق صاحب کلامی میاں کی تصنیف ''گوہر مخزون'' ''حسام الاسلام'' اور ''صمصام الاسلام'' دیکھیں اور سنیں، اس کے دیکھنے سے میرے دل میں عزم واستقلال کی لہر دوڑ گئی۔ دن کو میری خالہ پڑھتیں اور سب بہت ذوق وشوق سے سنتے اور مزے لیتے اور رات کو ہم اور علی بیٹھ کر آپس میں صحابہ کرام کی بہادری کے کارنامے اس ذوق وشوق سے بیان کرتے کہ اچھل اچھل پڑتے''۔(۲)

مولانا علی میاں ندویؒ نے اس کتاب کی اثر انگیزی کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''گویا یہ اس وقت کا مشہور ومقبول شاہنامۂ اسلام تھا۔ کتاب کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ معرکہ جہاد برپا ہے، تلواریں چمک رہی ہیں، مجاہدین ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے لڑ رہے ہیں اور راہ

---

(۱) مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص، ۱۸۳، تحقیق مولانا فیصل احمد بھٹکلی ندوی، ادارہ احیاء علم ودعوت لکھنو

(۲) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر مئی ۱۹۷۶ء صفحہ ۷۸

خدا میں جان دے اور لے رہے ہیں کتاب کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ پڑھنے والے کی آواز گلوگیر اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور سننے والوں کو سر و پا کا ہوش نہیں رہتا، بڑی بوڑھیوں میں میری حقیقی خالہ صالحہ بی بی کو جو قرآن کی جید حافظ بھی تھیں اور ان مرحومہ بہن کو، آخیر آخیر تک یہ کتاب بہت عزیز رہی اور اس سے انھوں نے اپنے مضامین اور شعر گوئی میں فائدہ اٹھایا۔(۱)

شعر گوئی و سخن فہمی اور تذکرہ شعراء اردو ''گل رعنا'' کا اثر

''صمصام الاسلام'' کا اثر کہیں، یا دوسرے اسباب و محرکات کو تلاش کریں، یا طبیعت کی موزونیت کو خاندانی ورثہ قرار دیں، امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے بہت جلد اس میں امتیاز اور خصوصیت پیدا کر لی تھی، مولانا طلحہ حسنی ٹونکی سے بھی استفادے کو کسی حد تک دخل تھا کہ جنھیں تاریخ اور شعر و شاعری کا بڑا اچھا ذوق تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اپنی بہن کی اس خصوصیت کو اس طور پر بیان کرتے ہیں:

''ہمشیرہ مرحومہ کی طبیعت ہمیشہ سے موزوں واقع ہوئی تھی اور موزونیت طبع کا یہ ورثہ ہم بھائی بہنوں میں صرف انہیں کو ملا تھا۔ گل رعنا گھر کی چیز تھی اس کو انھوں نے اتنی بار پڑھا تھا کہ گویا اس کی حافظ تھیں۔ خاندان میں بیت بازی کا رواج پرانا ہے اس میں اگر بے اعتدالی نہ ہو تو فائدے بھی بہت ہیں اس میں ان سے مشکل سے کوئی بازی لے جاتا، اشعار کا انتخاب بہت صاف ستھرا تھا۔ آگے چل کر انہوں نے خاص اس موضوع پر کتاب بھی لکھی جو اساتذہ کے منتخب اور پاکیزہ اشعار کا بڑا اچھا مجموعہ بن گیا، ان کو کتابیں جمع کرنے کا شوق بہت تھا، گھر میں، جو پرانی وضع کا بنا ہوا تھا، انھوں نے اس کے لیے الگ ایک جگہ مقرر کر لی تھی، جہاں وہ اپنا کتابی ذخیرہ رکھتی تھیں۔(۲)

---

(۱)(رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر مئی ص، ۳۰، ۱۹۷۶ء

(۲) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر مئی ۱۹۷۶ء ص، ۳۱

باب چہارم

نکاح، اولاد، اور اس کے بعد کے ایام

ازدواجی زندگی

محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ ۲۵ رنومبر ۱۹۲۶ء کو رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئیں۔ مولانا سید ابوالخیر برق محدث رائے بریلوی سے جو کہ تسنیم صاحبہ کے ماموں حافظ سید عبید اللہ صاحب حسنی پسر حضرت شاہ ضیاء النبی حسنی کے فرزند تھے نکاح ہوا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

۲۵ رنومبر ۱۹۲۶ء کو ان کی شادی اپنے حقیقی ماموں زاد بھائی مولانا سید ابوالخیر صاحب حسنی سے ہوئی، نسبت قدیم تھی لیکن مختلف حوادث کی وجہ سے اس میں تاخیر ہوتی چلی گئی، پھر اس وقت تک ان کی عمر بھی زیادہ نہیں ہوئی تھی۔(۱)

یہ بڑا پڑھا لکھا جوڑا تھا، امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے اپنے مجمع الکمالات شوہر نامدار سے علم دین اور زبان وادب ولغت میں بھرپور استفادہ کیا اور ابتدائی دس بارہ سال اور بھی زیادہ خوشگوار تھے کہ ان کے خسر حافظ سید عبید اللہ حسنی جو ان کے چاہنے والے ماموں بھی تھے، وہ حیات تھے اور وہ بڑے اللہ والے شخص تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ان ایام کے متعلق لکھا ہے:

---

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر مئی ۱۹۷۶ء ص ۳۲،

''ہمشیرہ مرحومہ کی زندگی کے بہترین دن وہ چند ابتدائی سال تھے جو انہوں نے اپنے والد کے برابر شفیق ماموں اور خسر مولوی حافظ سید عبید اللہ صاحب مرحوم فرزند حضرت شاہ ضیاء النبی صاحبؒ (متوفی مئی ۱۹۳۸ء) کے زیر سایہ بسر کیے''۔(۱)

مولانا سید ابوالخیر محدث

مولانا سید ابوالخیر محدث کا تعلق اس خانوادہ سے تھا جس کو اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد کے نہایت متبع سنت عالم ربانی حضرت شاہ علم اللہ حسنی، سلطان ٹیپو شہید کے شیخ ومرشد مولانا شاہ ابوسعید حسنی تلمیذ خاص حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ہندوستان میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کے علمبردار اور تحریک اصلاح وجہاد کے قائد وامیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ سے نسبت حاصل ہے ان کے والد حافظ سید عبید اللہ حسنی اسلامی زندگی کا چلتا پھرتا نمونہ تھے اور پورے خاندان اور علاقہ کی بابرکت اور دلآویز شخصیت تھے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ ندوی کے حقیقی ماموں اور مربی کے درجہ میں تھے۔

مولانا سید ابوالخیر محدث ۱۹۰۲ء میں تکیہ کلاں رائے بریلی میں پیدا ہوئے، ذہانت وحافظہ خداداد تھا، تعلیم کا شوق خاندانی وموروثی تھا، جس گھر میں انہوں نے آنکھیں کھولیں وہاں کی خواتین میں پانچ خاتون حافظ قرآن تھیں جن کی آغوش میں وہ پروان چڑھے، ایک تو خود ان کی والدہ صاحبہ اور دو پھوپھیاں تھیں اور دو ممانیاں، پورا گھرانہ دیندار اور ادب وثقافت سے متاثر تھا، خاندان میں کئی شعرا بھی تھے خود ان کی پھوپھی صاحبہ سیدہ خیر النساء بہتر مرحومہ (والدہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) کو شعر کہنے پر بڑی قدرت حاصل تھی جن کا مجموعہ کلام شائع بھی ہو چکا ہے، اور یہ وہ دور تھا کہ جب شعر کہنا پڑھے لکھے ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ بچپن سے ہی انہیں شعر گوئی کا چسکا پڑ گیا اور لڑکپن میں ہی ''سکندر نامہ'' اور ''قلندر نامہ'' تصنیف کر ڈالا۔

---

(۱) بحوالہ سابق، رضوان نمبر

عربی و دینی تعلیم میں کمال پیدا کرنے کے لیے وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، یہاں ان کے جوہر اور کھلے اور عربی لکھنے بولنے میں بہت جلد انھیں قدرت حاصل ہوگئی، اس سلسلہ میں ان کا ایک واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک جلسہ میں جس میں نواب ذوالقدر جنگ بہادر شریک تھے انہوں نے برجستہ عربی میں تقریر کی جس سے متاثر ہوکر نواب صاحب نے ایک انعامی رقم کا اعلان کیا جو ندوہ میں داخل کردی گئی، اس وقت کے ان کے ساتھیوں میں مولوی حفیظ الدین ندوی تھے جو جامعہ ملیہ دہلی کے رسالہ ''اسلام اور عصر جدید'' کے ایڈیٹر ہوئے، کچھ عرصہ مولانا موصوف بھی جامعہ ملیہ دہلی میں بحیثیت استاد مقیم رہے، کچھ وقت انھوں نے بحیثیت طالب علم کے اورینٹل کالج لاہور میں بھی گذارا تھا، لیکن صحیح معنوں میں لکھنو اور رائے بریلی ان کی تعلیم گاہ رہے، لکھنو میں انھوں نے ادب و زبان سیکھی لکھنو اس وقت علم و ادب کا مرکز تھا۔ ندوۃ العلماء اور فرنگی محل اپنی جگہ مرکز علم و ادب بنے ہوئے تھے، دوسری طرف عبدالحلیم شرر جیسا پایہ کا ادیب اور صاحب طرز نثر نگار اور ممتاز شاعر ابوالفضل شمس لکھنوی لکھنو کی رونق بنے ہوئے تھے، مولانا ابوالخیر صاحب نے ان میں سے ہر ایک سے استفادہ کیا، ان کے علاوہ انہوں نے لکھنو کے دیگر اساتذہ سخن سے بھی راہ و رسم پیدا کرلی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زبان کی غلطی اور خلاف محاورہ گفتگو برداشت ہی نہ کر پاتے تھے، اور محاورات، تذکیر و تانیث کے فرق کے اچھے واقف کار سمجھے جاتے تھے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جن چند اساتذہ سخن کی طرف زبان کے سلسلہ میں رجوع کرتے تھے، ان میں ایک مولانا سید ابوالخیر حسنی بھی تھے، وہ کہتے تھے ''انہیں زبان میں سند کا درجہ حاصل تھا میں ان کی طرف اس طرح رجوع کرتا تھا جیسے لغت دیکھا جائے، وہ برجستہ جواب دیتے اور وہ حرف آخر ہوتا''۔

اردو ادب اور شاعری میں ان کے اصل استاذ مشہور شاعر ابوالفضل شمس لکھنوی تھے جن کے وہ بڑے قدرداں تھے ان سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا اور ان کا رنگ بھی قبول

کیا، ایک دوسرے مشہور شاعر مرزا ثاقب قزلباش سے بھی تلمذ کا سلسلہ جاری رکھا ان پر دہلی کا رنگ لکھنوی رنگ پر غالب تھا۔ مولانا ابوالخیر حسنی لکھنوی زبان کے عاشق تھے اور اسی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ لکھنوی بھی لگاتے تھے اس کا اثر تھا کہ مرزا ثاقب سے استفادہ تو کیا لیکن نمونہ شمس کو ہی بنائے رکھا۔ نقد سخن سے بھی ان کو وافر حصہ ملا تھا۔ بڑے بڑے اساتذہ سخن کا بچ کے جانا مشکل ہوتا تھا۔ وہ مومن خاں مومن کے مداح تھے اور ان کو ان کے معاصر اساتذہ سخن پر ترجیح دیتے تھے اور ان کا نمونہ کلام لطف لے لے کر پڑھتے اور سناتے تھے انہوں نے ان کے اور معاصر شعراء کے موازنہ پر کتاب بھی تصنیف کی تھی مگر وہ شائع نہ ہو سکی۔

شاعری میں ان کا اصل میدان غزل تھا، مرثیہ بھی کہا ہے۔ اپنے پھوپھا وخسر مولانا سید عبدالحی حسنی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی وفات پر عربی میں مرثیہ کہا۔ وہ ایک اچھے نثر نگار بھی تھے اور محاورات کا کثرت سے استعمال کرتے لکھنوی ٹکسالی زبان کا ان کی نثر بہترین نمونہ تھی، ان کے بعض اردو مضامین کا مجموعہ ''تاثرات'' کے نام سے طبع بھی ہوا۔ جو ان کی ادبی حیثیت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے ان کی متعدد تصانیف ہیں جن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان کی شخصیت کا صحیح اندازہ نہ کر سکے اور ان کا فیضان عام نہ ہو سکا، ان کی تصانیف میں ایک ''نوادر'' ہے جس پر ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم سابق صدر جمہوریہ ہند نے تقریظ لکھی تھی اور ''روزمرہ'' ہے جو اپنی الگ انفرادیت رکھتی ہے، شعری کلام کا ایک مجموعہ ''شب فرقت'' کے نام سے ہے، ایک مناجات ہے جو ''دعائے مضطر'' کے نام سے کئی بار چھپی اور مقبول ہوئی، جو درد و سوز سے بھری ہوئی اور تاثیر خیز ہے، زبان کی سادگی اور صفائی اس کی خصوصیت ہے، اس کے چند بند پیش خدمت ہیں ۔

تیرے قبضہ میں طالع خاوری ہے
جہاں پر سدا سے کرم گستری ہے
زمانہ میں تیری جلوہ گری ہے

ہر ایک شی پہ یا رب تجھے برتری ہے
کر، اب میرے مالک میری دستگیری
تیری ہی ریاست تیری ہی امیری
زمانہ سے میں ایک آفت رسیدہ
سراشک غم آنکھوں میں دل ہے طپیدہ
ولیکن مثالِ گلِ نو دمیدہ
لبوں پر تبسم گریباں دریدہ
یوں ہی رات ساری بسر ہوگئی
نہیں آنکھ جھپکی سحر ہوگئی

برق صاحب کا اصل میدان غزلیہ شاعری تھا، چونکہ ان کا اپنے رب سے تعلق مضبوط تھا، اس پر بھروسہ تھا، یقین کامل تھا جوان کے رگ وپے میں رچا بسا تھا، اس لیے ان کی شاعری تفریح طبع کے لیے نہیں رہی اس نے ایک فکر اور درد وسوز پیدا کیا اس میں دنیا کی بے ثباتی اور بے وفائی اور انسانی اخلاق واقدار کی پامالی کی جانب اشارے بھی ہیں جو ایک انسان کو اعلیٰ کردار کا حامل بننے کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت کی طرف متوجہ کرتے ہیں یہ شعر انہیں کا ہے۔

ظاہر پرست یہ عالم فانی ہے دیکھ لے
شمع مزار پہ ہے، اندھیرا مزار میں

اور کہتے ہیں ۔

دل کی کدورتوں سے یہ عالم تباہ ہے
منزل ہمیں نظر نہیں آتی غبار میں

زندگی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

زندگی کیا ہے ہماری اور آپ کی روداد ہے
کچھ حکایت صبح کی کچھ کہانی شام کی

یہ شعر بھی ان کا بہت درد بھرا ہے ۔

مشکلوں سے ہم چھوٹے بجلیاں ہیں جلوہ ریز
باغباں اب کون سی صورت کرے آرام کی

اور یہ شعر بھی ملاحظہ ہو ۔

پھول جو تھا جان بلبل اب وہ کانٹا ہوگیا
اے ہوائے باغ عالم یہ تجھے کیا ہوگیا

برق صاحب ۱۹۳۰ء کے ایک بڑے انعامی مشاعرے میں جس میں بڑے بڑے اساتذہ سخن اور معمر شعراء شریک تھے اور میر مشاعرہ نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی تھے شرکت کی اور انعام حاصل کیا ۱۹۲۰ء میں ایک مشاعرہ میں جب کہ ان کا عنفوان شباب تھا وہ گئے اور غزل پیش کی جس کے اس شعر پر انہیں بڑی داد ملی اور کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ انہوں نے مشاعرہ لوٹ لیا، لکھنو کے مشہور استاد شاعر جناب سراج لکھنوی تو دیر تک (کہ مشاعرہ ختم بھی ہوگیا تھا) شعر دہراتے رہے، وہ تھا ۔

ذرا سنبھل کے نکل دل سے آہ سوز آگیں
مجھے سئے ہوئے زخموں کا اعتبار نہیں

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے ان کے اشعار میں لکھنوی رنگ غالب تھا، اس رنگ کے دو شعر اور سنتے چلئے ۔

ابھی ناواقف وحشت ہوں ابھی غربت کا ستایا ہوں
بگولو اٹھ کے بتلادو ذرا راہیں بیاباں کی
ہوش آیا ہے ضعیفی میں جوانی کاٹ کر
ہائے آنکھیں اب کھلی ہیں جب سویرا ہوگیا

ایک بڑے موقع کا شعر ایک صاحب کی فرمائش پر انہوں نے لکھا کہ جو چاندی

کے گلاس پر کندہ کر کے ہیڈ ماسٹر صاحب کو الوداعی تقریب میں پیش کیا جا سکے، وہ یہ تھا ۔

ظرف عالی آپ کا یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر
ایسی سمٹی چاندنی چاندی کا ساغر بن گئی

برقؔ صاحب کی شاعری میں الفاظ کا صحیح استعمال اور زبان کی صحت کے ساتھ لطف کا سامان بھی ہے اور وہ درد و سوز بھی ہے جو ایک مومن بندہ کا شعار ہے اس کے ساتھ اس میں نئے خیالات و مضامین بھی ملتے ہیں جس میں دل کی تسکین، دماغ کی فرحت اور اصلاح کا سامان ہے، اگر یہ کہا جائے کہ مولانا سید ابوالخیر برقؔ کو اردو زبان اور عربی زبان پر یکساں قدرت حاصل تھی تو یہ غلط نہ ہوگا، اردو زبان سے ان کے تعلق اور دلچسپی کا حال گذر چکا، عربی زبان سے انہیں اس درجہ لگاؤ ہو چلا تھا کہ زمانہ طالبعلمی میں انہوں نے ایک قلمی رسالہ نکالا، عربی میں اچھی نثر لکھتے اس میں وہ قرآنی اسلوب کا تتبع کرتے تھے، عربی اشعار بھی بآسانی کہہ لیا کرتے تھے، رمضان المبارک میں شاہ مراکش ملک حسن ثانی کا معمول تھا کہ وہ دنیا بھر سے مشاہیر علماء کو اپنے یہاں مدعو کرتے تھے اور ان کے درس وافادہ کا پروگرام رکھتے، مولانا سید ابوالخیر محدث کا نام بھی اس فہرست میں تھا اور انہوں نے اس وقت جبکہ سفر اتنا آسان نہیں تھا جیسا کہ اس زمانہ میں ہو چلا ہے، ایک پُر مشقت سفر کیا۔ لیکن جاتے ہی بیمار ہو جانے کی وجہ سے وہ اس پروگرام میں شرکت نہ کر سکے۔

انہیں عربی زبان سے اس قدر تعلق ہو چلا تھا جو دراصل ان کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت اور قرآن حکیم و حدیث شریف سے تعلق کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنی گفتگو اور بول چال میں عربی الفاظ کا لطف لے لے کر استعمال کرتے اور مست ہو جایا کرتے، وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کسی بات کا ذکر کرتے اور دین و شریعت کے کسی کام کی طرف متوجہ کرتے تو قرآنی آیت اور حدیث شریف کا مفہوم بیان کرتے، قرآنی آیت بڑے دل کش انداز میں سناتے اور حدیث شریف مع سند بیان کرتے اور اس میں ان کو اتنا ملکہ حاصل ہو گیا

تھا کہ ان کو سوچنا نہیں پڑتا تھا، ساری احادیث یاد کر لینا تو ائمہ متقدمین کا شعار رہا ہے۔ البتہ موطا امام مالک مکمل مع سند کے یاد کر لی تھی اور اسی طرح صحیح مسلم شریف بھی، جیسا کہ ''پرانے چراغ ''میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ نے لکھا ہے اور انہوں نے وہ کیفیت بھی لکھی ہے جو احادیث کو سناتے وقت یا تنہائی میں ہلکی آواز سے پڑھتے وقت ان پر طاری ہوتی تھی جس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت تھی اور کلام اللہ و حدیث رسول اللہ سے تعلق و وارفتگی تھی، وہیں اس زبان سے جو قرآن کی زبان ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زبان ہے ان کا رشتہ بہت قوی تھا اور اس کا انہیں ذوق حاصل تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اس کیفیت و تاثر کو جو ان پر حدیث بیان کرتے ہوئے طاری ہوتا تھا اس طرح بیان کرتے ہیں:

''وہ ادنی مناسبت سے حدیث مع سند پڑھنا شروع کر دیتے تھے اس وقت ان کے چہرے پر ایک خاص چمک، آواز میں سوز و اثر محسوس ہوتا تھا، وہ بڑے دلکش انداز میں اور عربی لہجہ میں احادیث کی تلاوت کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور ان کی روح اس سے وجد میں آ رہی ہے، بعض مرتبہ مسجد میں ان کو تنہا بیٹھے ہوئے زبانی احادیث کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو عجیب کیف محسوس ہوا، سند بھی وہ بڑے اہتمام اور لطف سے پڑھتے، جیسے ان کے کان و دہن لذت یاب ہو رہے ہوں۔(۱)

مولانا ابوالخیر برق کی یہ خوبی تھی کہ وہ اس لذت اور ذائقہ کو اپنے تک محدود نہیں رکھتے بلکہ ان کا ہمنشین اور سامع بھی محظوظ ہوتا اور اسے بھی وہ لطف حاصل ہونے لگتا جو وہ خود سے حاصل نہیں کر سکتا تھا، حدیث کے موضوع پر انہوں نے ''مشکلات الحدیث'' کے نام سے ایک کتاب لکھی افسوس کہ اس کا مسودہ محفوظ نہ رہ سکا۔

قارئین کے لیے یہ بات موجب حیرت و استعجاب ہوگی، کہ انہوں نے ان تمام کمالات کے ساتھ طب سے بھی دلچسپی پیدا کر لی تھی اور باقاعدہ مطب بھی کرنے لگے تھے۔

---

(۱) پرانے چراغ حصہ دوم صفحہ ۳۳۷

آخر میں لکھنو میں ان کا قیام محلّہ چکمنڈی میں رہا،(۱) اور وہیں وہ بیمار ہوئے، طبیعت گرتی چلی گئی جہاں سے وہ اپنے گھر واقع گوئن روڈ امین آباد لکھنو منتقل ہوگئے اور پھر ایک مختصر سی علالت کے بعد جس میں دوسروں سے خدمت لینے کی بھی ضرورت نہیں پیش آئی اور ان کا مزاج کسی طرح بھی خدمت لینے پر آمادہ بھی نہیں ہوا کرتا تھا اور وہ اپنا کام خود کرنے کے عادی تھے ۲؍جون ۱۹۷۰ء کو رحلت کر گئے، جنازہ رکھا تھا، دیکھنے والے صاف محسوس کر رہے تھے کہ اس کی تر وتازگی واضح دلیل ہے اس بات کی یہ حدیث نبوی شریف کے بڑے عالم اور اس کی تعلیم دینے والے کا جنازہ ہے کہ جس پر اس کی پوری زندگی حدیث وسنت کا مسئلہ مستولی رہا، تدفین ان کے آبائی قبرستان واقع دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں ایک بڑے مجمع کی موجودگی میں ہوئی، رحمہ اللہ تعالی وغفرلہ وادخلہ فی جنّٰت النعیم

اولاد

مولانا سید ابوالخیر برق حسنی محدث رائے بریلوی سے محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی تین اولادیں ہوئیں البتہ تینوں کا صغر سنی میں انتقال ہوگیا۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

بھائی مرحوم سے ان کی تین اولادیں ہوئیں دو بچیاں اور ایک بچہ سالم یہ سب شیر خوارگی ہی میں ان کو داغ مفارقت دے گئے۔(۲)

زندگی کا ایک خلا اور اس کا معنوی فائدہ

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار، الفت ومحبت، انس

---

(۱) محلہ چکمنڈی میں ان کی خدمت چودھری عبدالحلیم قریشی مرحوم نے اپنا شرف وسعادت سمجھ کر کی جبکہ وہ کسی طرح کی خدمت لینے کو تیار نہیں ہوتے تھے، چودھری صاحب ان کے تدین وتقوی اور عربی واردو کی فصاحت اور احادیث نبویہ نوک زباں رہنے اور اس سے عشق کا حال بیان کرتے تھے، وہ بھی نہیں رہے، رحمۃ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ اور اسی تعلق کے نتیجہ میں اپنی وصیت کے مطابق تکیہ کلاں رائے بریلی میں رمضان ۱۴۳۲ھ میں مدفون ہوئے، ان کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ کسی کا تذکرہ شروع کرو تو وہ مولانا ابوالخیر برق کا تذکرہ اور ان کے نصیحت آموز واقعات اور باتیں بتانے لگتے۔

(۱) رضوان خاص نمبر مئی ۱۹۷۶ء ص ۳۳

وتعلق، اور باہمی تعاون وہمدردی، تعلیم وتعلم کی تھی اور یہ ایک ایسا علمی جوڑا تھا جس کا وجود شاذ ونادر ہی ہوتا ہے، یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کو کسی کی نظر لگ گئی اور ایسے حالات پیدا ہوئے کہ دوسروں کے دباؤ اور اکراہ کے نتیجہ میں ظاہری طور پر ان دونوں کو علیحدہ ہونا پڑا گو باطنی طور پر دلوں میں یکجائی باقی رہی زبان سے نہیں تحریر کے ذریعہ علیحدگی ہوگئی، لیکن دونوں کے دلوں نے اس کو منظور نہ کیا البتہ ظاہری فراق نے دونوں کے دلوں کا قلع قمع کر دیا۔ البتہ اس کے نتیجے میں جو رحمت کے دریچے کھلے، اور جو معنوی فائدے ظاہر ہوئے اس کو امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے خون جگر سے جس طرح پیش کیا ہے اس کو پڑھ کر پتھر دل بھی موم ہو جائے، ان کے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس کے پس منظر اور بعد کی کیفیت پر جو روشنی ڈالی ہے وہ ملاحظہ ہو!

''ایسا پڑھا لکھا جوڑا ہمارے خاندان میں مشکل سے ہوگا لیکن ان کی قسمت میں ان معلوم ونا معلوم حکمتوں کی بنا پر جن کا علم خدائے علیم وخبیر ورحیم وکریم کو ہے اور کسی کو نہیں، لطف ومسرت کے یہ دن ۱۹۴۳ء کو ختم ہو گئے، اور ان کو وہ داغ پیش آیا جو ہندوستان کی شریف خواتین کے لیے عام حالات میں ناقابل برداشت ہوتا ہے، لیکن انہوں نے اپنی قوت ایمانی اور کسی قدر علمی مشغلے اور ذوق کی مدد سے اس کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ ان کی زندگی کا یہ موڑ ان کی ہزاروں ترقیوں اور سعادتوں کا ذریعہ بن گیا'' (۱)

اپنی کہانی اپنی زبانی

محترمہ امۃ اللہ تسنیم اپنا حال خود لکھتی ہیں:

''اب سے بیس برس پہلے کی بات ہے کہ مجھ پر دفعتاً ایسا سخت صدمہ پڑا جس سے میرے ہوش وحواس گم ہو گئے، میری عقل ٹھکانے نہ رہی، دنیا میری آنکھوں میں تیرہ وتار ہوگئی. مگر خدا کا شکر ہے کہ اس کی رضا وخوشی کے جذبہ نے میرے منہ پر مہر لگادی اور ناشکری

---

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر مئی ۱۹۷۶ء ص، ۳۳

وشکایت کا ایک حرف بھی میری زبان سے نہ نکلا لیکن آنکھوں سے مجبور تھی کہ وہ ایک سیل رواں تھا جو روکے نہ رک سکا، مگر آنکھوں کی اس حرکت پر خدا کی طرف سے کوئی گرفت بھی نہیں''۔

مجھ پر ایسا صدمہ پڑا کہ دن کو چین تھا نہ رات کو سکون، ساری رات آنکھوں میں کٹتی تھی اور پورا دن بے قراری میں بسر ہوتا تھا، دن رات اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے میں کٹ جاتے تھے، اسی میں مجھے روحانی لذت اور دل کو سکون حاصل ہوتا تھا۔

سب سے زیادہ جس نے میرے دل ودماغ پر اثر ڈالا وہ بات یہ تھی کہ میں اپنے پروردگار عالم سے شب وروز جو دعائیں کرتی تھی اور جس چیز کے لیے پوری امید کے ساتھ سوال کرتی تھی اور سمجھتی تھی کہ وہ وقت قریب ہے کہ میری دعاؤں کو شرف قبولیت عطا ہو اور میری منہ مانگی مراد ملے، لیکن اللہ کی مرضی اور اس کی مصلحت کہ امید کے خلاف وہ پیش آیا، جس کا تصور بھی نہ تھا، بس اس کے نتیجہ میں مجھ پر جو اثر پڑا وہ تحریر ادا نہیں کر سکتی، خوب جانتی تھی کہ دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں، یہ بھی سمجھتی تھی کہ دعا کے تین درجہ ہیں ایک یہ کہ فوراً شرف قبولیت عطا ہو اور منہ مانگی مراد مل جائے، دوسرے یہ کہ اس دعا کی بدولت کوئی آنے والی بلا یا مصیبت ٹل جائے۔ تیسرا درجہ یہ کہ وہ آخرت کے لیے ملتوی رکھی جائے اور وہاں اس کا بڑا ذخیرہ ملے، یہ بھی جانتی تھی کہ دعا بہترین چیز ہے، دعا مغز عبادت ہے، دعا رحمت کی کنجی ہے، دعا مصیبت کی سپر ہے اور وہ ضائع نہیں جاتی۔ لیکن یہ سب سمجھتے اور جانتے ہوئے بھی دل یہ کہتا تھا کہ اتنے مانگنے اور گڑگڑانے کے باوجود بھی مجھ کو اس صدمہ سے دوچار ہونا پڑا اور مجھ کو وہ پیش آیا جو میری توقع کے بالکل خلاف ہے۔

ایک آواز دل سے نکلتی تھی یا اللہ میں کیا چاہتی تھی اور کیا ہوا، دوسری آواز آتی تھی ''فَصَبْرٌ جَمِيلٌ''

ایک آواز آتی تھی یا اللہ میرا کیا حشر ہوگا، میرا مستقبل تو بالکل تاریک ہوگیا، دوسری آواز آتی تھی ''لا تقنطوا من رحمة الله'' ادھر یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ یہ مصیبت کیسے دور

ہوگی، اس کے ٹلنے کی تو کوئی صورت نہیں، ادھر یہ آیت شریفہ زبان پر جاری ہو جاتی، "اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْءَ" (کون ہے جو بے قرار کی فریاد کو پہونچتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور فرماتا ہے) اپنے دل کو سمجھاتی تھی کہ خدا تعالیٰ کو مجھ سے دشمنی نہیں، وہ ظالم بھی نہیں، وہ بڑا مہربان نہایت رحم و کرم والا ہے اور ماں باپ سے زیادہ شفیق و رفیق ہے، اگر چہ بظاہر میری دعائیں قبول نہیں ہوئیں اور اتنا مانگنے اور گڑگڑانے کے باوجود اس بلائے ناگہانی کا شکار ہوئی، لیکن کون جانے کہ یہی مصیبت آئندہ میری بھلائیوں اور فلاح و بہبودی کا پیش خیمہ اور یہی مصیبت میرے لیے ذخیرہ آخرت بھی ہو، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو کسی مصیبت میں مبتلا فرماتا ہے، کیا عجب ہے کہ میرا پروردگار عالم میری مصیبت کو بھی آئندہ کے لیے مفید سمجھ کر میری آہ وزاری اور گریہ وزاری کو گوارہ فرما رہا ہو اور وہ خواہش جس کے پوری ہونے کے لیے میں بیقرار ہوتی تھی، فریاد کرتی تھی، دعائیں مانگتی تھی، میرے لیے غیر مفید بلکہ ہلاکت اور بربادی کا سبب سمجھ کر رد فرما دی ہو۔ جیسا کہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

"عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"۔ سورہ بقرہ : ۱۵)

ترجمہ: شاید کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور شاید کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔)

میں نے مانا کہ میرا مستقبل نہایت تاریک ہے لیکن اس میں بھی ضرور کوئی مصلحت مخفی ہے، بس میرا بھروسہ اسی ذات واحد پر ہے جو حاضر و ناظر اور ظاہر پوشیدہ کا علم رکھتا ہے۔

اللہ اللہ! یہ دن میں نے کیسے گزارے اور راتیں کس بے چینی میں کاٹیں، اس کو میرا دل جانتا ہے یا میرا پروردگار۔

ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے
دن عیش کے گھڑیوں میں گذر جاتے ہیں کیسے

آخر کار زبان و دل کی خاموشی رنگ لائی، بے کسی و بیچارگی پر دریائے رحمت جوش میں آ گیا، ادھر رحمت حق جوش میں آئی، ادھر بے ساختہ زبان پر یہ جاری ہو گیا

رحمت حق آ گئی ہے جوش میں
سر اٹھا تسنیم آ جا ہوش میں

اب رحمت کے دریچے کھلتے ہیں.........سب سے پہلا کرم اللہ تعالی کی طرف سے یہ ہوتا ہے کہ خواب میں دعاؤں کی شرف قبولیت کی بشارت عطا فرما کر میرے بیقرار اور مضطرب دل کو سکون و قرار بخشا، پھر اس کے بعد تو وہ انعام مجھ پر ہوئے، جس کے لیے میری یہ عاجز زبان اس کے پورے شکر سے قاصر ہے۔

اللہ تعالی جس کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب پہلے سے مہیا فرما دیتا ہے، چونکہ اس قادر مطلق اور مصلحت خواہ کو مجھ سے کام لینا اور میری دل بستگی کی ایک صورت پیدا کرنا مقصود تھا کہ مجھ کو بچپن ہی سے عربی پڑھنے کا شوق عطا فرمایا اور اس تعلیم کے نتیجہ کو ایسے وقت کے لیے اٹھا رکھا تھا جو وقت اس کے لیے مناسب اور مفید تھا۔

اب جبکہ میرا دل غم سے پھٹنے لگا اور دنیا کی کوئی طاقت میرے دل کو چین نہ دے سکی تو اس کریم کارساز نے میری تسلی و تشفی اور دل بہلانے کی خاطر یہ صورت پیدا فرمائی کہ مجھ کو حدیث شریف کے ترجمہ کی اور انبیاء کرام کے قصے قرآن مجید سے اخذ کرنے کی خدمت عطا فرمائی، چنانچہ اسی کی مدد اور توفیق پر میں نے زاد سفر اور بچوں کی قصص الانبیاء کی داغ بیل ڈالی اللہ کی رحیمی و کریمی کے قربان جائیے! کہ ادھر تو دل بہلا اور ادھر کام بھی ہوتا رہا اور سال ڈیڑھ سال کی مسلسل اور لگاتار کوشش سے کام پورا ہو گیا۔

اللہ اللہ! یہ گنہگار بندی، یہ ناچیز ہستی اس انعام کے قابل تھی، جو جو انعام و اکرام

اور جو جو نوازشیں اس کی سرکار سے ہوتی چلی آ رہی ہیں۔

وا ہوگئے ہیں باب کرم تیرے واسطے
تسنیمؔ تجھ پہ آج تو فضل خدا ہوا

یہاں پر اتنا لکھ دینا ضروری ہے کہ اگر میں صبر سے کام نہ لیتی اور اس کی رضا پر اپنا معاملہ نہ چھوڑتی اور اپنی اس ضد پر قائم رہتی اور اڑ جاتی کہ میری خواہش ضرور پوری ہو، تو بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالی میری وہ خواہش پوری فرما دیتا، لیکن اس خواہش کے پوری ہونے کے بعد میں ان تمام نعمتوں سے محروم رہ جاتی، جو آج کل مجھ پر ہیں، پھر یہ کہ جس خواہش کے پوری ہونے پر میں بضد تھی، اگر وہ پوری ہو جاتی تو آج میں لامتناہی پریشانیوں کا شکار ہوتی، اس لیے وہ اندوہناک واقعہ درحقیقت میری زندگی میں ایک اہم ترین واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے جس نے میری زندگی میں ایک خلا تو پیدا کیا لیکن دوسرے بڑے خلا کو پر کیا، جس کے بغیر میری زندگی سونی تھی اور ایک بڑے خیر سے محروم تھی۔ یہ واقعہ میری زندگی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا" کی سچی تصویر ہے اور دوسروں کے لیے بھی سبق آموز۔

اب آخری دعا اور دلی آرزو یہی ہے کہ رب العزت مجھے اپنے شکر کی کما حقہ توفیق عطا فرمائے اور تمام عمر اپنی رضا و خوشی حاصل کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی ہمت افزائی عطا فرمائے اور باقی ماندہ زندگی امن و عافیت کے ساتھ گذار کر ایمان و اسلام پر خاتمہ فرمائے اور صالحین میں میرا اشمار فرمائے۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔(۱)

خدائے علیم و حکیم کی حکمت و مصلحت

جہاں تک ان کی ازدواجی زندگی اور اس کے بعد کے حالات اور ان کے صبر اور تسلیم و رضا کا تعلق ہے تو درحقیقت امۃ اللہ تسنیمؔ صاحبہ کی زندگی کے یہ تلخ لمحات جن کا ان کے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے تذکرہ کیا ہے، درحقیقت ان کی ایمانی، روحانی اور علمی ترقی کا بڑا ذریعہ بنے اور انہوں نے وہ مقامات طے کئے جو عموماً مردوں کا حصہ رہے ہیں،

---

(۱) امۃ اللہ تسنیمؔ صاحبہ کا یہ دل گداز مضمون ماہنامہ "رضوان" میں شائع ہو چکا ہے۔

جہاں تک اولاد کے ظہور میں آنے مگر باقی نہ رہنے کی بات کا تعلق ہے تو اس میں بھی خدائے علیم وحکیم کی حکمت ومصلحت اور رحمت کی عجب کارفرمائی نظر آتی ہے، جس میں ان کا اپنی بہن بھائیوں کا یہ مختصر کنبہ شریک نظر آتا ہے کہ جس بھائی کو اللہ نے اولاد عطا نہیں کی اس کو مجازی ومعنوی اولادیں عطا کیں، کہ تلامذہ ومسترشدین اور مستفیدین قائم مقام اولاد ہوئے، اور دوسری طرف کتابوں، تصنیفات اور علمی تخلیقات وتحقیقات سے ان کا معنوی گھر آباد ہوا اور جس کو اولاد سے نوازا تو اولاد بھی وہ عطا کی، جس کی ضیا پاشیوں سے ایک عالم منور ہوا، گو اپنی علمی صلاحیت اور دینی افتاد طبع اور جذبہ تعلیم وتبلیغ سے دینی رسائل انہوں نے بھی تصنیف کیے، مگر اس سے ان کی شناخت نہ ہو سکی، یہ دوسری مثال امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے بھائی مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی (والد مولانا سید محمد الحسنیؒ) اور بہن امۃ العزیز صاحبہ (والدہ مولانا سید محمد ثانی حسنی، مولانا سید محمد رابع حسنی ومولانا سید محمد واضح حسنی) پر صادق آتی ہے اور پہلی مثال جو مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ہے جو ان کی ان بہن امۃ اللہ تسنیم صاحبہ پر معمولی فرق کے ساتھ صادق آئی کہ ان کی اولاد تو ہوئی مگر ایام شیر خوارگی میں ہی وہ جدا ہوگئی۔ اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے اولاد ہوئی ہی نہیں۔ اللہ تعالی نے اپنی اس حکمت ومصلحت کا ایک آیت میں واضح اشارہ کرتے ہوئے ذکر کیا ہے:۔

"لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، يَخْلُقُ مَايَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ، اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَّيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ" (الآیۃ ۵۰ سورۃ الشوری)

ترجمہ: "اللہ کا راج ہے آسمانوں اور زمینوں میں، پیدا کرتا ہے جو چاہے، بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے یا ان کو دیتا ہے جوڑے بیٹے، اور کر دیتا ہے جس کو چاہے بانجھ، وہ سب کچھ جانتا کر سکتا ہے۔"

باب پنجم

علم حدیث سے اشتغال اور اس سلسلہ کی خدمات

امام نوویؒ کی ریاض الصالحین کا درس و مطالعہ اور ترجمہ ''زادِ سفر''

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کا علم حدیث سے اشتغال تعلیمی تدریسی، تصنیفی اور اس کے ذریعہ اصلاحی و تبلیغی حیثیت سے بھی رہا، وہ امام نوویؒ (متوفی ۶۷۶ھ) کی مشہور اور مقبول عام کتاب ریاض الصالحین کا درس دینے کا اہتمام فرماتیں، اور اس کے ساتھ انھوں نے اس کتاب کے ترجمہ کا کام بھی اپنے برادر اکبر حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ترغیب و تحریض پر شروع کردیا، جس کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ان کی طبیعت بے چین رہا کرتی تھی اور وہ بڑے حوصلہ کی خاتون تھیں ان کے پیش نظر بڑے بڑے منصوبے اور خاکے ہوتے، جس میں رنگ بھرنے کا کام باقی رہ جاتا، ان کے بڑے بھائی نے رنگ متعین کردیا اور انھوں نے یہ کام شروع کردیا، اور پھر ایسا انہماک بڑھا کہ انھوں نے بہت جلد اس مبارک کام کو تکمیل تک پہنچایا، تکمیل کے بعد انھیں خاص قسم کی فرحت محسوس ہوئی، جس کا اظہار انہوں نے کھل کر کیا کہ دوسروں کو بھی حوصلہ ملے ۔(۱)

(۱) مرحومہ کہا کرتیں تھیں صرف کام انجام دینا کافی نہیں کام سامنے بھی آنا چاہیے اس سے طاقت ملتی ہے اور حوصلہ بڑھتا ہے اور انسان اور زیادہ کام انجام دینے کے لائق بنتا ہے، راقم السطور کو یہ بات والدہ ماجدہ مرحومہ نے بتائی جو ان کی زیر تربیت پروان چڑھی تھیں، یہ بات انہوں نے مجھ سے تحریضا کہی تھی کہ میں کوئی تصنیفی کام جلد سے جلد انجام دوں مگر افسوس ان کی زندگی میں ایسا کوئی کام نہ پیش کرسکا کہ ان کا دل خوش کرتا۔

احادیث پر تعلیقات

''زادسفر'' کے نام سے ''ریاض الصالحین'' کا ترجمہ انھوں نے کیا اور ہر حدیث پر تشریحی عنوان لگا کر حدیث کی تشریح کی بھی خدمت انجام دی، اور جہاں عنوان سے پوری بات بنتی نظر نہ آئی تو انھوں نے مطلب ومفہوم کو بیان کرنا ضروری سمجھا اور اس طرح بعض احادیث پر تعلیق کی خدمت بھی انجام دی، دو حصوں میں یہ کتاب زادسفر کے نام سے ریاض الصالحین کے ترجمہ وتشریح کے طور پر ان کے بھانجہ مولانا سید محمد ثانی حسنی نے اپنے دارالاشاعت مکتبۂ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ سے دو جلدوں شائع کیا اور وہ بہت مقبول ہوا۔ ترجمہ کی سلاست اور تشریحی عناوین سے احادیث کی وضاحت سے عوام کا بھی حدیث شریف سے تعلق بڑھا اور جب یہ کتاب جدہ ریڈیو اسٹیشن سعودی عرب سے نشر ہوئی تو اور عام ہوئی، حدیث کے وہ مقامات جو تشریح طلب تھے وہاں ان کے قلم سے ایسی عام فہم تشریح نکلی ہے جس سے حدیث کے پیغام کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے جس کی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

تعلق ومحبت والی چند احادیث

حدیث محبت: جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالی اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبرئیلؑ پکارتے ہیں کہ اللہ تعالی فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین پر اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

صحیح بخاری ومسلم کی اس روایت پر ان کی تحریر ملاحظہ ہو، وہ لکھتی ہیں:

> ''اس مقبولیت کے آثار لوگوں کے برتاؤ میں، اخلاق میں فوراً ظاہر ہوتے ہیں، جن کو معمولی حس کا آدمی سمجھ لیتا ہے، لوگوں کی نگاہیں، تیور، انداز سب بدل جاتے ہیں اور دنیا اس کے لیے وہ دنیا نہیں رہتی جو ہمیشہ سے تھی، ایک عارف کا قول ہے کہ مجھے خدا کی محبت وناراضگی کا اندازہ اپنی سواری کے جانوروں اور ملازمین کے طرز عمل اور معاملہ سے ہوجاتا ہے

جب خدا خوش ہوتا ہے اور میرا معاملہ اس سے درست ہوتا ہے تو میرے سب تابعدار اور سعادت مند ہوتے ہیں ورنہ سب کی نگاہ اور تیور بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ (زادسفر۱۹۳/۱)

اظہار محبت والی حدیث جو حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے خود ان سے فرمایا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔

اور حضرت مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جب آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی سے محبت کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کو بتادے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اس کا فائدہ وہ اس طرح بتاتی ہیں:

''اس کا کھلا ہوا نفسیاتی اثر ہوتا ہے کہ اگر آدمی کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص مجھ سے محبت کرتا ہے اور میرا خیال کرتا ہے تو دل اس کی طرف کھنچنے لگتا ہے۔ (زادسفر۱۹۱/۱)

انصار سے محبت والی حدیث پر وہ لکھتی ہیں:

''انصار کی سچی محبت اور شیفتگی کا جوان کو رسول اللہ ﷺ سے تھی۔ اور ان کی شرافت و مروت اور خدمت کا یہی تقاضا ہے۔'' (زادسفر۱۸۹/۱)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ سے عمرہ کی اجازت چاہی اور آنحضور ﷺ نے دعاؤں میں نہ بھولنے کو فرمایا، اس پر ان کا نوٹ ملاحظہ ہو: وہ لکھتی ہیں:

''معلوم ہوا کہ دعا کے لیے دعا کرنے والا کا اس شخص سے افضل ہونا ضروری نہیں جس کے لیے دعا کی جائے''۔ (زادسفر۱۸۶/۱)

حدیث: الاَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا اِئْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اِخْتَلَفَ " پر وضاحت فرماتی ہیں:

''عالم ارواح کی اس ملاقات کا اس عالم اجسام پر اثر معلوم ہوتا ہے اور اسی سے بہت سے واقعات اور باتوں کی آسانی سے توجیہ ہو سکتی ہے، ایک شخص بغیر کسی رشتہ اور سابقہ معرفت

کے ایک ملاقات میں گھل مل جاتا ہے اور طبیعتیں ایسی مل جاتی ہیں جیسے ہمیشہ کی ملاقات اور محبت تھی اور دو آدمی اور دو بھائی بعض اوقات برسوں ساتھ رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے مانوس نہیں ہوتے اور ان میں الفت پیدا نہیں ہوتی''۔ (زادسفر ۱/۱۸۵)

حدیث شریف: ''اَلْمَرْءُ عِلٰی دِیْنِ خَلِیْلِه'' پر لکھتی ہیں:

''یعنی اس کا طور طریق اخلاق و عادات حتی کہ عقیدہ و مذہب اختیار کر لیتا ہے اس لیے دوستوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے'' (۱/۱۸۳)

حدیث شریف: ''مَنْ عَادٰی مَرِیْضًا اَوْ زَارَ اَخًا لَه فِی اللّٰهِ نَادَاه مُنَادٍ اَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّاْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''اس دولت اور اجر و ثواب سے لوگ بہت غافل ہیں، اللہ کے لیے محبت کرنے محض اللہ کی خوشی کے لیے کسی مسلمان کی ملاقات کے لیے چل کر جانے کا رواج روز بروز کم ہوتا جارہا ہے اغراض و خواہش نفس یا مادی فوائد کے لیے ملنا جلنا، ہنسنا بولنا، چلنا پھرنا رہ گیا ہے''۔ (۱/۱۸۲)

انسانوں کے قاتل کی مغفرت والی حدیث پر اس شخص کے تعلق سے لکھتی ہیں:

''اس اللہ کے بندہ کے دل میں پھانس کی کھٹک تھی جو اس کو بے چین کیے ہوئے تھی اس کا دل بالکل مردہ نہیں ہوا تھا، اس خلش اور جستجو نے اس کی مغفرت کا سامان کر دیا دل کی یہ پھانس اور خلش بڑی مبارک ہے، اس کے نہ ہونے سے ہزاروں محروم رہ گئے، اور اس کی وجہ سے سو بے گناہ بندوں کا قاتل خدا کی رحمت سے سرفراز ہوا''۔ (۱/۱۸)

اور اسی شخص سے متعلق ہجرت کی نصیحت کی حکمت بیان کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں:

جس مقام اور ماحول میں آدمی نے بے دینی اور گناہ و غفلت کی زندگی گزاری، اکثر اوقات اس ماحول میں اس سے اپنی اصلاح اور تبدیلی بہت مشکل ہوتی ہے، مقام کی تبدیلی، اچھے ماحول، اچھے عمل، اور اچھی زندگی کے لیے بہت مددگار ثابت ہوتی ہے، یہ بھی ہجرت کی

ایک مصلحت ہے، پھر توبہ کی قبولیت اور اثر کے لیے زبانی توبہ کے ساتھ عملی حرکت اور کچھ ایثار وکوشش بہت مفید ہوتی ہے۔ (۱۹/۱)

ضبط نفس صبر وتحمل

حدیث شریف: "الصبر عند الصدمة الاولی "پر ان کا نوٹ ملاحظہ ہو کہ:

"غم کی چوٹ کھاتے ہی جس نے خدا کا خوف اور اس کی رحمت اور ثواب کی امید میں صبر کیا وہ قابل تعریف ہے، ورنہ رفتہ رفتہ تو صبر آہی جاتا ہے اور زخم مندمل ہو جاتا ہے" (۳۴/۱)

نیک اعمال اور ان کی روح ایمان واحتساب

نیک عمل پر ان کا ایک اچھا نوٹ یہ ہے کہ

گناہ کا ارادہ کر کے باز رہنا بھی نیکی ہے۔ (۱۳/۱)

ایمان واحتساب سے متعلق لکھتی ہیں:

"یہی عمل کی روح ہے جس سے عمل زمین سے آسمان کو پہونچ جاتا ہے، اس کے بغیر اللہ کے یہاں عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں" (۳۵/۱)

ایک شخص نے وصیت کے لئے عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے غصہ نہ کرنے کی وصیت فرمائی دوبارہ عرض کرنے پر بھی یہی وصیت فرمائی اس پر وہ وضاحت فرماتی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ ہر شخص کے حالات اور ضرورت کے مطابق نصیحت وہدایت فرماتے تھے یہ صاحب غالباً غضبناک اور غصہ ور آدمی تھے ان کے لیے اسی تاکید کی ضرورت تھی" (۴۱/۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک ماتحت پر غصہ آیا اس نے آیت پڑھی "خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ" پڑھی حضرت عمر یہ آیت سن کر بال برابر آگے نہیں بڑھے اس کو وہ ان کی عبدیت کا اعلیٰ نمونہ قرار دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

"یہ ضبط نفس بلکہ بے نفسی اور قرآن مجید کی احترام کی اعلیٰ مثال ہے، سرے سے

غصہ نہ آنا اتنا بڑا کمال نہیں، مگر جوش غضب میں آیت قرآن سنتے ہی ٹھنڈا ہو جانا عبدیت کا اعلیٰ نمونہ ہے''۔(۴۲/۱)

حقوق العباد

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے خراب حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس موقع پر دو باتوں کی تاکید فرمائی کہ ''جس کا تم پر حق ہو وہ ادا کرنا اور اپنے حق کے ملنے کی دعا کرتے رہنا'' اس کے متعلق بڑی عالمانہ وحکیمانہ بات تحریر فرماتی ہیں کہ:

''دو چیزیں ہیں ادائے فرض ومطالبہ حقوق، اسلام میں ادائے فرض پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور موجودہ تمدن وسیاست میں مطالبہ حقوق پر، دونوں کے نتائج میں وہی فرق ہے جو لازماً ہونا چاہیے'' (۴۲/۱)

کذب بیانی کے نقصان کو اس طرح باور کراتی ہیں:

''معمولی معمولی روزمرہ کی باتوں میں چھوٹے چھوٹے جھوٹ بولنے سے اللہ کے دفتر میں جھوٹوں اور لاغیوں میں اس کا نام درج ہو جاتا'' (۴۳/۱)

بیع وشرا میں برکت پر روشنی ڈالتی ہیں:

''ایک چیز ہے روپے کی زیادتی اور ایک چیز ہے برکت، برکت یہ ہے کہ اس سے متمتع ہونے کا ان کو موقع ملے، روپیہ کام آئے، نیک عمل کی توفیق ہو'' برکت ختم ہو جانے کے تعلق سے کہتی ہیں ''یہ نہیں ہوگا'' (۴۵/۱)

موروثی ونسلی خصوصیات اور اس کے اثرات

''خِیَارُکُم فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُکُم فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوا'' پر لکھتی ہیں:

''خاندانی شرافت اور موروثی ونسلی خصوصیات منتقل ہوتی ہیں یہ کسی مذہب وملت کی خصوصیت نہیں، البتہ جہالت ان پر خاک ڈال دیتی ہے، دین کا صحیح علم حاصل ہو تو ان پر

جلا ہو جاتی ہے" (۵۲/۱)

توکل واعتماد علی اللہ

"پرندوں کی طرح دل" کی وضاحت اس طرح کرتی ہیں:

"یعنی ہلکے پھلکے دنیا کی فکروں سے خالی، خدا پر بھروسہ کرنے والے یا خدا کے خوف سے لرزاں وترساں جس طرح پرندوں کے دل ہر وقت چوکنا وہوشیار رہتے ہیں"۔(۵۶/۱)

پرندوں کے خالی پیٹ صبح کو جانے اور شام کو شکم سیر واپس آنے پر لکھتی ہیں:

"یعنی اپنے آشیانوں میں بیٹھی نہیں رہتیں اس سے نکلتی ضرور ہیں یہی اسلامی توکل ہے"۔(۵۷/۱)

رسول اللہ ﷺ نے کچھ سونا صدقہ کا گھر میں چھوڑ دیا تھا نماز کے لیے مسجد تشریف لے آئے، سلام پھیرتے ہی فوراً گھر گئے اور اس کی تقسیم کا حکم دیا اور فرمایا کہ مجھے ناپسند ہوا کہ اس کو رات گزارنے دوں، اس پر ان کا حاشیہ ہے کہ:

"اس پر بہت سے صحابہ اور اہل اللہ کا عمل تھا ان کو رات میں کل نہیں پڑتی تھی اگر گھر میں کچھ روپیہ ہو"۔

"اس پچھلے دور میں حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ اسی ذوق کے بزرگ تھے ایک مرتبہ سرشام کسی نے پانچ سو روپیہ نذر کیے، پس اعلان فرمادیا کہ حجرے کی دیوار گر رہی ہے مرمت کی جائے، بہت سے لوگ ٹوکر، مٹی اور پھاوڑا لیکر آگئے کسی کو کچھ دیا کسی کو کچھ دیا سب روپیہ اس طرح تقسیم کر کے قرار آیا"۔(۶۳/۱)

قرب بالفرائض اور قرب بالنوافل

قرب بالفرائض اور قرب بالنوافل والی حدیث پر اس کے مفہوم سے آگاہ کرتی ہیں کہ "جو قرب خداوندی اور محبوبیت فرائض ارکان دین، جہاد کی فرضیت کے وقت

جہاد، اسی طرح تبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے حاصل ہوتی ہے اس کو وہ قرب نہیں پہونچ سکتا جو نوافل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے''۔(۶۶/۱)

''فرائض اور نوافل دونوں کے اہتمام سے جو شان محبوبیت پیدا ہوتی ہے اس شان محبوبیت ومقبولیت عنداللہ کو وہ ان الفاظ میں ظاہر کرتی ہیں۔

''یعنی فانی بالذات باقی باللہ بن جاتا ہے اللہ کی غیبی طاقت اور مدد اس کے شامل حال رہتی ہے''۔(۶۶/۱)

''حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ'': پر نوٹ چڑھاتی ہیں:

''یعنی جنت کے حصول کے لیے بہت سے ایسے کام کرنے پڑتے ہیں جو انسان کو ناگوار اور طبیعت پر گراں ہیں اور جہنم کا سودا بہت سستا ہے اس کے لیے کسی مجاہدہ کی ضرورت نہیں اس کے اسباب سب نہایت دلچسپ اور خوش گوار ہیں''۔(۶۸/۱)

ایک حدیث کی روشنی میں لکھتی ہیں:

''عمل کی روح اور اس کی جان اللہ کے ثواب کی امید اور اللہ کے وعدہ کا یقین اور اس کی تصدیق ہے، چھوٹے چھوٹے عمل کو یہ چیز آسمان پر پہونچا دیتی ہے، اس کے بغیر بڑا عمل بے جان ہے''۔(ص۸۲/۱)

ایک شخص نے منت مانی کہ دھوپ میں کھڑے رہیں گے، نہ سایہ لیں گے، نہ بات کریں گے، نہ بیٹھیں گے، اور روزے رکھیں گے، رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے سے روکا، اس پر امۃ اللہ تسنیم مرحومہ یہ نوٹ چڑھاتی ہیں:

''ایسی بے فائدہ مشقت اسلام میں جائز نہیں، اللہ کا قرب اتباع سنت سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ محض جسمانی تعذیب اور نفس کشی سے، سایہ اگر اللہ نے مسلمانوں کے لیے نہیں پیدا کیا تو کیا کافروں کے لیے پیدا کیا ہے؟ (ص۸۹/۱)

ہر بدعت گمراہی ہے

"کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ" (کہ ہر بدعت گمراہی ہے)
اس حدیث کے متعلق وہ لکھتی ہیں:

"کسی ایسی چیز کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں شامل نہیں کیا ہے اور اس کا حکم نہیں دیا ہے، دین میں شامل کر لینا اور اس کا ایک جزء بنا دینا، اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لیے کرنا، اس کی کسی خود ساختہ شکل اور اپنے وضع کیے ہوئے شرائط و آداب کی طرح پابندی کرنا، جس طرح ایک شرعی حکم کی پابندی کی جاتی ہے بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اس میں کسی کی تخصیص واستثناء نہیں، جو اس میں سے کسی کو مستثنیٰ کرتا ہے، وہ گویا بقول حضرت مجدد الف ثانی کہتا ہے کہ:

"بعض بدعتیں گمراہی ہیں اور بعض ہدایت ہیں، اور یہ حدیث کی صریح مخالفت ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے" (۹۳/۱)

اچھائیاں اور برائیاں

اچھی راہ اور بری راہ نکالنے پر جو وعدے اور وعیدیں ہیں اس کی روشنی میں تحریر فرماتی ہیں:

"اچھی راہ نکالی یعنی ایسے کام کا آغاز کیا جس سے دین اور مسلمانوں کو نفع پہونچے اور دوسروں کو ہمت اور ترغیب ہو، مثلاً جہاد میں پیش قدمی، خیرات اور احسان میں سبقت وغیرہ، نہ کہ بدعات، جو دوسری قسم میں داخل ہیں اور وہ بری راہ ہے، جس کا وبال قیامت تک رہے گا"۔ (۱۰۲/۱)

حدیث: "مَنْ جَھَّزَ غَازِیًا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَّفَ غَازِیًا فِی اَھْلِہٖ بِخَیْرٍ فَقَدْ غَزَا" کا مفہوم واضح کرتی ہیں۔

"اس فضیلت اور ثواب سے اکثر لوگ غافل ہیں اگر کوئی راہ خدا میں جہاد، حج

تبلیغ، طلب علم میں گھر سے باہر ہو تو اس کے گھر والوں کی خبر گیری سے آدمی گھر بیٹھے شریک اجر ہو سکتا ہے''۔(۱/۱۰۵)

تغییر منکر کے تعلق سے لکھتی ہیں:

''اگر اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں سے نہ روکا گیا اور کرنے والوں کا ہاتھ نہ پکڑا گیا تو عام عذاب یا بد اخلاقی اور فساد کی عام وبا آجائے گی اور اس سے بھی وہ نہ بچیں گے جو الگ تھے اور روک تھام نہ کرتے تھے''۔(۱/۱۱۰)

چند حقائق

حدیث :''اِنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ''،الخ سے متعلق وہ رقم طراز ہیں:

''یعنی شریعت کے آنے سے پہلے لوگوں میں طلب احساس اور شرافت پیدا ہوئی تاکہ شریعت کے قبول کرنے کی اہلیت پیدا ہو(۱/۱۱۵)

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مقدمہ میں ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنے کی بات کہی اور فرمایا:

''اگر میں نے اپنے سننے کے مطابق اس کے بھائی کا حق اس کو دلوا دیا تو گویا اس کے لیے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ دیا ہے''

بخاری شریف کی اس روایت سے وہ یہ نکتہ پیش کرتی ہیں کہ:

''وہ یہ نہ سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے، وہ اب حلال ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ آپ کو ضرور معلوم ہو جاتا کہ حق دراصل کس کا ہے''(۱/۱۲۶)

رسول اللہ ﷺ نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ''اَلتَّقْوٰی

ھھُنَا“ اس پر وہ لکھتی ہیں: ”خوف خدا کا اصل مقام انسان کا دل ہے ریا کاری اور منافقانہ ظاہرداری سے کچھ نہیں ہوتا“ (۱۳۰/۱)

حدیث: ”مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ“ کے مفہوم کو اس طرح ادا کرتی ہیں: ”یعنی عمل کی کوتاہی کی تلافی نسب سے نہیں ہوسکتی، اور نسب عمل کا قائم مقام نہیں ہوسکتا“ (۱۳۴/۱)

اولاد کی تعلیم وتربیت

حدیث: ”مُرُوا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ“ الخ، کی روشنی میں وہ والدین کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

”اس میں مسلمانوں نے بڑا تساہل کر رکھا ہے، تعلیم کی خاطر مشکوک وعارضی کامیابی کی لالچ میں زدوکوب، زجر وتوبیخ سب روا ہے، لیکن نماز کے لیے اشارہ کرنا بھی گراں ہے، بچہ ایک دن مدرسہ نہ جائے تو سخت باز پرس ہو اور نماز فرض ہونے کے بعد بھی برسوں نماز نہ پڑھے تو پیشانی پر شکن تک نہ آئے اور کبھی اس کو ٹوکا نہ جائے، اکثر والدین نماز پڑھتے ہیں لیکن اولاد سے نماز کے لیے کہنا ضروری نہیں سمجھتے اور ان کے نماز نہ پڑھنے پر کوئی ناراضگی اور گرانی نہیں ہوتی“ (۱۵۷/۱)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے نواسہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو صدقہ کا کھجور نہیں کھانے دیا، منھ میں رکھ لیا تو اس کو اگلوایا اور فرمایا کہ ”کیا تم نہیں جانتے کہ صدقہ کا مال ہم نہیں کھاتے“ اس پر وہ لکھتی ہیں کہ:

”یہی شفقت ومحبت نہیں ہے کہ بچے کو اچھا کھلائے پہنائے، بڑی محبت یہ ہے کہ ناجائز ومشتبہ چیز سے بچائے۔ (۱۵۶/۱)

کسی تحفہ کو حقیر نہ سمجھنے کی نبوی نصیحت کی حکمت بیان کرتی ہیں: ”بعض اوقات بڑے اور خاص تحفے کے اہتمام میں برسوں گزر جاتے ہیں اور اس کی توفیق نہیں ہوتی۔ (۱۵۹/۱)

اہل بیت کا مقام

اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے حقوق کی رعایت اور ان کی تکریم سے متعلق احادیث کی روشنی میں وہ تحریر فرماتی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کی محبت میں آپؐ کے حقوق کی ادائیگی کے خیال سے اجر وثواب کی طمع میں اہل بیت کا اکرام دینی وروحانی برکات کا سبب ہے"۔(۱/۱۷۶)

مہاجر صحابہ کی فضیلت

امامت میں رسول اللہ ﷺ نے علم، قراءت، سنت میں بڑھے ہوئے کو زیادہ حقدار قرار دیا ہے، ایسی صورت میں کہ ان صفات میں سب برابر ہوں تو ہجرت میں جو مقدّم رہا اس کو آگے کرنے کو کہا، مرحومہ تسنیم صاحبہ اس حکمت کی وضاحت اس طرح کرتی ہیں:

"ہجرت کرنے والا مسلمان غیر مہاجر سے علم، دین، ایمان، فہم وتفقہ اور فضیلت میں بہت بڑھا ہوا تھا جس شخص نے خالص دینی وروحانی ماحول اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور جلیل القدر صحابہ کی شب وروز کی معیت میں زیادہ زمانہ گزارا وہ یقیناً اس سے افضل اور امامت کا زیادہ مستحق ہے جو دارالحرب اور دارالکفر سے تازہ وارد ہے۔(۱/۱۷۶)

چند اہم ہدایات

حدیث:

"اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ ،اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ اَلْجنَّةُ"

ترجمہ: کہ سن لو! اللہ کا سودا بہت گراں ہے، سن لو! اللہ کا سودا جنت ہے۔

اس پر وہ تحریر فرماتی ہیں:

"یہ سودا راحت طلبی، اور تن آسانی کے ساتھ نہیں ہوسکتا اس کے لیے جدوجہد اور بعض اوقات خون پسینہ ایک کرنے کی ضرورت ہوتی ہے"

متاع وصل جاناں بس گراں است
گر ایں سودا بجاں بودے چہ بودے

(۲۰۴/۱)

وضو سے گناہوں کے زائل ہونے اور ظاہری طہارت کے ساتھ باطنی طہارت حاصل کرنے کی خاصیت بتاتے ہوئے لکھتی ہیں:

''ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک سب سے گناہ ہوسکتے ہیں، ناجائز چیز کی طرف ہاتھ بڑھانا، اس کی طرف پاؤں سے چل کر جانا، اسکو آنکھ اٹھا کر دیکھنا، ناجائز بات کو سننا،، ناجائز خوشبو سونگھنا، یہ سب ان اعضاء کے گناہ ہیں، جو وضو کے پانی سے دھلتے اور جھڑتے جاتے ہیں، البتہ اس کا یقین ہونا چاہیے کہ وضو میں یہ خاصیت ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا یہ خبر دینا کہ وضو میں یہ خاصہ ہے، برحق ہے اور وضو کرتے وقت اس کا شوق اور لالچ ہونا چاہیے کہ یہ جو صغائر صبح سے شام تک بے خبری میں جو ہوتے رہتے ہیں، وضو میں دھل جائیں اور ان گناہوں سے ہم وضو کر کے پاک وصاف ہو کر اٹھیں، اس نیت، خیال اور دھیان کے ساتھ وضو ہونا چاہیے اس طرح وضو میں خاص نورانیت پیدا ہو جائے گی''۔(۲۱۷/۱)

ایک حدیث کی روشنی میں مسلمانوں کے اصل مرض کی تشخیص کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''مسلمانوں کی بربادی فقر وتنگدستی سے نہیں ہوئی بلکہ دنیا کی محبت ودولت کی ہوس اور دنیوی زندگی میں بے حد انہماک اور خود فراموشی کی وجہ سے ہوئی، ہر زمانہ میں مسلمانوں کا اصل مرض یہی ہے''۔(۲۲۶/۱)

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی ''اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھو، بڑے درجہ والوں کو نہ دیکھو'' کے مطابق امت کے عمل کو نہ پا کر افسوس ظاہر کرتی ہیں:

''اس زمانہ میں عمل اس کے بالکل خلاف ہے، دولت اور اعزاز کے معاملہ میں اپنے سامنے بلند نمونہ رکھا جاتا اور اس کی ریس کی جاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی حالت خواہ

کتنی ترقی کر جائے حقیر ہی معلوم ہوتی ہے اور طبیعت ہمیشہ کڑھتی رہتی ہے۔(۲۲۹/۱)

حدیث : اَلَا اِنَّ الدُّنیَا مَلْعُونَةٌ ،مَلْعُونٌ مَافِیهَا اِلَّا ذِکْرُا للّٰہِ تَعَالٰی وَمَاوَالَاهَا وَعَالِمًا مُتَعَلِّمًا " کامفہوم واضح کرتی ہیں:

"دراصل جس چیز کی نسبت اللہ سے نہیں ہے وہ مردار ہے اور اللہ کی رحمت سے دور ہے، بالکل جیسے کوئی جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور جس چیز کی نسبت اور علاقہ اللہ سے ہو جائے اور اس کی رضا کی نیت ہو وہ سراسر عبادت اور رحمت ہے، دنیا کی تمام چیزوں کو اس پر قیاس کر لو، اگر محض پیٹ بھرنا، تن ڈھانکنا، عیش و آرام، فخر و غرور، جاہ و اعزاز مقصود ہے تو وہ اللہ کی رحمت سے دور ہے، اگر اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی اور طاعت سے عبادت کی قوت حاصل کرنا مقصود ہے تو عین طاعت و عبادت ہے، غرض دنیا کی جس چیز میں نور اور روح پیدا ہوتی ہے وہ اللہ سے تعلق اور نسبت کی بنا پر ہے، ورنہ ہر چیز بے نور و بے روح ہے"(۲۳۲/۱)

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ:

"جائداد نہ بناؤ تم کو دنیا کی رغبت ہو جائے گی"

اس حدیث نبوی کی حکمت بیان کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں:

"ایسی چیز سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو روکا ہے جس سے وہ دنیا میں پھنس جائیں اور جہاد و قربانی ان کے لیے مشکل ہو جائے، جائداد اور جاگیر کی یہی خاصیت ہے"(۲۳۳/۱)

اہل صفہ کا مقام

اہل صفہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے، ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا نہ گھر تھا نہ مال اور نہ کوئی سہارا تھا، جب رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ کا مال آتا تو آپؐ ان کو بھیجتے تھے اور اس کو نوش نہیں فرماتے تھے اور جب ہدیہ آتا تھا تو نوش فرماتے اور ان کو بھی شریک کرتے تھے"۔(۲۴۰/۱)

قناعت

اسلام کی توفیق کے ساتھ بقدر کفاف روزی اور اس پہ قناعت رکھنے والے کو اللہ کے رسول ﷺ نے خوش نصیب اور کامیاب شخص قرار دیا۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتی ہیں:

''اصل چیز جو زندگی کو تلخ اور دنیا کو دوزخ کا نمونہ بناتی ہے اور ہر وقت بے چین رکھتی ہے وہ دولت واعزاز کی بڑھی ہوئی حرص وہوس ہے جو کسی حد پر جا کر رکتی نہیں، حدیث میں جس کو دنیا کا عیش کہا گیا ہے وہ اس وقت لاکھوں انسانوں کو حاصل ہے مگر پھر بھی آرام نہیں کیونکہ آخری چیز قناعت نہیں'' (۱/۲۴۳)

حدیث وصیت

حدیث وصیت جس میں رسول اللہ ﷺ نے وصیت کرنے کی تاکید فرمائی؛ اس کی مصلحت وحکمت کو اس طرح بیان کرتی ہیں:

''اس لیے کہ موت کا کوئی اعتبار نہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ کچھ کہنے سننے کا موقع ملے گا یا نہیں، اس لیے اپنے اوپر جو کچھ قرض ہو، امانتیں ہوں، یا علاوہ میراث کے تہائی مال میں جو کچھ لینا دینا ہو وہ آدمی کے پاس لکھا ہوا رہنا چاہیے، مسلمان کو دوسرے کے مقابلہ میں اس وقت کے لیے زیادہ اور ہر وقت تیار رہنا چاہیے'' (۱/۲۷۲)

اسوۂ نبوی

رسول اللہ ﷺ دو بہتر کاموں میں آسان کو اختیار فرماتے تھے: اس کے ذیل میں محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ لکھتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالی نے اعلی درجہ کی سلامت روی اور سلامت فطرت عطا فرمائی تھی اور آپ کو امت کے لئے نمونہ اور مقتدی بنایا تھا، اس لیے آپ ﷺ دو کاموں میں سے جو جائز ہوں اور ان میں دینی حیثیت سے کوئی فرق نہ ہو ہمیشہ وہ کام اختیار فرماتے جو مقابلۃً زیادہ

آسان ہو یہ فطرت کی صحت اور مزاج کے اعتدال کی دلیل ہے، خواہ مخواہ کی مشکل پسندی اور بے ضرورت ٹیڑھا راستہ اختیار کرنا کج دماغی یا مزاج کی بے اعتدالی کا ثبوت ہے" (۲۹۲/۱)

زبان کی احتیاط

حدیث شریف: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ " سے قارئین کو یہ پیغام دیتی ہیں کہ:

"اس حدیث سے صاف ظاہر ہوگیا کہ انسان کو اچھی بات کہنا چاہیے جس میں کوئی مصلحت ہو اور جس سے کوئی بھلائی ظاہر ہو اور جب بھلائی ظاہر ہونے میں کوئی شک ہو تو خاموشی بہتر ہے اس لیے کہ سلامتی صرف خاموشی میں ہے"۔

احادیث سے مسائل کا استنباط

حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو کہ نابینا صحابی تھے ان سے پردہ کرنے کو ازواج مطہرات سے کہا گیا، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یہ تو نابینا ہیں نہ یہ ہم کو دیکھیں گے نہ پہچانیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم دونوں بھی نابینا ہو،، کیا تم ان کو نہ دیکھو گی۔"

"امۃ اللہ تسنیم مرحومہ اس سے یہ مسئلہ مستنبط کرتی ہیں کہ:

"اس سے معلوم ہوا کہ جیسے مرد کو نامحرم عورت کو دیکھنا حرام ہے اسی طرح عورت کو نامحرم مرد کا دیکھنا حرام ہے" (زادسفر جلد دوم)

حضرت ابو قحافہ والد سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے سر اور داڑھی کے بال برف کی طرح سفید تھے ان کو رسول اللہ ﷺ نے رنگنے کی اجازت دی لیکن سیاہ کرنے سے منع کیا، اس سے وہ یہ مسئلہ پیش کرتی ہیں کہ:

"مہندی کا خضاب سنت ہے جو خضاب بالوں کو سیاہ کردے وہ

درست نہیں'' (بحوالہ سابق)

حدیث شریف: کہ قیامت میں اللہ کے نزدیک لوگوں میں سخت ترین عذاب کے لائق مصور ہوں گے:

امۃ اللہ تسنیم مرحومہ اس کی روشنی میں لکھتی ہیں:

''وہ مصور مراد ہیں جو بت تراش ہیں، یہ کافر کے درجہ پر ہیں ان کو کافروں سے زیادہ عذاب ہوگا اس لیے کہ یہ اس گناہ کے موجد ہیں، دوسرے مصور فاسق کے درجہ پر ہیں، درخت وغیرہ کی تصویر بنانے والے نقاش ہیں'' (بحوالہ سابق)

اس حدیث پر کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں میں خرید وفروخت سے، گم شدہ چیز کے تلاش کرنے سے اور شعر پڑھنے سے منع فرمایا: وہ لکھتی ہیں:

''دنیاوی شعر اور تغزل اور دنیا داروں کے مدح کے شعر، البتہ نعتیہ اشعار اور مناجات وغیرہ کبھی کبھی پڑھ سکتے ہیں، مگر شعر خوانی کی جگہ نہ بنانا چاہیے'' (بحوالہ سابق)

جمعہ میں امام کے خطبہ کے وقت احتباء کی صورت میں بیٹھنے سے حدیث میں منع فرمایا گیا اس کی مصلحت بیان کرتی ہیں:

''احتباء کی صورت یہ ہے کہ آدمی دونوں رانیں پیٹ سے ملا کر رانوں اور پشت کو کپڑے سے باندھ دے یا ہاتھ سے پکڑے رہے، اس صورت میں بیٹھنا اس لیے منع ہے کہ اگر کپڑا یا ہاتھ چھوٹ جائے تو ننگا ہو جانے کا امکان ہے اور پھر اس سے نیند آسکتی ہے، جس سے وضو ٹوٹنے اور خطبہ فوت ہو جانے کا بھی امکان ہے۔''

حدیث: ''اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو فنا کر دے اور دوسرے ایسے لوگوں کو پیدا کردے جو گناہ کر کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے'' میں توبہ کی

ترغیب کے سلسلہ میں وہ لکھتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں لوگوں کو توبہ کی ترغیب دی ہے، ظاہر ہے کہ یہ حدیث سن کر کس کو توبہ کی ترغیب نہ ہوگی؟ دوسرے صحابہ پر خوف خدا اس قدر غالب تھا کہ دنیا ان کے لیے سوہان روح تھی، ان کو تسلی دی کہ جہاں اس کو قہار سمجھتے ہو وہاں رحیم وکریم بھی سمجھو، اس کی صفت رحمٰن ورحیم بھی ہے، یہاں ایک بات اور بتانے کی ہے، وہ یہ ہے کہ لوگ اس حدیث کو سن کر گناہ کی جرأت نہ کریں، کیونکہ قصداً گناہ کرنا سراسر نافرمانی اور سرکشی ہے، ہاں اگر غلطی سے گناہ ہوجائے تو پھر اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے، اس کو رحیم وکریم سمجھ کر سچے دل سے توبہ کرے یہی توبہ اللہ کو پسند ہے، کہ بندہ خطا تو کرے گا لیکن اس پہ نادم و پشیماں ہوکر ہم سے اپنی خطا کی معافی چاہتا ہے''۔ (۱)

علمائے وقت کا اعتراف

محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے دینی امتیازات، علمی کمالات، دعوتی وتصنیفی خدمات، تعلیمی وتبلیغی اثرات کا اعتراف علمائے وقت قائدین ملت اور دردمندان قوم نے کیا، یہاں ہم چند علماء کبار کے ان کے علم حدیث کی خدمت سے متعلق تاثرات پیش کریں گے تاکہ ہماری بہنوں کو احساس ہو کہ وہ اگر اپنا حوصلہ بلند کریں تو وہ دین کی خدمت کے ہر میدان میں مردوں کے شانہ بشانہ نظر آئیں گی۔

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے امام نووی کی ''ریاض الصالحین'' کا ترجمہ ''زادسفر'' کیا تو ترجمہ کے علاوہ توضیح کے لیے حواشی بھی لکھے، ان سے حدیث کا مطلب ومقصد اور مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوجاتی ہے، علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''جن سے حدیث کے مغزِ سخن تک پہنچنے میں ناظر کتاب کو بڑی آسانی ہوجاتی ہے۔''

(۱) ماخوذ از زادسفر حصہ دوم ص، ۲۴۸ مکتبہ اسلام سنہ طباعت ۱۹۹۷ء

اور بقول حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ:

''جن سے مطلب اور مقصد سمجھنے میں عام ناظرین کو مدد مل سکتی ہے۔''

ان دونوں جلیل القدر عالموں اور مصنفوں کی وقیع رائے صرف ان کے شرعی نوٹس کے تعلق سے نہیں ہے، ان عنوانات کے تعلق سے بھی ہے جو آپؒ نے ہر حدیث پر قائم کیے ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ترجمہ کی بھی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ''مترجمہ موصوفہ نے ترجمہ میں زبان کی سلاست اور روانی کا لحاظ رکھا ہے'' اور یہ دعا دی ہے کہ ''یہ کتاب اسلامی گھروں میں گھر گھر پھیلے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی اصلاح و تعلیم میں موثر و بابرکت ہو''۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس بات پر بڑی خوشی کا اظہار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''امام نوویؒ کی اس کتاب ریاض الصالحین کا ترجمہ اس گھرانہ نے کیا ہے جس نے سنت کی اشاعت اور بدعت کے ازالہ کا کام ایک صدی پہلے سے شروع کر رکھا ہے اور جن کے انوار و برکات ملک میں ہر جگہ نمایاں ہیں ''اَللّٰهُمَّ زِدْ فَزِدْ وَلَا تَنْقُصْ'' اس کتاب کا ترجمہ اس گھرانہ کے موجودہ چشم و چراغ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی ناظم ندوۃ العلماء اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی خواہر عزیزہ نے کیا ہے۔''

اور لکھتے ہیں کہ:

''ہماری نئی تعلیم یافتہ خواتین نے صرف ادبیات لطیفہ کو لکھنے تک اپنے قلم کا جولان گاہ بنایا ہے کہ مسلمان خواتین کی علمی و ادبی خدمتیں اس سے بھی زیادہ وسیع میدان کی طالب ہیں اور دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت کے کاموں کو بہت خوبی کے ساتھ انجام دے سکتی ہیں'' (۱)

مترجمہ موصوفہ نے بعض آیات قرآنی کا بھی مفہوم واضح کیا ہے جس سے ان کے اعلیٰ قرآنی ذوق کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(۱) از مقدمہ زادسفر

سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے حدیث شریف سے جو تعلق رکھا اس کی روشنی میں انھوں نے لوگوں کی تعلیم وتربیت میں مدد لی اور ان ہی کے زیر تعلیم وتربیت وہ خواتین پروان چڑھیں جو کسی مدرسہ میں تعلیم کے لئے نہیں گئیں، لیکن ان کے مدرسہ میں رہ کر علم دین کے زیور سے آراستہ ہوئیں اور خالص دینی مزاج کی حامل بنیں۔

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی کتاب زادسفر جس کے متعلق گزشتہ اوراق میں بہت کچھ ذکر کیا گیا ایسی مقبول ہوئی کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''وہ زادسفر جیسی مقبول کتاب کی مصنفہ ہیں جس کو حجاز کے ریڈیو اسٹیشن سے کئی بار نشر کیا گیا اور غالبا اس شرف میں کوئی ہندوستانی خاتون ان کی شریک نہیں''۔

باب ششم

سفر حجاز، حج وزیارت اور دربار نبوت کی حاضری

عورتوں کا جہاد حج ہے

حج کو اسلام میں جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی صاحب ایمان سے مخفی اور مستور نہیں، عارفین کا کہنا ہے کہ یہ ولایت کا مختصر راستہ ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے چند لمحات ہی مقرب بارگاہ ایزدی کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں، کعبہ مقدس پر محبت وعظمت بھری نگاہ، خودفراموشی، عاشقانہ حال اور ذاکرانہ قال لبیک کہہ کر سر نیاز تسلیم خم کرنا، یہ سب کچھ چند ساعتوں میں انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے اور اس کے ساتھ پھر یہ حال بھی طاری ہو جائے کہ دوسرے بھی اپنا سر تسلیم خم کر دیں اور عشق مولیٰ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیں، امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کا حال قال سب اللہ کی مرضی کے آگے وہی ہو چلا تھا جو ایک مخلص بندی کا ہونا چاہیے اور عورتوں کو تو حج میں جہاد کا بھی ثواب ملتا ہے اس لیے کہ ایک حدیث میں حج کو عورتوں کا جہاد کہا گیا ہے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جِهَادُكُنَّ الْحَجّ''(۱) تم عورتوں کا جہاد حج ہے۔ چنانچہ اب ان پر یہی فکر طاری اور یہی دعا سب دعاؤں پر حاوی تھی کہ کسی طرح وہ اپنے گھر سے بیت اللہ تک پہنچ جائیں اور ان کا نصیب پھر جاگے اور ان کی حاضری دربار نبوت کی ہو جائے اللہ نے اس کی سبیل پیدا کی۔

---

(۱) صحیح بخاری باب جہاد النساء

حج کا سفر، دعوتی و تبلیغی جدوجہد اور مستورات کی پہلی جماعت

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے دعوت و تبلیغ کے کام کا جس نہج پر آغاز کیا تھا ضرورت ہوئی کہ وہ ملک کے باہر بھی پہونچے اور دنیا کے خطہ خطہ میں جائے، کہ اس وقت لوگوں کے دلوں کو اللہ سے جوڑنے اور ملت کو ارتداد سے بچانے کا یہی ایک راستہ رہ گیا تھا۔ کچھ جماعتیں بلاد عربیہ گئی تھیں لیکن کام کا صحیح طور پر تعارف نہیں ہو پایا تھا۔ مولانا عبیداللہ بلیاویؒ نے جو کہ حضرت مولانا الیاس کاندھلوی کے معتمد علیہ اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے نمائندہ تھے وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر کام کے فروغ کے لیے یہ محسوس کیا کہ یہاں ایک ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو اہل علم کے حلقہ میں موثر انداز سے اس طریقۂ کار دعوت کا تعارف کرا سکے اور جس کا اثر یہاں کے نوجوانوں اور اہل علم و ادب اور اہل عقل و دانش پر پڑے اور ان کی توجہ کا سبب بنے۔ انہوں نے مرکز نظام الدین دہلی امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی خدمت میں اس تعلق سے پے در پے خطوط لکھے۔ جس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے لیے اشارہ تھا، بالآخر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے مشورہ سے اسی کو آخری شکل دی کہ مولانا اپنا پروگرام اس نوعیت سے ترتیب دیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رقم طراز ہیں:

> ''مولانا محمد یوسف صاحب کے اعتماد اور محبت اور مرکز سے میرے تعلق و ارتباط کا نتیجہ تھا کہ شعبان ۱۳۶۶ھ جون ۱۹۴۷ء میں مولانا محمد یوسف صاحب نے ان خطوط کی بنا پر جو جماعت کے ذمہ داروں کی طرف سے حجاز سے آرہے تھے اور جن میں میری آمد کی ضرورت کا اظہار کیا گیا تھا جس سے کہ علمی طبقے میں کام کے تعارف اور قبولیت کی توقع تھی میرا حجاز جانا طے فرما دیا''۔(۱)

---

(۱) کاروان زندگی ج ۱، ص ۳۱۹

مزید وہ رقمطراز ہیں:

''حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ) کے مشورے سے یہ طے پایا کہ میں حج و تبلیغ و دعوت کی نیت سے حجاز کے لیے شدرحال کروں، میں نے اپنے ساتھ والدہ صاحبہ اور اہلیہ کو بھی لے جانے کا فیصلہ کیا،(۱) حضرت شیخ الحدیث نے اپنی خداداد بصیرت اور وسیع تجربہ کی بنا پر فیصلہ کیا کہ میرے ساتھ کوئی ایسا گھر کا فرد اور رفیق سفر ہونا چاہیے جو مجھے خانگی انتظامات سے فارغ رکھے اور میرا ہاتھ بٹائے، تاکہ میں زیادہ سے زیادہ وقت اور توجہ اس مقصد پر صرف کرسکوں اس کے لیے میرے بڑے بھانجے مولوی سید محمد ثانی حسنی کا انتخاب ہوا جو میرے دینی و علمی کاموں میں دست راست اور قوت بازو اور عزیز ترین فرد خاندان ہونے کے علاوہ حضرت شیخ سے بیعت و تلمذ کا شرف رکھتے تھے اور تبلیغی کام سے ان کو نہ صرف مناسبت و واقفیت تھی بلکہ مولانا محمد یوسف صاحب کے خاص دوروں میں ان کی شرکت اور ان کا قرب حاصل رہتا تھا اس مختصر قافلہ میں ایک اور عزیز ہستی کا اضافہ ہوا وہ میری ہمشیرہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم (عرف عائشہ بی) مصنفہ ''زادسفر'' کی ذات تھی'' (۲)

امۃ اللہ تسنیم مرحومہ اپنے بھائی مولانا علی میاں ان کی اہلیہ، والدہ اور بھانجہ مولانا سید محمد ثانی حسنی کے ساتھ ۲۶ رجون ۱۹۴۷ء کو لکھنو سے روانہ ہوئیں، کراچی میں گیارہ دن یہ قافلہ ٹھہرا اور کراچی کے ایک مخیر تبلیغی تاجر حاجی عبدالجبار صاحب اور ان کے بھائی حاجی عبدالستار صاحب کا مہمان رہا اور کراچی سے ۱۹ رشعبان ۱۳۶۶ھ (۹ رجولائی ۱۹۴۷ء) کو مغل لائن کے اسلامی جہاز سے جدہ روانگی ہوئی یہ پہلا سمندری سفر تھا، یہ سمندری سفرنامہ

(۱) اس میں بھی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے منشاء کو دخل تھا جس کا اظہار خود حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ایک جگہ فرمایا ہے (م)

(۲) کاروان زندگی ج، اص، ۳۲۹

ان کے ایک مکتوب میں آگیا ہے جو انہوں نے مابین عدن وکامران اسلامی جہاز سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا ہے۔مکتوب کی تاریخ کاروان زندگی سے لی ہے جب کہ خط کی عبارت مکتوبات مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی مرتبہ مولانا حمزہ حسنی ندوی سے ماخوذ ہے۔

سمندری سفرنامہ

مکتوب گرامی ملاحظہ ہو ۱۵؍جولائی ۱۹۴۷ء

اسلامی جہاز مابین عدن وکامران سہ شنبہ

(شاید)۲۵؍شعبان ۱۳۶۶ھ

برادر صاحب ومخدوم ومعظم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو اور تمام اعزہ بخیریت ،الحمد للہ ہم سب لوگ راحت وعافیت سے ہیں ۶؍جولائی ۱۹۴۷ء ۱۶؍شعبان کو کراچی سے روانہ ہوکر رات کسی وقت عدن سے گزرے پہلے حساب اور اندازہ سے ہم کو جدہ پہنچ جانا چاہیے تھا مگر سنا جاتا ہے کہ سات روز ہمارا جہاز طوفان میں رہا،کراچی سے روانہ ہوتے ہی سخت تلاطم ملا، جہاز پر سوار ہوتے ہی کھانا کھایا تھا ساتویں روز جاکر ہم نے تھوڑا کھانا کھایا،ایک ہفتہ طبیعت بدمزہ اور کھانے سے سخت متنفر رہی ،صرف موسمبی اور ترشیوں پر اکتفا کی ،کسی وقت چند ہلکے بسکٹ کھائے ،کئی روز کے بعد چنے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر کھائے۔ڈیک (Deak) کے تین کھانے ہیں وہ تو اس سفر میں صرف جہاز پر سوار ہوتے ہی لیے تھے پھر نہیں جانتے کہ وہ کیا ہوئے ہیں ،فرسٹ کلاس کے دو کھانے انواع واقسام کے کئی وقت جوں کے توں واپس ہوئے ، چائے اور ناشتہ بھی واپس ہوتا رہا،اب ہم سب لوگوں نے اچھی طرح کھانا شروع کیا ہے

اور طاقت آئی ہے، سب سے زیادہ اثر ہم پر رہا، بی بی (۱) شاید سب سے اچھی رہیں۔ دو تین روز سے سمندر میں سکون ہے اور بحر احمر تو چٹائی کی طرح معلوم ہوتا ہے، اس وقت، ۱۱۔۱۲ کے درمیان کا وقت ہے، دونوں جانب سرزمین محبوب کے پہاڑ نظر آرہے ہیں اور ہم یمن کے ساحل سے دور دور سے گزر رہے ہیں، تمام مسافروں کے چہروں پر بشاشت ہے اور جہاز پر خاص چہل پہل نظر آرہی ہے، ہمارا جہاز بفضلہ تعالیٰ ایک متحرک تبلیغی مرکز بنا ہوا ہے، پانچ وقت ریڈیو پر اذان ہوتی ہے اور پورے اہتمام کے ساتھ فرسٹ کلاس کی وسیع لائبریری میں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے، روزآنہ ایک تبلیغی تقریر نشر ہوتی ہے دو روز سے عورتوں کے خصوصی اجتماع بھی ہو رہے ہیں جن میں بوبو (۲) زادِ سفر پڑھ کر سناتی ہیں اس وقت سمندر میں نہایت ہی نزدیک ایک پہاڑی آبادی نظر آرہی ہے، جس کے مکانات، مسجدیں صاف نظر آرہی ہیں، روزآنہ صبح تعلیم ہوتی ہے، مرادآبادی جماعت تبلیغ (۳) اور نظام الدین کے نمائندہ حضرات بڑی سرگرمی اور نشاط سے کام کرتے ہیں، ہمارے کیبن کے پاس شاہ جہاں صاحب فرید پوری وائس قونصل جدہ کا کیبن ہے، دیندار اور متشرع مسلمان ہیں، کہتے ہیں جہاز میں ایسی دینی فضا کبھی نہیں دیکھی، افسوس ہے ہم اپنے ضعف اور کسل کی وجہ سے پوری خدمت نہیں کر سکے، مولوی زین العابدین صاحب (۴)، حاجی فضل عظیم مرادآبادی (۵)، مولوی عبدالمالک صاحب (۶) اور ماسٹر فراست علی مرادآبادی بڑے سرگرم کام کرنے والے ہیں،

---

(۱) حضرت اپنی والدہ کو بی بی کہتے تھے (م) (۲) سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ (م)

(۳) حاجی فضل عظیم صاحب اور ان کے احباب مراد ہیں جو تبلیغ کے بڑے سرگرم لوگوں میں تھے اور مکہ مکرمہ میں ہی سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں وفات پائی، رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ مولانا عبدالمالک صاحب مرادآبادی مدینہ منورہ میں تاعمر رہے اور ان حضرات کے ذریعہ بہت سے خیر کے چشمے جاری ہوئے۔

(۴) مولانا مفتی زین العابدین لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ جو تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں تبلیغ کے ذمہ دار ہو گئے تھے۔

(۵) حاجی فضل عظیم مرادآبادی دعوت تبلیغ کے سرگرم کارکن تھے مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے تھے وہیں وفات پائی ان کے داماد الحاج انور شمسی صاحب اس تعلق کو تازہ رکھے ہوئے ہیں۔

(۶) مولانا عبدالمالک مرادآبادی مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور وہاں مسجد نبوی میں حفظ قرآن کے حلقات کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا، ذمہ دار حضرات نے اس کو پسند کیا، اس طرح الدال علی الخیر کفاعلہ کے مصداق ہو کر یہ ان کا صدقہ جاری ہوا۔

فرسٹ کلاس کے دو ٹکٹ ہونے کی وجہ سے ہمارے قافلہ کو بہت ہی آرام ہے، جہاز کی سب سے بہتر جگہ، ہوا منظر راحت کے لحاظ سے بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے حصہ میں آئی ہے اور محض خداداد ہے اس سے بہتر جگہ محنت اور سفارشوں سے بھی نہ مل سکتی۔

کل صبح چہار شنبہ کو کامران پہونچنے کی خبر ہے اور پرسوں جمعرات کو یلملم (۱) کے سامنے سے گزرنا ہوگا، چونکہ ہم کو پہلے مدینہ طیبہ جانا ہے اس لیے احرام باندھنا نہیں ہے۔ شاہجہاں صاحب اونٹوں کے انتظام کی کوشش کا وعدہ کرتے ہیں، مگر کہتے ہیں کہ رواج بہت ہی کم ہوگیا ہے، ملنا یقینی نہیں، جمعہ کی صبح انشاء اللہ جدہ پہونچیں گے، اگر تاریخوں میں تفاوت نہ ہوا تو رمضان مبارک کا چاند جدہ میں نظر آئے گا اور نصف رمضان تقریباً مدینہ طیبہ کے راستے میں اونٹوں پر گزرے گا، موسم گرم ہے دعا فرمائیے اللہ تعالی طاقت اور احتساب کی توفیق عطا فرمائے، اتنا سفر تو بڑی تن آسانی بلکہ تعیش کے ساتھ طے ہوا ہے جو ذوق وشوق علو ہمت اور حرص علی الخیر اس سفر کے لیے ہونی چاہیے وہ نہیں ہے اکثر وقت لیٹے لیٹے اور آرام کرتے اور کھاتے گزر جاتا ہے دہلی کی خانقاہ صابریہ کے سجادہ نشین صاحب کی چارپائی ملی ہوئی ہے وہ انگریزی کھانا منگواتے ہیں، ہم ہندوستانی مل کر کھاتے ہیں کھانوں کے انواع واقسام کا ایک ڈھیر ہوتا ہے، غرض مجاہدہ وایثار کا نام ونشان بھی نہیں، دعا فرمائیے اللہ تعالی اس سفر کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، بہت ہی بے حسی کے ساتھ یہ سفر ہورہا ہے۔

دہلی کے ریڈیو سے شام کو خبریں سننے میں آتی ہیں۔ وائرلیس سے تار یہاں سے جاتے ہیں اور جواب بھی آتے ہیں، کل سورت کے ایک صاحب نے سورت کے مفتی صاحب سے حج بدل کا مسئلہ تار کے ذریعہ پوچھا اس کا جواب سمندر ہی میں چلتے چلتے تار سے آیا، نو بجے رات کا پروگرام دو ایک روز پہلے مغرب کی نماز کا سلام پھیر کر سنا کرتے تھے، گرمی بڑھتی چلی جارہی ہے، بھابھی جان کو سلام، عزیزہ فاطمہ سلمہا خدیجہ سلمہا، سکینہ سلمہا اور

(۱) حرم شریف کی میقاتوں میں سے ایک میقات، اس سے اگر مکہ مکرمہ کا قصد ہے تو احرام باندھنا ضروری ہے۔

نوچشم میاں محمد سلمہ(۱) کو بہت دعا۔ مسلم (۲) رابع سلمہ (۳) پھوپھا جان (۴) کو سلام، حکیم صاحب (۵) الیاس بھائی (۶) اگر معین بھائی (۷) ہوں تو ان کو بھی سلام۔ (۸)

والسلام

علی

دس دن میں یہ قافلہ جدہ پہونچ گیا یہ دس دن جس طرح گزرے اس کا حال حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اپنی آپ بیتی ''کاروان زندگی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس سفر میں میں نے اپنی ضعیف والدہ اور ان کے ہمراہیوں اور خدام کے لیے راحت و آرام کے غیبی انتظامات اور تیسیر و تسہیل کے ایسے واقعات دیکھے جو اللہ تعالی کے لطف خاص کا نتیجہ معلوم ہوتے تھے۔ فرسٹ کلاس کے کیبنوں کے قریب لائبریری حال میں خواتین کا اجتماع ہونے لگا اس میں ایک مرتبہ ہمشیرہ صاحبہ (امۃ اللہ تسنیم مرحومہ) نے جن کے قلم سے ''ریاض الصالحین'' کا ترجمہ زاد سفر کے نام سے نکل چکا تھا کوئی مضمون پڑھ کر سنایا اس سے حج کو جانے والی خواتین و مستورات کے حلقہ میں ان کو عقیدت و احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ ہمارے کیبن سے ملے ہوئے کیبن میں بمبئی کے ایک بڑے میمن تاجر (جو کھلونوں کی تجارت کے بادشاہ تھے) حاجی احمد صاحب (۹) اپنے خاندان کے

---

(۱) مولانا سید محمد الحسنی مرحوم مکتوب نگار کے برادرزادہ متوفی رجب ۱۳۹۹ھ/جون ۱۹۷۹ء

(۲) الحاج سید محمد مسلم حسنی متوفی ۲؍صفر المظفر ۱۴۳۳ھ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے بڑے داماد

(۳) مولانا محمد رابع حسنی ندوی حال ناظم ندوۃ العلماء

(۴) حضرت مولانا کے پھوپھا سید محمد یوسف حسنی مرحوم

(۵) حکیم سید محمد اسحٰق حسنی رائے بریلوی

(۶) حاجی سید محمد الیاس حسنی حکیم سید محمد اسحٰق حسنیؒ کے فرزند تھے (والد جناب سید ابراہیم حسنی ندوی کویت)

(۷) حاجی معین الدھر جائسی ثم ہنسوی

(۸) سلام انہی افراد خاندان کو لکھا تھا جو لکھنو میں مقیم تھے

(۹) غالباً حاجی احمد غریب مرحوم مراد ہیں

ساتھ سفر کر رہے تھے ان کے پورے گھر کو بالخصوص ان کی اہلیہ اور والدہ صاحبہ کو ہمشیرہ سے ایسا ربط و تعلق پیدا ہوگیا، کہ وہ ہر وقت ان کی خدمت اور دل بستگی کی فکر میں رہتی تھیں اس خاندان کے کراچی منتقل ہو جانے کے بعد سالہا سال یہ رابطہ باقی رہا'' (۱)

سرزمین حجاز میں

سرزمین حجاز میں قدم رکھ کر اس قافلہ ایمانی کو جو سرور وانبساط حاصل ہوا اس کا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے یوں نقشہ کھینچا ہے:

''جدہ کی بندرگاہ پر قدم رکھتے ہی وہ سرور و کیف حاصل ہوا جو بہت سے خوش نصیبوں کو حرمین شریفین میں حاصل ہوتا ہے والدہ صاحبہ کی تو قلبی کیفیت و مسرت کا عجیب حال تھا ابھی چونکہ حج کے ایام بہت دور تھے اور پورے تین مہینے باقی تھے، اس لیے ہم نے یہ درمیانی مدت مدینہ طیبہ میں گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا، اس میں حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا صاحبؒ) کے ایماء و ذوق کو بھی دخل تھا، ہم نے رمضان المبارک کا چاند جدہ ہی میں دیکھا اور دو روزے بھی وہاں رکھے، یاد آتا ہے کہ میں اور عزیزی محمد ثانی حسنی چاندرات کو سحری کا سامان لینے بازار کی طرف گئے، ایک خونچہ والا ایک خاص لہجہ میں آواز دے رہا تھا ''تمر تمر یا صائم! تمر تمر یا صائم!'' اس وقت اندازا ہوا کہ بعض اہل دل پر شوق انگیز اشعار سننے پر کیسے وجد و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ دوسرا روزہ تھا کہ عین تراویح کے درمیان (جو میں ہی ایک کھلے میدان میں پڑھا رہا تھا) مدینہ لے جانے والی بس آگئی ہم لوگ اپنے ہمراہیوں (مرادآباد و میوات کے تبلیغی حجاج) کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ (۲)

مدینہ منورہ کا سفر

مدینہ منورہ کا سفر جدہ سے شروع ہوا، اہل قافلہ پر جو کیف و نشاط اور وجد طاری تھا

---

(۱) کاروان زندگی ص، ۱/۱/۳۳۱

(۲) کاروان زندگی ج، ۱ص، ۳۳۱، ۳۳۲

اس کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے یہ الفاظ کافی ہیں:

''ایک روز اور دوراتوں کے اس سفر اور راستہ کے ذوق وشوق اور کیف ومسرت کو الفاظ میں نہیں ادا کیا جاسکتا۔ یہاں پر اردو کے صرف دو شعر لکھے جاتے ہیں جو بے اختیار زبان پر جاری ہوگئے تھے۔

باد نسیم آج بہت مشک بار ہے   شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے
وہ اک بار ادھر سے گئے مگر اب تک   ہوائے رحمت پروردگار آتی ہے (۱)

قیام مدینہ پاک

مولانا فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کے قیام کے دنوں کا کیا ذکر کیا جائے کہ ع

ہر روز روز عید ہر شب شب برات

جگہ بھی بالکل مسجد نبوی کے زیر سایہ ملی۔ اور ع

گدا بسایہ دیوارِ شہ خفت است

کا خیالی مضمون حقیقت بن گیا'' (۲)

مولاناؒ مدینہ منورہ کے قیام میں گھر کی مستورات (والدہ صاحبہ، اہلیہ صاحبہ اور ہمشیرہ صاحبہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ) کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

''حجاز کے اس طویل قیام میں حضرت شیخ کی اصابت رائے اور دوراندیشی کا تجربہ ہوا کہ عزیزی محمد ثانی حسنی کی رفاقت نے مجھے بالکل فارغ البال کردیا وہ پانچوں وقت مستورات کو مسجد لے جاتے جہاں وہ مستورات کے حصہ میں نماز ادا کرتیں اور مواجہ شریف پر صلوۃ وسلام پڑھواتے، باب جبرئیل سے چند قدم پر قبلہ کی دیوار کے بالکل زیر سایہ شیخ الاسلام عارف حکمت بے کا مشہور کتب خانہ ہے، مخطوطات ونوادر کا بہت بڑا مخزن سمجھا جاتا ہے اس کے

---

(۱) کاروان زندگی ج، ۱ص، ۳۳۳

(۲) کاروان زندگی ۱/۳۳۲

مہتمم ایک ترکی النسل فاضل شیخ ابراہیم خربتلی تھے جو کچھ عرصے پہلے ہندوستان آئے تھے اور ندوہ اور دارالمصنفین میں چند دن قیام کیا تھا، بھائی صاحب، سید صاحب، (یعنی علامہ سید سلیمان ندوی) مولانا مسعود علی صاحب سے اچھے مراسم ہو گئے تھے انہوں نے ایک دن ہمارے پورے قافلہ کی دعوت کی، فرمایا کہ یہ کتب خانہ جس مکان میں ہے یہ مکان آپ کے جدامجد سید حسن مثنیٰ ابن سبط اکبر سیدنا حسن بن علیؓ کا مکان ہے اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے، آپ ایک رات یہاں رہیے، ہم لوگوں نے یہ کریمانہ پیش کش قبول کی، والدہ صاحبہ اوران کے ہمراہی زنان خانہ میں رہے مجھے اور محمد ثانی کو چھت پر جگہ ملی اس کے اور گنبد خضراء کے درمیان چند گز کا فاصلہ تھا ہم گنہگاروں اور دور افتادوں کے لیے اتنا قرب بھی غنیمت نہیں بلکہ نعمت تھا۔ ع

چہ مبارک سحر بود چہ فرخندہ شبے

ایک رات مولانا سید محمود صاحب کے اس مکان میں گزری جو احد کی شہادت گاہ سے متصل تھا وہاں سیدنا حمزہؓ کے مرقد مبارک کے قریب ترکوں کی جو بنائی ہوئی مسجد تھی (اور اب وہ مسجد وہاں سے ختم کردی گئی ہے) وہاں میں نے زادالمعاد کے اس حصہ کی تلخیص کی جو واقعہ احد سے متعلق تھا، میں بولتا تھا اور محمد ثانی لکھتے تھے"۔(۱)

مکہ مکرمہ کی طرف

حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں: "۲۰/ذی قعدہ کو یہ قافلہ حج قران کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ پہلی مرتبہ بیت اللہ شریف پر نظر پڑنے اور باب السلام سے حرم میں قدم رکھنے کی جو کیفیت ہوئی (بالخصوص ہمشیرہ مرحومہ کی) اس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جس کو وہاں کی حاضری نصیب ہوئی ہو"۔(۲)

(۱) کاروان زندگی ۱/۳۳۳،۳۳۴

(۲) کاروان زندگی ۱/۳۳۴

قیام مکہ

حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں: ''ایام حج تک قیام محلّہ شامیہ رباط ٹونک میں رہا جس کا حرم شریف سے خاصا فاصلہ ہے اور اونچا زینہ طے کر کے وہاں آنا جانا پڑتا تھا، والدہ صاحبہ ضعیف تھیں، لیکن قوت ایمانی اور ذوق وشوق، پیری میں جوانی کی طاقت پیدا کر دیتے ہیں۔ عزیزی محمد ثانی ان سب کو پانچوں وقت حرم شریف لے جاتے، طواف کراتے، میں دعوتی کاموں کی مصروفیت وملاقاتوں میں رہتا، ۱۴/ ذی الحجہ کو منی سے واپسی پر بس والے نے مکہ معظمہ کے حدود شروع ہوتے ہی اس قافلہ کو اتار دیا، معلوم نہیں وہاں سے کس طرح والدہ صاحبہ پیدل رباط ٹونک تک گئیں، زینہ طے کیا، اتر کر حرم شریف گئیں''۔(۱)

غیبی مدد

غیبی مدد کو حضرت مولاناؒ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے یہ مشکل اس طرح آسان کی کہ ایک حیدرآبادی دوست مولوی قربان محی الدین جو ۱۳۴۹ھ (۱۹۳۰ء) میں پریشان حال ہو کر لکھنؤ پہونچے تھے اور بھائی صاحب (مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی صاحب) نے ان کو گھر ٹھہرالیا تھا اور ان کی مدد کے خیال سے ان کو نقل وکتابت کا کچھ کام سپرد کر دیا تھا، رباط آئے، اور اصرار کر کے ہم لوگوں کو مدرسہ فخریہ عثمانیہ کی پرانی عمارت میں جو عین باب ابراہیم پر تھی اور جس کے وہ مہتمم یا نائب مہتمم تھے، لے آئے اور کتب خانہ جس ہال میں تھا وہ ہمارے سپرد کر دیا اس سے متصل ایک کمرہ تھا جو باورچی خانہ بن گیا اب بالکل گویا ہم حرم شریف ہی میں تھے۔ حرم کی صفیں (حجاج کی کثرت کی وجہ سے) اس کی دیوار سے آکر اس طرح مل جاتی تھیں کہ اوپر متصلاً جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی تھی، غرض حج کے بعد قیام کی طویل مدت جو تین مہینے سے کم نہیں تھی گویا حرم

(۱) کاروان زندگی ۱/۳۲۴، ۳۲۵

میں گزری اور وہیں سے جنوری ۱۹۴۸ء میں ہندوستان کے لیے روانگی ہوئی"۔(۱)

مولانا نے اسی مدد اور ہمدردی کرنے والوں میں مدینہ منورہ کے قیام میں مولانا سید محمود احمد مدنی برادر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ باب النساء کے بالکل سامنے مدرسہ علوم شرعیہ کے ایک دو منزلہ مکان مین ہم لوگوں کا قیام تھا، مولانا مدنیؒ کے چھوٹے بھائی مولانا سید محمود صاحب کی مہربانی سے یہ دو منزلہ مکان پورا ہم لوگوں کو ملا ہوا تھا۔ والدہ صاحبہ کی پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد نبوی ہی میں ہوتی تھیں"(۲)

تبلیغی رفقاء کی ہمدردی

حضرت مولاناؒ نے جن حضرات کے تعاون اور ہمدردی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے 'اس میں انہوں نے متعدد مقامات پر تبلیغی رفقاء کا ذکر کیا ہے 'ذکر خیر" میں لکھتے ہیں:

"تبلیغی رفقاء بالخصوص مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی اور مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری کی رفاقت ومعیت سے ہمارے قافلہ کو بڑی ہی راحت پہونچی۔(۳)

حج کی کیفیات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے حج کی کیفیت اپنی والدہ خیر النساء بہتر صاحبہ اور ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی ایک جملہ میں بیان کی ہے لیکن پورا سراپا کھینچ دیا ہے، والدہ صاحبہ کے متعلق اپنی کتاب ذکر خیر میں لکھتے ہیں:

عرفات میں والدہ صاحبہ سب سے الگ ہوکر برابر دعاومناجات میں مشغول رہیں(۴)

---

(۱) کاروان زندگی حصہ اول ص،۳۳۰۔۳۳۵(۲) ذکر خیر ص،۶۵

(۲) ذکر خیر ص،۶۵

(۳) ذکر خیر ص،۶۵

(۴) ذکر خیر ص،۶۵

اور خواہر محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ سے متعلق رقمطراز ہیں:

''حج میں خاص طور سے میدان عرفات میں بڑی مشغولیت اور دعا ومناجات میں وقت گزرا، ان کا حال عرفات کی دعاء ماثور کے الفاظ کی تصویر تھا: "انا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق (میں دکھیارا، محتاج، فریادی، پناہ چاہنے والا، لرزاں وترساں)(۱)

مولانا محمد ثانی حسنی جوکہ سفر میں ساتھ تھے اپنا مشاہدہ پیش کرتے ہیں:

''خدا اور رسول کی محبت اتنی زیادہ انھوں نے پائی تھی کہ پورا سفر جذب وشوق کے ساتھ کیا تھا جب وہ مکہ مکرمہ پہنچیں اور باب السلام سے داخل ہوتے ہی جب ان کی نگاہ کعبہ شریف پر پڑی تو آنکھیں نم ہوگئیں اور زبان سے پرشوق دعائیہ اور شکر وامتنان کے الفاظ نکلے اور بعد میں اشعار کہے جس کا پہلا شعر یہ ہے

اللہ کا گھر اور ہیں ہم ایسے گنہگار
یہ فضل ہے اس کا کہ کیا حاضر دربار ۲)

اور پوری نظم اس طرح ہے:

اللہ ترے در سے نہ جائے کوئی خالی

از: امۃ اللہ تسنیم صاحبہ

اللہ کا گھر اور ہیں ہم ایسے گنہگار — یہ فضل ہے اس کا کہ کیا حاضر دربار
دل ہوگیا مسرور جو کعبہ نظر آیا — سب کلفتیں ہوئیں دور جو کعبہ نظر آیا
کیا تم سے کہوں کون سا نقشہ نظر آیا — ہم جس کو ترستے تھے کعبہ نظر آیا
آنکھوں نے جو دیکھا ہے بیاں ہو نہیں سکتا — جو نقش ہے دل پر وہ عیاں ہو نہیں سکتا

---

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص ۴۳، مئی ۱۹۷۶ء

(۲) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص ۱۰۰، مئی ۱۹۷۶ء)

ہے پردۂ اسود پر جو تحریر سنہری   کعبہ کے گلے میں ہے وہ زنجیر سنہری
آؤ تو ذرا کعبہ کی قسمت کو تو دیکھو   اللہ کے گھر دین کی شوکت کو تو دیکھو
انعام اور اکرام کی بارش یہاں دیکھو   اللہ کے بندوں پہ نوازش یہاں دیکھو
ادائیگی ارکان کا جلسہ یہاں دیکھو   اللہ کے انوار کا جلوہ یہاں دیکھو
کوئی محو نماز اور کوئی مصروف دعا ہے   کوئی گرم طواف اور کوئی سجدہ میں پڑا ہے
سعی میں ہے سرگرم کوئی یاد خدا میں   مصروف تلاوت میں کوئی حمد وثنا میں
روتا ہے کوئی کعبہ کے پردہ سے لپٹ کر   مشغول بکا ہے در اقدس سے چمٹ کر
سجدے میں پڑے ہیں کوئی میزاب کے نیچے   کوئی روتے ہیں در پکڑے ہوئے باب کے نیچے
تسنیم دعا کر کہ یہ موقعہ ہے دعا کا   وہ باب کھلا ہے تیرے مولا کی عطا کا

اللہ ترے در سے نہ جائے کوئی خالی
محروم نہ ہو کوئی کہ یہ باب ہے عالی

اور جب حج وزیارت کے بعد رخصت ہونے لگیں تو غم فرقت میں یہ شعر کہے۔

سنسنا اٹھتے ہیں جو سنتے ہیں جانے کی خبر
لاکھ سمجھاتے ہیں دل ہاتھوں سے نکلا جائے ہے
آرزو ملنے کی ہے اپنے عزیزوں سے بہت
کعبۂ اقدس مگر کس دل سے چھوڑا جائے ہے

"دیار حبیب سے وصال کا شوق بڑھتا جارہا تھا اور جذبات پر قابو نہیں تھا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

پر تضمین کہہ ڈالی۔ وہ ملاحظہ ہو:

آرزو ہو میری پوری

آپ ہیں سلطان مدینہ آپ ہیں کانِ مدینہ
آپ ہیں جانِ مدینہ کیسی ہے شانِ مدینہ

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

آپ محبوب خدا ہیں اور حبیب کبریا ہیں
رحمتِ خلقِ خدا ہیں ظلمت شب کی ضیا ہیں

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

جامع صدق و صفا ہیں معدن لطف و عطا ہیں
منبع جود و سخا ہیں مشعل راہ ہدیٰ ہیں

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

شاق ہے مجھ پر یہ دوری کیسے دیکھوں شکل نوری
آرزو ہو میری پوری ہو مجھے قربِ حضوری

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

جب مدینہ میں حاضری ہوئی تو عرض کیا:

مری قسمت کہ میں دیکھوں دیارِ حضرتِ اقدس
مجھ ایسی بے حقیقت پر ہوا ہے فضل رحمانی

اور جب مدینہ پاک سے رخصت ہونے لگیں تو بادیدہ اشک بار اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

دل بے تاب کو تھامے ہوئے چلتی تو ہوں لیکن
دوائے دردِدل خاک مدینہ چھوڑ دوں کیسے

سفر سے واپسی کے بعد

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: ''اس سفر کا ذکر وہ مزے لے لے کر کرتی رہیں، ہم بھائی بہن جب جمع ہوتے تھے اور ہمارے بھانجے بھتیجے اور ان کے بچے بچیاں (اللہ سب کو زندہ اور سلامت رکھے) آکے بیٹھ جاتے تو اکثر اسی مبارک سفر کا قصہ چھڑ جاتا اور گویا نور و سرور کا ایک دفتر کھل جاتا۔(۱)

غرض کہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ حج وزیارت کر کے درد دل، توفیق عمل، جذبہ خدمت خلق اور ولولہ دعوت وتبلیغ کا ایک عظیم تحفہ لے کر واپس ہوئیں دین کا اتنا جذبہ ان میں بیدار ہو گیا تھا کہ اپنے تاثرات اشعار کی شکل میں ظاہر کرنے لگیں، کہتی ہیں:؎

تمنا ہے چمن اسلام کا پھولا پھلا دیکھوں
جدھر دیکھوں ادھر ایمان کو جلوہ نما دیکھوں
وہی اندازِ ایمانی وہی طرزِ ادا دیکھوں
وہی ہمت شجاعت اور وہی جود وسخا دیکھوں

مولانا محمد ثانی حسنی ان کی داعیانہ اور معاشرہ کی اصلاح سے متعلق حالات کا ذکر ان کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، ''وہ دنیا کا حال دیکھ کر کڑھتی تھیں اور بے اختیار کہہ اٹھتی تھیں'':؎

یہاں دن رات دنیا اور دنیا کی کہانی ہے

---

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص ۴۳، مئی ۱۹۷۶ء

نہ اب پاسِ شریعت ہے نہ شوقِ کامرانی ہے
کھنچے جاتے ہیں دل دنیا کی جانب جو کہ فانی ہے
نہ فکرِ عاقبت ہے اب نہ فکرِ جاودانی ہے

ان کی وہ آرزو پوری نہ ہو پاتی تو بے چین ہو کر کہتیں۔

کلیجہ منھ کو آتا ہے مگر کچھ بس نہیں چلتا
جو کہنا چاہتی ہوں کچھ تو کوئی بھی نہیں سنتا

کبھی مایوس ہونے لگتیں تو کہنے لگتیں۔

یہ حالت ایسی بگڑی ہے بنائے کچھ نہیں بنتی
بہت بے چین رہتی ہوں مگر اپنی نہیں چلتی (۱)

امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے اشعار میں جو درد و سوز، فکر و تڑپ اور ملت کے حال پر کڑھن نمایاں ہے، اللہ اور اس کے رسول کے عشق و محبت سے جوان کا خمیر بنا تھا اسی کا اثر ہے، اسی نے بے قرار کر کے ان کو اپنے گھر سے بیت اللہ پہنچایا اور دیارِ حبیب میں ٹھہرایا اور واپس آکر انھوں نے قرآن مجید اور حدیث نبوی کی تعلیم دینے اور دعوت و تبلیغ کے کام کی انجام دہی میں اپنے کو مصروف و مشغول رکھا، اور کسب حلال کے لئے تجارت کی سنت کو بھی اختیار کیا، اور بچیوں کی دینی و ایمانی تربیت کو بھی جاری رکھی، اس طرح جب تک وہ حیات رہیں ان پر دربار نبوت کی حاضری سے وہاں کا پیغام حاوی رہا اور اس مشن سے ان کی وابستگی، ذوق و عبادت اور شوق خدمت خلق کے ساتھ تادم آخر قائم رہیں اور حج کے اثر کو انھوں نے کمزور نہیں پڑنے دیا۔

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص ۱۰۲

باب ہفتم

ذوق ابتہال ومناجات اور ذات نبوی سے والہانہ تعلق

دعاؤں کا اعلیٰ ذوق

اللہ تعالیٰ نے امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کو ابتہال ومناجات اور دعاؤں کا اعلیٰ ذوق عطا فرمایا تھا، مسنون وماثور دعاؤں کے ساتھ انہوں نے اشعار کے ذریعہ اس میں قوت پیدا کردی تھی کہ ان کی طبیعت بے قرار رہتی اور اس کے ذریعہ اپنے رب سے مناجات کرکے وہ قرار حاصل کرتیں، انہوں نے حمد کے اشعار بھی کہے، جس کا ایک بند ہے ۔ع

تری ذات اعلیٰ صفات ہے ترا نام آب حیات ہے
تری یاد وجہ نجات ہے تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

اور ایک دوسرا شعر جس میں ان کا اپنے رب سے قوی تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ ۔

ہے جہاں میں تیرا ہی رنگ وبو، ہے بسا خیال میں تو ہی تو
ہے زبان قلب پہ ذکر ترا ، تری شان جَلَّ جَلَالُہٗ

مناجاتوں کا یہ مجموعہ باب کرم کے نام سے طبع ہوا، حمد کے بعد اس مجموعہ میں مناجاتیں شروع ہوتی ہیں جن کا آغاز اس شعر سے ہے ۔

الٰہی اپنی حکمت سے علاجِ دردِ دل کردے
تو مجھ بیمارِ غم کو صحت کامل عطا کردے

آخری مناجات ان کی اپنے فخر عہد بھائی اور عہد ساز شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی صحت سے متعلق ہے جو مسلسل آنکھوں کی تکلیف میں تھے، جس کا

ایک شعر ہے ؎

علی پر وہ نوازش ہو ملائک رشک کر جائیں
تری بندہ نوازی سے یہ ایسا مرتبہ پائے

مجموعۂ حمد و مناجات اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا تبصرہ

اس مجموعہ مناجات پر مقدمہ ان کے انہی بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا ہے، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ شامل کر دیا جائے، وہ اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''پیش نظر رسالہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ کی مناجاتوں کا مجموعہ ہے، امۃ اللہ تسنیم صاحبہ دینی حلقہ میں اپنی تصنیفات بالخصوص ''زاد سفر'' کے ذریعہ معروف ہیں، جو امام نوویؒ کی مشہور و مقبول تالیف ''ریاض الصالحین'' کا ترجمہ ہے اور اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

تسنیم صاحبہ کو لکھنے پڑھنے اور تصنیف و تالیف کا ذوق اپنے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی سے ورثہ میں ملا اور مناجات کا ذوق اپنی والدہ ماجدہ جناب خیر النساء بہتر صاحبہ سے ملا، جن کا مجموعہ مناجات ''باب رحمت'' عرصہ ہوا چھپ کر مقبول ہوا ہے اور اس کا خلاصہ ''کلید باب رحمت'' چھپا ہے اللہ تعالی نے تسنیم صاحبہ کو موزونیت طبع اور سلیقہ تحریر و تصنیف عطا فرمایا ہے جس پر ان کے وہ مضامین اور نظمیں گواہ ہیں جو بعض زنانہ رسالوں بالخصوص ''مسلمہ'' جالندھر و لاہور میں چھپ چکی ہیں اللہ تعالی نے ان کی والدہ کی طرح ان کو بھی سوز و گداز اور یقین و اعتماد کی دولت عطا فرمائی ہے، وہی دولت دعا کی محرک اور دعا کی روح اور اصل طاقت ہے، اللہ تعالی نے ان کے لیے وہ حالات و اسباب پیدا کیے کہ ان کا دل اس بارگاہ عالی کی طرف متوجہ ہوا اور دل کے تاثرات اور طبیعت کا اضطراب دعا و مناجات کی صورت میں ظاہر ہوا، طبیعت کی موزونیت نے اس کو نظم کا موزوں سانچہ عطا کر دیا، اور اس طرح خود ان کے لیے اور پڑھنے والوں کے لیے اس کی تاثیر بڑھ گئی۔

پیش نظر مجموعہ شعر و شاعری کو ایک نمونہ اور کسی ادبی حیثیت سے نہیں پیش کیا جا رہا

ہے، نہ وہ اردو کے وسیع وگراں قدر ادبی ذخیرہ میں اضافہ ہے، ایک ٹوٹے ہوئے دل کی صدا اور اپنے مالک ومولی سے عرض مدعا ہے، بایں ہمہ اہل دل کو بھی اور اہل ذوق کو بھی اس میں متعدد ایسے اشعار ملیں گے جو اپنی سادگی وتاثیر کی بنا پر ان کے دل پر اثر کیے بغیر اور ان سے داد لیے بغیر نہ رہیں گے مثال کے طور پر مناجات ذیل پڑھیے جس کا پہلا بند ہے۔

کب سے کھڑی ہوں یا رب امید کے سہارے
یہ دن نہ جانے میں نے کس طرح سے گزارے
بے چین ومضطرب دل جاکر کسے پکارے
وہ کون ہے جو حالت بگڑی ہوئی سنوارے
ہے باب یہ کرم کا خالی نہ پھیر یا رب
دینا اگر تجھے ہے پھر کیوں ہے دیر یا رب

اس کا دوسرا بند بھی بڑا موثر وسادہ ہے۔

کُنجِ قفس سے بد تر اپنا ہے آشیانہ
اس قید بے کسی میں گزرا ہے اک زمانہ
مغموم دل پہ یا رب لازم ہے رحم کھانا
کرتی ہوں میں شکایت تجھ سے یہ عاجزانہ
بارِ اَلم ہے دل پر طاقت نہیں ہے دل میں
کیوں کر ہو صبر مجھ کو ہمت نہیں ہے دل میں

اس کا یہ شعر کس قدر دردمندانہ و پرتاثیر ہے۔

کب سے لیے کھڑی ہوں میں کاسہ گدائی
اب تک ملا نہ مجھ کو اور شام ہونے آئی

اسی طرح سے آخری شعر بھی بڑا موثر اور سادہ ہے،

بندہ نواز میری منت کی لاج رکھ لے
میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے

بعض بعض شعر زبان اور ادبیت کے اعتبار سے بھی قابل ذکر وقابل داد ہیں۔
مثلاً:

چُپ چُپ پہ میری غیروں کے دل ہوئے پانی
اے ابر کرم تجھ پہ کچھ اس کا ہے اثر بھی

اسی طرح یہ مقطع ؎

مایوس ہے کیوں ، کس لیے آزردہ ہے تسنیم
ہوتی ہے جہاں شب وہاں لازم ہے سحر بھی

اسی طرح وہ نظم جس کا مطلع ہے ؎

زمانہ ہمیشہ بدلتا رہا ہے
مگر ہاں نہ ایسا کہ عالم نیا ہے

اپنی سادگی وسلاست میں ممتاز ہے۔

امید ہے کہ یہ مجموعہ گھروں میں دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا اور بہت سے دلوں کو اس میں اپنے جذبات کی ترجمانی اور اپنے مضطرب قلب کی تسکین کا سامان نظر آئے گا"۔(از مقدمہ باب کرم)

نواب چھتاری کا تأثر

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ان کے متعلق ماہانہ "رضوان" لکھنؤ کی خصوصی اشاعت کے لیے مضمون لکھا جو بعد میں پرانے چراغ حصہ دوم کی بھی زینت بنا، اس میں ان کے ذوق دعا و مناجات کے تذکرہ میں ان کے زبان دل سے نکلے ،اشعار بھی شامل کر دیے تھے اس سے متاثر ہوکر نواب چھتاری سعید الملک

سرحافظ احمد سعید خاں صاحب نے جو خط مولانا کو لکھا وہ بھی اہمیت کا حامل ہے، ملاحظہ ہو:

''جناب کا عطیہ'' ''پرانے چراغ'' تو عرصہ ہوا میں ختم کر چکا ہوں اور اب تاریخ دعوت و عزیمت قریب ختم ہے، یوں تو ''پرانے چراغ'' اردو ادب کے جوہر سے بھری ہوئی ہے، لیکن جتنا مجھے روحانی نفع آپ کی ہمشیرہ مرحومہ کے تذکرہ سے ملا، وہ میرے لیے بڑی نعمت ہے اور مجھے اس سے بارگاہ الٰہی میں التجاء کرنے کا طریقہ آ گیا، خاص کر چند اشعار جو تذکرہ کے اواخر میں ہیں، وہ ایک زخمی دل کی آہ ہیں، کہ جس سے دریائے رحمت جوش میں آتا ہے وہی قلب محزون کی آواز ہیں کہ جس سے باب رحمت کھلتا ہے اور وہی وہ فریاد ہے کہ جس کے واسطے ''اجابت از درحق بہر استقبال می آید'' ہے میری دراز عمر میں مجھے کئی ایسے موقع آئے ہیں کہ باری تعالی نے اپنے فضل و کرم سے راہ ہدایت دکھائی ہے، کبھی انتہائی شفقت کے ساتھ، ایک بار جبکہ میں لندن میں تھا ایسی تنبیہ فرمائی کہ مجھے اس خواب کی حالت میں یقین کامل تھا کہ وہ لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ تھا، میرا تمام جسم پسینہ میں بھیگ گیا تھا اور میں کانپ رہا تھا، آپ کا وقت ان پرانی کیفیات کی تفصیل لکھ کر ضائع کرنا نہیں چاہتا، لیکن میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے ''پرانے چراغ'' بھیج کر مجھے دعا کرنا سکھا دیا۔ جزاک اللہ (مورخہ یکم فروری ۱۹۸۱ء راحت منزل علی گڑھ)

ایک دوسرے خط میں وہ لکھتے ہیں:

جناب والا کی ہمشیرہ مرحومہ کی مناجات کا وہ شعر کہ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ''دعاؤں کی لاج نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے'' مجھے دعا کے وقت یاد آ جاتا ہے، خدا اپنے کرم سے باوجود میرے گناہوں کے میری لاج دنیا و آخرت میں رکھ لے (آمین)

آپ کا نیازمند احمد سعید

۱۷/ مارچ ۱۹۸۱ء (۱)

---

(۱) کاروان زندگی حصہ دوم ص، ۱۹۹، ۲۰۰

کتاب زندگی کا سب سے زریں باب ونورانی عنوان

یہ ذوق ابتہال ومناجات درحقیقت تسنیم صاحبہ کی زندگی کا وہ زریں باب ہے، جس نے ان کو ان بلند اور صاحب علم ومعرفت خواتین کی صف میں لا کھڑا کیا جو تاریخ اسلام کی گنی چنی خواتین ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ان کے اس وصف کو بڑے اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے وہ اس طرح لکھتے ہیں:

''ان کی کتاب زندگی کا سب سے قیمتی ورق اور سب سے نورانی عنوان ان کا درد دل، ذوق دعا، ان کے دل کی بے تابی اور ان کی آنکھوں کی اشک باری اور ان کے دن ورات کی آہ وزاری تھی، جو ظاہراً تو ان کی خصوصی زندگی کا نتیجہ تھی، لیکن حقیقۃً ان کے اظہار بندگی کے لئے سامان غیبی، اور ان کی ترقی اور رفع درجات کا بہانہ تھا یہاں پر دو شعر لکھے بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا۔

کب سے لیے کھڑی ہوں میں کاسۂ گدائی
اب تک ملا نہ مجھ کو اور شام ہونے آئی
بندہ نواز میری منت کی لاج رکھ لے
میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے

مناجات ہاتف

اسی ذوق ابتہال ومناجات اور دلسوزی نے ان سے وہ مناجات بھی شائع کرائی جو کسی مرد باخدا کی تھی اور شاید ان کا تخلص ہاتفؔ تھا اس کا مقدمہ خود انہوں نے لکھا، جو پیش خدمت ہے۔

''یہ مناجات جو میں ہدیہ ناظرین کرتی ہوں، بہت ہی مبارک اور مقبول ہے، اس کے روزانہ پڑھنے اور وظیفہ بنا لینے سے انسان کی زندگی بہت ہی امن وامان وراحت وآرام سے گذرتی ہے، اور کثرت سے اس کا تجربہ ہوا کہ کسی خطرہ یا کسی مصیبت کے، خواہ

زمینی ہو یا آسمانی، اس کو پڑھتے ہی پڑھتے ختم بھی نہیں ہو پاتی کہ وہ خطرہ اور مصیبت دور ہو جاتی ہے۔ مبارک اور مقبول کیوں نہ ہو، اللہ جل شانہ کے ننانوے اسمائے گرامی کو اس ترتیب سے اس مناجات میں لایا گیا ہے کہ اسم شریف میں جو صفت ہے اسی صفت کے مطابق دعا کی گئی ہے۔ پڑھنے والے خود اس کا مشاہدہ کریں گے، زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں، مثال کے طور پر چند شعر لکھتی ہوں ملاحظہ فرمایئے۔"

یا مَلِکُ اپنی خاص رحمت سے
دین ودنیا میں جاہ و ثروت دے

کر عطا یا سلام یا شافی
صحت و تندرستی کافی

یا الٰہی بہ شان فتّاحی
کھول دے غیب سے درِ روزی

سخت ہے یا حسیب روزِ حساب
بخش دے مجھ کو بے حساب وکتاب

کر عطا یا جلیل جاہ و جلال
اپنی رحمت سے کر دے مالا مال

اے مقدّم مجھے مقدّم کر دے
اپنی درگاہ میں معظّم کر دے

یا موَخّر رہوں نہ میں پیچھے
مورد لطف سب سے ہوں پہلے

عمل نا صواب کا میرے
منتقم مجھ سے انتقام نہ لے

یہ مناجات: افسوس ہے کہ عرصہ دراز سے بالکل غائب ہو چکی ہے، میرے بچپن

میں اس کے بعض نسخے تھے لیکن اب وہ بالکل ضائع ہو چکے ہیں کہیں ڈھونڈھے نہیں ملتے۔ مجھے یہ مناجات زبانی یاد تھی، خیال ہوا کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، لاؤ اس کو سپرد قلم کر کے ہدیہ ناظرین کر دوں، تا کہ اس سے میرے تمام مسلمان بھائی بہن فائدہ اٹھائیں۔ جن کو دعا کرنا نہیں آتی وہ اس مناجات کے ذریعے اللہ پاک سے التجا کر کے دنیا وآخرت کی بھلائیوں اور نعمتوں سے اپنا دامن مقصود بھر لیں۔ گذارش ہے کہ جو مسلمان بھائی یا بہن اس مناجات کو پڑھیں، وہ اپنی دعاؤں میں مجھے بھی فراموش نہ کریں،

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين ۔

محتاج دعا

امۃ اللہ تسنیم

دائرہ شاہ علم اللہ، رائے بریلی

ذات نبوی سے والہانہ تعلق

عشق نبوی ومحبت رسول وہ عظیم دولت ہے جس سے ایک انسان بڑی بلندیوں تک پہنچتا ہے اور اسی سے وہ درد وسوز پیدا ہوتا ہے جو کسی پل چین سے نہیں بیٹھنے دیتا اور بے کلی وبے قراری دین اور امت کے لیے اس قدر پیدا ہو جاتی ہے کہ اسے اپنے مسائل یاد نہیں رہتے پس وہ انسانیت کے لیے گھلتا رہتا ہے اس دولت کا بھی امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کو حصہ وافر مل گیا تھا، یہ ان کا وصف وامتیاز تھا کہ انھوں نے اس دولت کو چھپا کر رکھنا پسند نہیں کیا بلکہ اس دولت سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی، اللہ نے ان کو جو صلاحیت واستعداد قلمی ولسانی عطا فرمائی تھی اس سے کام لے کر انھوں نے اس دولت کو عام کیا، چنانچہ انہوں نے رحمۃ للعالمین سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت طیبہ آسان اردو زبان میں بچوں کے ذہن کو سامنے رکھ کر ''ہمارے حضور ﷺ'' کے نام سے لکھی، اور بعض

دوسرے انبیاء کے حالات پر چار حصوں میں قصص الانبیاء لکھی، اور تبلیغی اجتماع میں احادیث نبویہ کے سنانے اور سیرت پاک کے مطالعہ کی ترغیب دینے اور سنتوں کے اختیار کرنے کا شوق پیدا کرنے کے ذریعہ بھی انہوں نے اپنے درد وسوز اور عشق ومحبت کو دوسروں میں منتقل کرنا چاہا، ان کا یہ وصف ۱۲/۱۳ سال کی عمر میں ظاہر ہونے لگا تھا، جس کا اعتراف ان کے فخر عہد برادر خورد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ان الفاظ میں اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مجھ میں ان میں صرف چھ سال کی چھوٹائی بڑائی تھی، ہم ساتھ کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، میرے علمی، ادبی ذوق کے نشونما اور ترقی میں ان کا بھی حصہ ہے، انہیں کی وجہ سے سیرت، تاریخ اور نعت کے مجموعوں اور شعر وادب کی بہت سی کتابوں سے واقفیت ہوئی اور ان کی معیت اور نگرانی میں پڑھا اور لطف لیا۔ (۱۳۶۶ھ) (۱۹۴۷) میں حج کا ساتھ تھا، نو دس مہینے کی رفاقت رہی اور اس میں ان کی سیرت اور فطرت کے بہت سے تابناک گوشے اور کمالات سامنے آئے'' (۱)

عاشقانہ وفدائیانہ حال

رسول اللہ ﷺ سے تعلق ومحبت میں جو عاشقانہ وفدائیانہ انداز اور کیفیت تھی اس نے آنحضور ﷺ کی سیرت لکھوائی ہمارے حضور ﷺ کے نام سے یہ کتاب ان کے بھانجہ مولانا سید محمد ثانی حسنی نے شائع کی اور یہ کتاب بڑی مقبول ہوئی، اور مدارس کے نصاب میں بھی داخل ہوئی، اس پر پیش لفظ ان کے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے قلم سے ہے، مولانا نے اس میں تحریر فرمایا ہے:۔

''تسنیم صاحبہ نے ہمارے حضور ﷺ کے نام سے جو کتاب مرتب کی ہے وہ سیرت

(۱) کاروان زندگی حصہ دوم ۱۹۸

کے صحیح اور مستند واقعات پر مبنی ہے، زبان نہایت صاف اور شیریں ہے واقعات کا انتخاب بہت اچھا ہے انھوں نے چونکہ عقیدت وخلوص اور دلی جذبہ سے کتاب لکھی ہے، اس لیے موثر اور دل آویز ہے، یہ محض واقعات کی بے جان فہرست نہیں، بلکہ اس میں دینی و اخلاقی تربیت کا سامان بھی ہے، انہوں نے واقعات سے صحیح نتائج اور ان واقعات کے قابل غور پہلوؤں کی طرف توجہ بھی دلائی ہے"(۱)

مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں صاحب (سابق رفیق مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ وحال لکچرر شعبہ عربی لکھنؤ یونیورسٹی) اس کتاب کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں

"کتاب ہمارے حضور" ۱۶۸ صفحات میں ختم ہوئی ہے، یہ سیرت انہوں نے اس شگفتہ اور دل نشین انداز میں لکھی ہے کہ سیرت نبوی کے واقعات بچوں کے دل ودماغ میں آسانی سے اپنی جگہ بنا لیتے ہیں، اور ان میں سیرت کی بڑی کتابوں کے دیکھنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، اس طرح یہ کتاب مولانا سید سلیمان ندویؒ کی رحمت عالم سے قبل بچوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے"(۲)

نعت نبوی اور نذرانۂ سلام

جہاں تک نعتوں کا تعلق ہے، تو اس کے ذریعہ انہوں نے دوسروں کے دلوں کو آنحضور ﷺ کی محبت سے معمور کرنے کا کام لیا اور خود اس کیفیت کے اظہار سے اپنے قلب ودماغ کو فرحت بخشی، مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں (سابق رفیق مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ وحال لکچرر شعبہ عربی لکھنؤ یونیورسٹی) صاحب نے صحیح لکھا ہے:

"مرحومہ تسنیم صاحبہ کو اللہ تعالی نے جناب رسالت مآب ﷺ کی محبت میں نغمہ سنج ہونے، نعت کہنے کا ایک خاص سلیقہ بخشا تھا ان نعتوں اور مناجاتوں میں ان کے خلوص اور

---

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص ۶۸ مئی ۱۹۷۶ء

(۲) از مقدمہ کتاب

دردِ دل کی وجہ سے عجیب تاثیر پیدا ہوگئی ہے، بڑی بات یہ ہے کہ ان میں زبان پر زور دینے کے بجائے عرض مدعا اور گذارش احوال کی نیاز مندانہ کوشش کی گئی ہے، جس سے سادگی میں دلکشی پیدا ہوگئی ہے، حمد و نعت دونوں میں انہوں نے حد ادب کا خاص خیال رکھا ہے اور اس فن کے تقدس کو برقرار رکھا ہے۔(۱)

ان کی نعتوں کا مجموعہ موج تسنیم کے نام سے شائع ہوا جس کے اشعار سے ان کی اس خصوصیت کا اندازہ ہوتا ہے، نمونہ کے طور پر کچھ پیش خدمت ہیں:

سلام اے رحمت عالم، سلام اے نور یزدانی
سلام اے فخر آدم اور فخر نوع انسانی

سلام اے مالک کوثر، شفیع امت عاصی — سلام اے معدن لطف و کرم، محبوب سبحانی
سلام اے رونق کعبہ، سلام اے زینت طیبہ — سلام اے مظہر علم وہدایت، شمع ایمانی
چلا رحمت کا بادل کعبہ سے اٹھ کر مدینہ کو — مدینہ ہوگیا رشک چمن اور جنت ثانی
کھلی قسمت کہ کاشانہ بنا گنج رسالت کا — زمیں کے بخت جاگے، کی قبول اس نے جو مہمانی
ترے مسکن کے کوچہ کوچہ میں انوار کی بارش — سہانی صبح طیبہ ہے، شب طیبہ ہے نورانی
یہی ہے آرزو دل کی کہ میں اڑ کر پہنچ جاؤں — اور ایسی جاؤں کہ جاکر وہاں سے پھر نہ میں آؤں
انہیں کے روضہ اطہر کی فرش راہ بن جاؤں — گزاروں زندگی قدموں پہ ان کے اور مر جاؤں

مدینہ میرا مسکن ہو تمنائے دلی یہ ہے(۲)
وہی جائے سکونت ہو وہی پھر میرا مدفن ہو

اور دوسرے نعتیہ اشعار ہیں

رسول خدا خاتم المرسلین حبیب خدا شافع المذنبین

---

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص،۰۷، مئی ۱۹۷۶ء

(۲) بحوالہ سابق ص ۷۲-۷۳

مکمل ہوا جن پہ دین متیں   منزل ہے جن پر کلام مبیں
رموز الٰہی کے پیکر تھے وہ   خدا کے سوا سب سے بہتر تھے وہ (۱)

کچھ کا انداز اس طرح ہے۔

تھے جو صدیوں کفر میں مبتلا انھیں چند دن میں کیا رہا
جو کسی سے برسوں نہ ہوسکا وہ حضور کر کے دکھا گئے
کہیں بت کی پوجا تھی سربسر، کہیں آگ پجتی تھی بے خطر
کہیں پتھروں پہ جھکے تھے سر انہیں ایک در پہ جھکا گئے
صبح سعادت، مہر درخشاں ظلمت شب میں اختر تاباں
حسن سراپا نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
نور ہے جس کا سب سے اول، بعثت جس کی سب سے آخر
سب سے مؤخر سب پہ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم (۲)

اپنی دینی وخاندانی نسبت کے حوالہ سے کہتی ہیں:

تمہاری آل میں ایک خاکسار ہم بھی ہیں
چمن میں اک شجر خار دار ہم بھی ہیں
تمہارے امتی ہیں یہ شرف ہی کیا کم ہے
ہے اب یہ فخر کہ تم میں شمار ہم بھی ہیں
جو نسبت آپ سے دیتے ہیں شرم آتی ہے
کہ اپنے حال پر خود شرمسار ہم بھی ہیں

---

(۱) ایضاً، ص ۷۳
(۲) ایضاً، ص ۷۳

تمہاری آل میں ہونے کا جو شرف بخشا
رہین منت پروردگار ہم بھی ہیں
صبا جو تیرا گزر ہو تو عرض یہ کرنا
کہ حاضری کے لیے بے قرار ہم بھی ہیں (۱)

اس نعت کا بھی انداز نرالا ہے۔

دلکشی بھی رعب بھی مانند بدر وآفتاب
دونوں رخ شان جمالی اور جلالی دیکھنا
رافت ورحمت کے پیکر صاحب خلق عظیم
جس پہ ہے قرآں گواہ وہ خُلق عالی دیکھنا
جس نے دیں ایذائیں ان کے واسطے کی ہے دعا
قلب پاکیزہ رہا نفرت سے خالی دیکھنا (۲)

ان کی ایک نعت ''دیارِ حبیبؐ'' ہے جس کے بعض بندوں پر مسدس حالی کا دھوکہ ہو جاتا ہے اور ان کی قادر الکلامی کی واضح دلیل ہے۔

اک ایماں کی شمع اس نے جلا دی
کہ تاریک خطہ کو جس نے جلا دی
عرب کی زمیں نور سے جگمگادی
جو بگڑی تھی حالت وہ دم میں بنادی
گھٹا چھٹ گئی ظلمت شب کی ساری
ہوئے حق کے طالب بتوں کے پجاری (۳)

---

(۱) ایضاً ص ۴۷ (۲) ایضاً ص ۴۷

(۳) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر مئی ۱۹۷۶ء ص ۴۷

عاشقانہ انداز تعلق

یہی عشق وسوز تھا جس نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارک کے مقبول ترین مجموعہ ریاض الصالحین کے ترجمہ پر آمادہ کیا، ان کے اس کام کی اہمیت وخصوصیت اور ان کی اس میں عرق ریزی ودل سوزی کو ان کے بھانجہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے اس طرح بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

ان کے ترجموں میں اہم ترین ترجمہ احادیث کے مشہور مجموعہ ریاض الصالحین کا ترجمہ ہے، اس کتاب میں احادیث کا انتخاب تربیت، اخلاق وتعمیر، سیرت کے موضوع تک محدود رکھا گیا ہے، یہ انتخاب مشہور محدث وشارح مسلم امام نوویؒ نے کیا ہے۔ امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ نے اس کا ترجمہ دو جلدوں میں کیا جس کا نام زاد سفر رکھا جو مکتبہ اسلام سے کئی بار طبع ہو کر مقبول ہوئی۔ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے بھی اس کے معتد بہ نسخے خرید کر تقسیم کرائے۔ سعودی ریڈیو نے اپنی اردو سروس سے اس کتاب کی مترجم احادیث بالاقساط نشر کیں۔ مرحومہ اپنے اس تصنیفی کام کو آخرت کے لیے بڑا سرمایہ سمجھتی رہیں۔ امید ہے کہ یہ ان کے لیے عرصہ دراز تک صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔ مرحومہ نے اس کتاب کے ترجمہ میں بڑی محنت ودلسوزی سے کام لیا، کیونکہ نہ صرف یہ کہ معیاری عربی کا سوال تھا، جس کے لئے ماہرانہ علمی قابلیت کی ضرورت تھی، بلکہ معاملہ حدیث شریف کا تھا، جس میں بڑی امانت داری کی ضرورت تھی، چنانچہ انہوں نے اپنا یہ ترجمہ اولاً اپنے فاضل بھائیوں کو دکھایا اور پھر دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث مولانا شاہ محمد حلیم عطا صاحب کے پاس بھیج کر لفظ لفظ سنوایا، دونوں حیثیتوں سے تصدیق ہونے کے بعد مولانا سید سلیمان ندویؒ سے اس کے لیے مقدمہ حاصل کیا جس سے ترجمہ کی اہمیت کی تصدیق ہوتی ہے۔(۱)

مرحومہ نے طباعت میں بھیجنے سے پہلے جس احتیاط کا معاملہ کیا یہ ان کے ورع وتقوی

(۱) ملاحظہ ہو "یادوں کے چراغ" از مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مکتبۃ الشباب العلمیۃ لکھنو

اور عشق نبوی کی ہی بات تھی کہ کوئی بات ایسی نہ نکل جائے جو مرادِ نبوی سے مطابقت نہ رکھتی ہو، مرحومہ کے دوسرے بھانجہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (حال معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنو) نے بھی ان کے اس ورع واحتیاط کا تذکرہ کرتے ہوئے راقم کو بتایا کہ وہ خالہ صاحبہ انہیں مسودہ دیتیں اور وہ جا کر حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب کی خدمت میں پیش کرتے۔

ان کے مضامین سیرت بھی ہیں جو عموماً ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے انہوں نے لکھے اور وہ ''رضوان'' میں جس کی وہ شریک ادارت تھیں، شائع بھی ہوئے۔

شوق وصال میں ان کی ایک نعت ''آرزو ہو میری پوری'' کے عنوان سے ماہنامہ ''رضوان'' میں شائع ہوئی تھی جس کا آخری مطلع یہ ہے۔

شاق ہے مجھ پر یہ دوری
کیسے دیکھوں شکل نوری
آرزو ہو میری پوری
ہو مجھے قرب حضوری

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

اور دیار حبیب کے نام سے ایک نعت ہے جو مدینہ منورہ کے سفر کی مناسبت سے ہے جیبی سائز میں اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں، بلا کی تاثیر رکھتی ہے۔ اور عازمین حج ومسافرین طیبہ کے لئے بہترین زادِ راہ اور تحفہ کا کام دیتی ہے۔

باب ہشتم
تصنیفی اور دعوتی خدمات

زادسفر اور قصص الانبیاء

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کو علمی و تصنیفی طور پر زیادہ شہرت زادسفر کے ذریعہ ہوئی، ''مل گیا زادسفر مجھ کو سفر سے پہلے'' ان پر پورے طور سے حقیقی طور پر بھی اور معنوی لحاظ سے بھی صادق آتا دو جلدوں میں امام نوویؒ کی ''کتاب ریاض الصالحین'' کا ترجمہ سب سے پہلے کیا جو پہلی بار ۱۹۴۵ء میں مکتبہ اسلام سے شائع ہوا اور مقبول عام ہوا اور مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی پر بڑے دلچسپ و دل نشیں پیرایہ بیان میں مختصر مگر جامع کتاب ''ہمارے حضور ﷺ'' کے نام سے لکھی۔

دیگر انبیاء حضرت آدم، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت یونسؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے سیرت و حالات پر اپنے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی کتاب ''قصص النبیین (عربی) کی روشنی میں چار حصوں میں لکھی، یہ بھی بہت مقبول ہوئی اور مدارس کے نصاب میں داخل ہے، حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ قصص النبیین میں نہیں تھا جو کہ قصص الانبیاء اردو میں شامل ہے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

حضرت مصعب بن عمیرؓ کی سیرت و حالات پر بچوں کے لیے مفید کتاب لکھی جو اپنی الگ خصوصیت رکھتی ہے، اس کے مقدمہ میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ لکھتے ہیں:

جناب امۃ اللہ تسنیم صاحبہ اپنے وقت کی بڑی نیک سیرت اور علم وفضل میں ممتاز خاتون تھیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی خواہر تھیں، اور کئی کتابوں کی مصنفہ تھیں، ان میں سب سے اہم کتاب ''ریاض الصالحین'' از علامہ نووی کا ترجمہ ہے، جس میں جمع شدہ احادیث سے مسلمانوں کی زندگیوں میں بڑی تبدیلی آسکتی ہے اور آتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا کرے، کہ انھوں نے نوجوانوں کے لئے مصعب بن عمیر جیسے نوجوانوں کے حالات مختصراً اچھے پیرایہ میں پیش کئے، کہ خوب رو اور خوشحال نوجوان سے بدل کر ایمان اور عمل صالح کے سانچہ میں اس طرح ڈھل گئے کہ اپنے جسم کا آرام اور اپنی پوشاک کی خوبصورتی سب کو خیر باد کہا اور مرد مؤمن کا اعلیٰ کردار اختیار کیا، اور اللہ کی راہ میں شہادت پائی، رضی اللہ عنہ۔(۱)

مطبوعہ شعری مجموعے

(۱) باب کرم: مناجاتوں کا مجموعہ ہے جس کے آغاز میں حمد کے اشعار بھی ہیں۔

(۲) موج تسنیم: عشق نبیؐ میں ڈوبی ہوئی نعتوں اور مدحیہ اشعار کا گلدستہ جس کو پڑھ کر مردہ دلوں میں بھی آنحضرت ﷺ کی محبت موجزن ہوجاتی ہے ہر مسلمان مرد وعورت کے پڑھنے کے لائق ہے، لیکن یہ کتاب اب تک نایاب تھی۔

(۳) دیار حبیب مدینہ منورہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہلکے پھلکے اشعار جن میں ہجرت کا بھی والہانہ انداز میں ذکر ہے۔

دیگر قلمی خدمات

دیگر قلمی وتحریری سرمایہ میں اردو ادب سے متعلق کچھ مفید چیزیں اور بعض اہم مقالات اور اصلاحی مضامین ہیں، ان کے بھانجہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی لکھتے ہیں:

''مرحومہ نے جو زمانہ اپنی درمیانی عمر میں علمی وتحریری ذوق ودلچسپی میں گذارا، اس

---

(۱) از مقدمہ کتاب طبع ۱۴۳۳ھ ۲۰۱۲ء رائے بریلی

میں بھی ان کے عالی ذوق کا خاصہ ثبوت ملتا ہے، انھوں نے اس دور میں مضامین لکھے، نظمیں کہیں، انھوں نے ''بیت بازی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس کتاب میں انہوں نے مستند اساتذہ شعراردو کے کلام سے ایک انتخاب تیار کیا، جو چند بیت بازی کرنے والی خواتین کی زبان سے ایک ڈرامہ کی شکل میں پیش کیا ہے، یہ بیت بازی بیک وقت افسانوی لطف کی بھی حامل ہے اور تربیت ذوق شعری کا ایک اچھا ذریعہ بھی ہے، اسی طرح ''انجام بخیر'' کے نام سے انہوں نے رسالہ ''مسلمہ'' میں بالاقساط ایک سلسلہ لکھا جو بیک وقت ادبی چاشنی بھی رکھتا ہے اور اصلاحی اہمیت بھی، ان کا ایک دوسرا سلسلہ ''میری بے زبان استانیاں'' کے نام سے بالاقساط اسی رسالہ میں شائع ہوا جس سے ان کتابوں پر روشنی پڑتی ہے جن سے مرحومہ نے فائدہ اٹھایا اور ان کی علمی زندگی کی نمو میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ یہ غیر مطبوعہ مجموعے نیز مختلف پرچوں میں مرحومہ کے شائع شدہ مضامین نوجوان خواتین کی علمی واخلاقی تربیت کا اچھا سامان رکھتے ہیں''۔(۱)

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے صحابیات کے حالات پر بچوں کے لئے ان کی متعدد کتابوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''مرحومہ کے دیگر مطبوعہ تصنیفی کاموں میں بچوں کے لئے قصص الانبیاء، حضور ﷺ کی سیرت نیز صحابیات کے حالات پر بچیوں کے لئے متعدد کتابیں ہیں''(۲)

حضرت رابعہ

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنوان کی ایک کتاب کا تذکرہ فرماتے ہیں، اور لکھتے ہیں کہ:

''جب ادارہ تعلیمات اسلام (لکھنؤ) سے ان کی ایک کتاب ''حضرت رابعہ'' شائع ہوئی تو اس سے ان کی علمی اور ادبی صلاحیتوں کا اندازہ ہوا، پھر اس کے بعد متعدد کتابیں انہوں

---

(۱) یادوں کے چراغ، از مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مطبوعہ مکتبۃ الشباب العلمیہ لکھنؤ (۲) بحوالہ سابق

نے خود لکھیں اور ترجمے کئے''۔(۱)

رضوان کی ادارت

جب دسمبر ۱۹۵۶ء میں گوئن روڈ لکھنو سے مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی ندویؒ (ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں خواتین کے لیے ماہنامہ رضوان نکلنا شروع ہوا، تو اس کے ایڈیٹر مولانا سید محمد ثانی حسنی ہوئے اور معاون مدیر امۃ اللہ تسنیم صاحبہ ہوئیں، اس سے پہلے ''مسلمہ'' امرتسر، لاہور میں امۃ اللہ تسنیم صاحبہ اور ان کی بھتیجیاں مضامین لکھ کر بھیجتی تھیں اور وہ اس میں شائع ہوتے تھے، رضوان کے نکلنے کے بعد قلمی تگ ودو اس میں ہی صرف ہونے لگی، اور اس کے بڑے دوررس اثرات ظاہر ہوئے، سماج میں اصلاحات لانے اور گھر کا ماحول اسلامی بنانے میں اس رسالہ رضوان نے بڑا اہم رول ادا کیا، یہاں دو تاثر نقل کیے جاتے ہیں:

دو اہم تاثر

پہلا تاثر مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں صاحب کا ہے، وہ لکھتے ہیں:

مرحومہ نے قرآن کا ایک حصہ حفظ کر لیا تھا اور عربی کی تحصیل مولانا علی میاں صاحب سے کی تھی۔ اور اس میں اچھی استعداد پیدا کر لی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ اردو میں نعت و مناجات اس پائے کی کہتی تھیں جو عرصہ تک زندہ رہیں گی۔ اردو نثر بہت شگفتہ اور بے تکلف قدرت و مہارت کے ساتھ لکھتی تھیں جس کا نمونہ ان کے وہ مضامین ہیں جو ملک میں عورتوں کے رسالوں میں اور بیس سال تک ماہنامہ رضوان لکھنؤ میں نکلتے رہے۔ اس پورے عرصہ میں انہوں نے بڑی مستعدی اور لیاقت کے ساتھ اپنے لائق بھتیجے مولانا محمد ثانی حسنی صاحب کے معاون کی حیثیت سے رضوان کے روض و ریاحین کی چمن بندی کی۔

میں اپنے بچپن سے گاہے گاہے رضوان کا دلچسپی سے مطالعہ کرتا رہا ہوں اور

---

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص ۱۲۹/ ۱۳۰

مسلمان گھرانوں میں اس کی افادیت ومقبولیت دیکھتا رہا ہوں، میرا خیال ہے کہ ہندوپاک میں مسلم خواتین کے لیے نکلنے والے رسالوں میں شاید ہی کوئی رضوان کی نوعیت وافادیت کا حامل رسالہ ہوگا جس کے ذریعہ سے صحیح اور خالص اسلامی تعلیمات ومعلومات مسلم خواتین تک پہونچتی ہوں اور جوملت کی ماؤں بہنوں، بیٹیوں کی علمی ومعاشرتی تربیت مولانا حالیؔ، ڈپٹی نذیرؔ احمد اور راشد الخیریؔ کے انداز پر کررہا ہو، یہ رسالہ جب مالی بحران کا شکار ہوا تو مولانا علی میاں صاحب مدظلہ العالی نے اس کے لیے ایک ذاتی اپیل شائع کی جس میں اس کی اہمیت کا اس طرح اظہار کیا گیا تھا۔

"اس ضرورت کو محسوس کر کے کہ میرے گھرانے کے چند افراد نے دسمبر ۱۹۵۶ء سے رضوان رسالہ جاری کیا جس کو شروع سے اس وقت تک بہت سے دیندار اور باحمیت مسلمانوں کی تائید وسرپرستی اور بزرگوں کی دعائیں حاصل ہیں، مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ اس نے اپنے محدود دائرے میں رہ کر گذشتہ چودہ سال میں بڑا مفید کام انجام دیا اور اس کے پڑھنے والوں کو اس سے ایک ذاتی اور جذباتی تعلق پیدا ہوگیا، اس کے پڑھنے سے بہت سی عورتوں نے اپنی غلط زندگی سے توبہ کی اور اپنے بچوں کی دینی واخلاقی تعلیم کا انتظام کیا اور اس کو ایسے گھرانوں تک پہونچایا جہاں تک اس کی رسائی مشکل تھی، یہاں تک کہ ہندوستان وپاکستان کے علاوہ امریکہ اور یورپ نیز عرب اور افریقہ میں بسنے والے بعض ہندوستانی وپاکستانی مسلم گھرانوں میں وہ مقبول ہونے لگا، اس سے تعلق رکھنے والے بھائیوں اور بہنوں کی ہمت افزائی سے اس نے کئی خصوصی شمارے بھی نکالے جو بہت مقبول ہوئے اور بہت جلد نایاب ہوگئے۔(۱)

مرحومہ تسنیم صاحبہ اس قابل قدر رسالہ میں برابر کوئی نہ کوئی مضمون یا اپنی نعت ومناجات شائع کرتیں، ان کے معاشرتی اور اصلاحی مضامین کا تمام تر موضوع مسلم گھرانوں کی اصلاح ،عورتوں کی دینی وذہنی تربیت اور مغربی تہذیب سے نفرت اور مثالی مسلم خواتین کا تذکرہ ہوتا، یہ

---

(۱) بحوالہ رضوان جنوری ۱۹۷۱ء

مضامین چونکہ انشا پردازی کے خیال سے نہیں بلکہ اخلاص و دلسوزی سے لکھے گئے تھے اس لیے ان میں ایک خاص تاثیر ہوتی تھی اس کے ساتھ ہی ادب کی چاشنی اور شگفتگی بھی قائم رہتی تھی۔ (۲)

دوسرا تاثر ایک بڑے مخیرؔ اور متدین تاجر الحاج عبدالرحمٰن نورولی صاحب (۳) مکہ مکرمہ کا ہے وہ لکھتے ہیں:

"اللہ رب العزت نے مومنین کے لیے جو درجات اور مقامات رکھے ہیں وہی مومنات کے لیے بھی رکھے ہیں، مرد اگر صالحین سے ہے تو عورت بھی صالحات میں سے ہو سکتی ہے مرد اگر قانتین سے ہے تو عورت بھی قانتات سے ہو سکتی ہے مراد متصدقین سے ہے تو عورت متصدقات میں سے ہو سکتی ہے، غرض اس قرآنی بیان میں کسی کو شک و شبہ ہو نہیں سکتا، چنانچہ امۃ اللہ تسنیمؔ کو ان کی علمی اور دینی حیات صالحہ کی وجہ سے انہیں درجات میں شمار کرنا بے جا نہ ہوگا۔

اس ناکارہ کو اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں یعنی قریب پچیس سال قبل اس مرحومہ کے حلم اور ذہانت کا پہلا تعارف ان کی کتاب "زادسفر" ترجمہ "ریاض الصالحین" پڑھتے وقت ہوا تھا۔ مجھے ٹھیک یاد ہے اس وقت میں اپنی ناقص عقل کے ماتحت حیران تھا کہ احادیث کی اس مقبول عربی کتاب کا اردو ترجمہ کس طرح ایک عورت بھی کر سکتی ہے، سچ پوچھو تو کوئی عورت اس حد تک عالمہ فاضلہ ہو سکتی ہے اس کا علم بھی مجھے اس وقت ہی ہوا اور اس چیز سے متاثر ہو کر ہندوستان کے اپنے پہلے سفر سے واپسی پر "زادسفر" کے دو نسخے اپنے ساتھ حجاز لے آیا۔ اردو پڑھنے والی اکثر و بیشتر خواتین ان سے "رضوان" کے ذریعہ غائبانہ تعارف رکھتی تھیں بلکہ صرف تعارف ہی نہیں ان سے محبت و عقیدت بھی رکھتی تھیں "رضوان" پڑھنے والی ہزارہا

---

(۱) رضوان امۃ امۃ اللہ تسنیم نمبر ص، ۶۶، ۶۷

(۲) بحوالہ رضوان جنوری ۱۹۷۱ء

(۳) یہ نورولی خاندان گجرات ہندوستان کا ہے اور سعودی عرب میں سکونت اختیار کر لی ہے اس خاندان کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا میزبان رہا کرتا تھا۔

مائیں، بہنیں اور لڑکیاں صرف برصغیر ہندو پاک ہی میں نہیں بلکہ بیرونی ممالک میں بھی اس مرحومہ سے کافی متعارف ہو چکی تھیں ''رضوان'' ویسے تو ایک مختصر اور چھوٹا سا رسالہ ہے، مگر اس کی تحریر میں اخلاص اور صداقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، دینی، اخلاقی ومعاشرتی اور گھریلو زندگی کے لیے نہایت مناسب اور مفید مضامین پیش کیے جاتے ہیں اور وہ بھی نہایت سادہ اور سلیس اردو میں بالکل عورتوں ہی کی زبان میں داستان سرائی ہوتی ہے۔

جسے گھر کی مصروف خواتین بھی بڑی آسانی اور ذوق وشوق کے ساتھ پڑھ لیتی ہیں اور ایک بار یہ رسالہ پڑھنے کے بعد گویا اس کا چسکا اور عادت پڑ جاتی ہے، خود اس ناکارہ کے گھر کا یہی حال رہا ''رضوان بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا رہا، بدقسمتی سے یہاں اتنی دور اس کی وصولی کافی دیر سے ہوتی ہے، کبھی تو دو دو تین تین مہینے کے بعد دو تین پرچے اکٹھے مل جاتے ہیں اور اتنا انتظار پڑھنے والوں پر شاق گزرتا ہے، آخر احقر نے اپنے جدہ اور مکہ دونوں پتوں پر منگانا شروع کیا، تاکہ کسی ایک جگہ شاید اس کے پرچے جلد مل جائیں، سو کہنا یہ ہے کہ یہ ساری باتیں اور اس کے اشتیاق اور مقبولیت کی وجہ اصل میں اس اخلاص، تقوی اور خدمت خلق کے وہ جذبات تھے جو رضوان کی مرتبہ مرحومہ میں اللہ تعالی نے رکھے تھے، اور اسی لیے رضوان کی پڑھنے والیاں ان کی تحریر میں ایک طرح کی کشش اور تاثیر محسوس کیے بغیر نہ رہتیں۔

اللہ جل شانہ کی رحمت سے بعید نہیں کہ اسی ''رضوان'' ہی کی خدمات کے صلہ میں اللہ مرحومہ کی بخشش فرمادے، اس پرفتن زمانہ میں ایسی صالحہ کا وجود ہی غنیمت تھا اور ان کی جدائی کی کمی آنے والے کئی سالوں تک تمام نسوانی عالم میں محسوس ہوتی رہے گی۔

زمانہ ایسی نایاب اور کارآمد ہستیوں کا بدل دینے میں ہمیشہ قاصر رہا ہے ان کے نعم البدل کی امید رکھنا تو کجا، ان کا بدل بھی ملنا آج کہاں ممکن ہے۔

خیر احقر کی دعا ہے اللہ تعالی مرحومہ کو اپنی پرخلوص خدمات کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا کرے اور اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان کا ''رضوان'' حقیقی معنوں میں ان کے لیے جنت

میں رضوان بن جائے۔اللھم اغفرلھا وارحمھا والحقھا بالعابدات الصالحات ۔(۱)

ادبی ذوق

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ ان کے ادبی ذوق کا ذکر کرتے ہوئے ادارتی مصروفیات اور ذوق مضمون نگاری وشعروسخن کا ماہنامہ رضوان کے تناظر میں اس طرح تذکرہ کرتے ہیں جس میں اس کا پس منظر بھی آگیا وہ لکھتے ہیں:

''شادی اپنے ماموں زاد بھائی مولانا سید ابوالخیر صاحب حسنی مرحوم سے ہوئی جوایک عالم اور ادیب تھے امۃ اللہ صاحبہ کا یہ دور جو خاوند کی رفاقت میں گذرا،علمی لحاظ سے مضمون نگاری اور ادبی اشتغال کا دور تھا انھوں نے اس زمانہ میں بکثرت مضامین لکھے جو عام طور سے خواتین کے لیے اصلاحی ودینی موضوعات پر ہوا کرتے تھے، یہ مضامین اکثر وبیشتر رسالہ مسلمہ جالندھر میں شائع ہوا کرتے تھے، تقسیم ہند کے بعد جب یہ رسالہ پاکستان منتقل ہوگیا تو موصوفہ کا تعلق بھی اس رسالہ سے باقی نہ رہا لیکن جلد ہی ان کے بھانجے مولانا سید محمد ثانی حسنی نے مسلم خواتین کے لیے ایک رسالہ اپنی اور موصوفہ کی ادارت میں نکالنا شروع کیا جو الحمدللہ تاحال جاری ہے، یہ رسالہ ان کے تحریری وادبی ذوق کی کی تسکین کا باعث بنا،شروع شروع میں وہ اس سے خاص دلچسپی لیتی تھیں لیکن جیسے جیسے نگاہ کمزور ہوتی گئی یہ دلچسپی محدود ہوتی گئی ،البتہ مضامین کی صورت میں ان کا تعلق برابر اس رسالہ سے جاری رہا،مضامین کے ساتھ ساتھ نظموں اور مناجاتوں کا بھی سلسلہ رہا جو کتابچوں کی شکل میں علیحدہ سے شائع ہوئیں''۔(۲)

بعض ممتاز ونامور اہل علم وتحقیق کے تاثرات

مولانا نسیم احمد فریدی لکھتے ہیں:

''مرحومہ ایک مثالی خاتون تھیں اس دور کی دین دار خواتین کا جب ذکر آتا ہے تو ان کا ذکر ضرور ہوتا تھا اللہ تعالی ان کو جوار رحمت میں جگہ دے''رضوان'' مرحومہ کی ایک علمی اور مذہبی

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص،۱۱۳، ۱۱۵ (۲) ''یادوں کے چراغ'' مطبوعہ مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوۃ روڈ لکھنؤ

یادگار ہے اس یادگار کو زندہ و پائندہ رکھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے اس سے ان کی روح کو نشاط حاصل ہوگا اور ''رضوان'' کی اشاعت ان کے لیے صدقہ جاریہ بنے گی''۔(۱)

مولانا قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی بھی ان کی تحریروں کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

''فاضلہ محترمہ ہمشیرہ عزیزہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کے یکا یک حادثہ ارتحال کا حال اخبار ''الجمعیۃ'' میں پڑھا، مجھے اور سب اہل خانہ کو بڑا رنج و ملال ہوا مرحومہ سب گھر والوں میں متعارف تھیں ان کا ماہنامہ ''رضوان'' آتا رہا تھا اور بچیاں اور ان کی والدہ اس کو بڑے شوق سے پڑھتی تھیں اور فاضلہ مرحومہ کے مضامین نظم و نثر سے محظوظ ہوتی تھیں، انھوں نے اپنے قلم سے بھی دین و ملت کی بڑی خدمت کی اللہ تعالی ان کو جوار رحمت میں قیام کرامت عطا فرمائے اور آپ کو اور دیگر متعلقین کو توفیق صبر مرحمت فرمائے''۔(۲)

تعلیمی خدمت

امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کا ایک امتیازی وصف تعلیم و دعوت و تبلیغ کا تھا، گھر کا مدرسہ جو کوئی ضابطہ کا مدرسہ نہیں تھا، ان کی شخصیت کی جاذبیت کہیے یا مقناطیسیت، اس نے خاندان اور علاقہ کی بچیوں کو کھینچ لیا تھا اور وہ ان کے پاس آ کر یہ محسوس کرتیں کہ وہ اپنی ماں کی گود میں ہیں۔

مادر مشفقہ کا معاملہ صرف ان کا اپنے بھائی بہن کی اولاد کے ساتھ ہی نہ تھا سسرال کی بچیوں کے ہی ساتھ نہ تھا، غریب نادار بچیوں کے ساتھ بھی تھا اوروں کے ساتھ بھی تھا، ہر ایک کے ساتھ تھا وہ ام حنون تھیں اور سب کے بچوں بچیوں کے لیے تھیں، اس فطری تعلق و محبت کے استثناء کے ساتھ جس میں کوئی اپنی صفات کے ساتھ کوئی دوسری صلاحیتوں کے ساتھ غلبہ پالیتا اور ترجیح حاصل کر لیتا ہے، علمی و تصنیفی مشغولیت کے ساتھ تعلیمی تربیتی اور تبلیغی

---

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص، ۱۲۸

(۲) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص، ۱۲۸

ودعوتی مشغولیتیں سب کے بس کی بات نہیں اس تعلیمی مشغولیت کے بارے میں ان کے عزیز بھانجہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اس طرح لکھتے ہیں:

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے زندگی میں علمی مشغولیت کے ساتھ ساتھ تعلیمی مشغولت بھی اختیار کی اوراسی طرح انہوں نے علم ودین کے میدان میں اگرایک طرف شاگردی کا فرض پورا کیا تو دوسری طرف معلّمی کا فریضہ بھی انجام دیا۔

انھوں نے اپنی زندگی کے مختلف حصوں میں ذاتی طور پر بچوں اور بچیوں کی تعلیم سے دلچسپی لی اور بذات خود پڑھانے کا کام کیا،نئی نسل کی متعدد بچیاں ان کی خاص شاگرد ہوئیں انھوں نے ان سے عربی کی تعلیم حاصل کی اوراس میں محدود ضرورت کی استعداد بھی پیدا کی،انہوں نے ان سے اردو کا ذوق حاصل کیااور مطالعہ کا ڈھنگ بھی سیکھااور گم کردہ راہ بننے سے محفوظ ہوئیں،خاندان کی نئی نسل کی متعدد بچیوں پران کا یہ ایک احسان ہے جس کا صلہ صرف اللہ تعالی ہی دے سکتا ہے،انھوں نے صرف بچیوں کی تعلیم ہی سے دلچسپی نہیں لی بلکہ اپنی بعض ہم عمر خواتین کو بھی پڑھایااوراس طرح پر تعلیم بالغان بلکہ صحیح یہ ہے کہ تعلیم بالغات کا فرض انجام دیاان کی بعض وہ ہم عمر خواتین جنھوں نے ان سے الف،ب، سے لیکر قرآن مجید ناظرہ تک تعلیم حاصل کی،آج بھی اس کا تذکرہ کر کے اپنی ممنونیت کا اظہار کرتی ہیں۔(۱)

جذبۂ دعوت وتبلیغ

جہاں تک جذبہ دعوت وتبلیغ کی بات ہے تو اس کے متعلق ان کے بڑے بھانجے حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ اس طرح رقم طراز ہیں:

''محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی سے بیعت تھیں۔حضرت مولانا سے تعلق بیعت نے ان کے دل میں دعوت الی اللہ کا جذبہ پیدا کر دیا تھا،۱۹۴۷ء کو اپنی والدہ ماجدہ اور بھائی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ حج کیا۔

(۱) یادوں کے چراغ،از مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی جلد اول تذکرہ امۃ اللہ تسنیم

کراچی کے حاجی کیمپ سے لیکر جہاز تک اور جہاز سے لے کر مدینہ کے آخر دن تک تبلیغی جماعتوں کی نقل وحرکت، تقریر وگشت سب ہی کچھ نظروں کے سامنے آیا''۔(۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنے برادر معظم مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مکتوب میں جو راستہ سے (عدن پہنچنے سے پہلے) جہاز سے بھیجا تھا اس میں اپنی ہمشیرہ محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی دعوتی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''ہمارا جہاز بفضلہ تعالیٰ ایک متحرک تبلیغی محلّہ بنا ہوا ہے، پانچ وقت ریڈیو پر اذان ہوتی ہے اور پورے اہتمام کے ساتھ فرسٹ کلاس کی وسیع لائبریری میں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے، روزآنہ ایک تبلیغی تقریر نشر ہوتی ہے، دوروز سے عورتوں کے خصوصی اجتماع بھی ہورہے ہیں جن میں بوبو (یعنی ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ) زادِ سفر پڑھ کرسناتی ہیں،'اس وقت سمندر میں نہایت ہی نزدیک ایک پہاڑی آبادی نظر آرہی ہے جس کے مکانات، مسجدیں صاف نظر آرہی ہیں) روزآنہ صبح تعلیم ہوتی ہے، مرادآبادی جماعت تبلیغ اور نظام الدین کے نمائندہ حضرات بڑی سرگرمی اور نشاط سے کام کرتے ہیں''۔(۲)

گھر کا ہفتہ واری اجتماع:

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ اپنے مضمون ''امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کا جذبہ دعوت وتبلیغ'' میں لکھتے ہیں:

''آخر کار اپنے گھر عورتوں کا ایک اجتماع ہر دوشنبہ کو منعقد کرنے لگیں اس ہفتہ واری اجتماع کے منعقد ہوتے ہی خاندان کی ساری خواتین اور آس پاس کی بستیوں کی عورتیں اور بچے مغرب کے پہلے ہی سے جمع ہونے لگتے۔

(۱) ''رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص، ۱۰۰

(۲) مکتوبات مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی حصہ اول ص، ۲۷

مجھ کو پرانے خطوط میں محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کا ایک خط مل گیا ہے، جس میں انھوں نے اجتماع شروع کرنے کی اطلاع اپنے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی صاحب کو کی تھی جو سفر پر تھے اس خط کو افادہ عام کی خاطر نقل کیا جا رہا ہے۔

''عزیز از جان علی سلمہٗ''

بعد دعائے طول عمر اور ترقی درجات کے، معلوم ہو کہ سخت انتظار کے بعد تمہارا خط ملا۔ خیریت پا کے بہت خوشی ہوئی اللہ تعالی تمہاری عمر دراز کرے۔ صحت وسلامتی کے ساتھ تمہاری عمر میں برکت عطا فرمائے آمین۔

اب دیکھیں تمھارا آنا کب ہوتا ہے؟ اب تو بہت دل چاہتا ہے اور طبیعت عرب آنے کے لیے بہت بے قرار ہے (۱) دیکھیں قسمت میں ہے بھی کہ نہیں، اللہ علیم ہے

آج کل ماشاء اللہ تمہارے گھر میں عورتوں کا اجتماع ہوتا ہے، خاندان کی سب عورتیں اور پروہ (ایک گاؤں) میدان پور (۲) (دوسرا گاؤں) کی عورتیں اور لڑکیاں بھی آتی ہیں، ہر دوشنبہ کی شام کو یہ مجمع ہوتا ہے۔

دو تین کتابوں کے کچھ باب میں پڑھ کر سناتی ہوں اور ایک کتاب تمہاری دلہن پڑھتی ہیں اور کبھی کبھی شرک وبدعت کے مضامین بھی پڑھ کر سناتی ہوں، پھر کلمہ سنتی ہوں، اس کے معنی سمجھاتی ہوں، وضو، نماز کی ترکیب اور تعداد پوچھتی ہوں اور آئندہ آنے کی ترغیب دیتی ہوں۔ اللہ بہتر اور کامیاب کرے، بہت شوق سے عورتیں آتی ہیں اور خاصا اثر ہوتا ہے، بعض بعض روتی ہیں، دو مرتبہ لوہانی پور سے بھی عورتیں آئی تھیں۔ دعا کرو کہ اللہ تعالی اس کام کو خوب بڑھائے اور ہم ناچیز گنہگار سے بھی اپنے دین کی خدمت لے اور اس کا مستحق بنا کے پھر اجر عظیم عطا فرمائے، اور خلوص دل سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ریا اور شہرت کی

---

(۱) ''غالباً حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سفر حجاز پر تھے اس سے ان کو اپنا سفر حجاز یاد آگیا اور وہ تڑپانے لگا'' ۔ محمود حسنی

(۲) اب میدان پور میں مدرسہ ضیاء العلوم قائم ہے جو دار العلوم ندوۃ العلماء کی ممتاز شاخ ہے اور پانچ سو سے زائد طلبا مقیم ہیں۔

طمع سے بچائے تم بہت یاد آتے ہو اس موقع پر تم سے بہت مدد ملتی، اللہ مدد کرے اس کی امداد پر بیڑا اٹھایا ہے تم اب خط لکھنا تو لکھنا کہ ہم کو کس طرح کام کرنا چاہیے اور کون کون سی کتابیں پڑھنا چاہیے۔ ہم ''اسلام کیا ہے؟''(۱) اس کے دو یا تین باب ہر اجتماع میں پڑھتے ہیں۔ تھوڑا سا قیامت کا حال سناتے ہیں کبھی شرک و بدعت کے مضامین بھی پڑھتے ہیں، اب ارادہ ہے کہ اس اجتماع میں اجتماع کی فضیلت پر ایک مضمون پڑھیں گے، لکھا ہوا رکھا ہے (۲) بس تم خوب دعا کرو کہ بہت کامیاب ہو۔ والسلام

یہ اجتماعات برسوں چلے ان کے بہت اچھے نتائج پیدا ہوئے۔ افسوس ہے کہ آخر عمر میں بیماری اور کمزوری کی بنا پر اجتماع قائم نہ رہ سکے مگر آج تک عورتیں ان کو یاد کرتی ہیں اور امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کو دعائیں دیتی ہیں کہ ان کی تبلیغی کوششوں کی وجہ سے سب کو بڑا فائدہ پہونچا اللہ تعالیٰ ان کو ہم سب کی طرف سے بھرپور جزا عطا فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے''۔ (۳)

چند اہم تاثرات:

یہی جذبہ دعوت و تبلیغ ان کی تصنیفی مساعی اور تحریری ذوق میں بھی کارفرما تھا اور اسی نے ان کو معلّمہ بنایا اور اسی نے ان کو مربیہ بنایا اور یہ اعتراف ملک کے نامور اور عظیم المرتبت علماء نے ان کی وفات پر تعزیت کے ان الفاظ میں کیا ہے: جو ان کے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی خدمت میں خطوط کے ذریعہ پیش کئے؛

مولانا شاہ عون احمد قادری پھلواری شریف پٹنہ لکھتے ہیں:

''گھر کی تمام عورتیں مرحومہ بہن امۃ اللہ تسنیم غفر اللہ لہا کی مصلحانہ مساعی اور

---

(۱) حضرت مولانا منظور نعمانی کی کتاب جو بڑی مقبول ہوئی

(۲) امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے ان مضامین و مقالات میں بعض ''رضوان'' میں چھپ چکے ہیں جن میں ایک مضمون شامل کتاب بھی ہے۔

(۳) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر مئی، ۶، ۱۹۷ء ص ۱۰۳، ۱۰۴

دینی نظم و نثر سے بے حد متاثر ہیں اور ان کو اپنی معلّمہ و مشفقہ مانتی ہیں''

امیر شریعت مولانا شاہ سید منت اللہ رحمانی خانقاہ رحمانی مونگیر و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ اپنا تاثر یوں تحریر فرماتے ہیں:

''ان کی تحریروں نے بڑی خدمت انجام دی ہے۔ زادسفر ان کا ایسا شاہکار ہے جو مدارس دینیہ اور دینی حلقوں کے لیے تحفہ اور ان کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ جامعہ رحمانی اور اس سے متعلق تمام مدارس میں یہ کتاب نصاب میں داخل ہے اور بہت سے مقامات پر اور بہت سارے لوگوں کو میں نے مجلسوں میں ''زادسفر'' اور ''معارف الحدیث'' (مولانا محمد منظور نعمانی) پڑھنے کا مشورہ دیا ہے اور بحمد اللہ بہت سے خدا کے نیک بندے اس پر عمل کررہے ہیں، اس طرح ہمشیرہ مرحومہ اعلی اللہ مکانھا کی خدمت حدیث مقبول ہوئی اور صدقہ جاریہ کے طور پر اس کا ثواب ان کو ملتا رہے گا۔(۱)

مولانا ضیاءالدین اصلاحی سابق ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ و مدیر ''ماہنامہ معارف'' لکھتے ہیں:

''میں مرحومہ سے ''رضوان'' کے ذریعہ جو عورتوں کا پاکیزہ دینی رسالہ ہے عرصہ سے واقف تھا ان کے اصلاحی و دینی مضامین پڑھنے کی سعادت بھی میرے حصہ میں آئی ہے اور یقیناً مجھ کو ان سے فائدہ بھی ہوا ہے اس دور میں یہ فخر و امتیاز اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے خانوادہ عالی کو بخشا ہے کہ زمانہ کی تمام روش کے برخلاف اس کے مرد تو مرد عورتیں بھی دینی تعلیم سے بہرہ ور ہیں۔'' ذلك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم ''اب ایسی نیک بخت عابدہ اور صالحہ خواتین کہاں ہیں، اللہ تعالی ان کی نیکیوں اور دینی خدمات کے صلہ میں ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔(۲)

---

(۱) (رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ۱۲۷

(۲) بحوالہ سابق

باب نہم
تعلق مع اللہ

زندگی کا اصل جوہر

امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی زندگی کا اصل جوہر اور ان کے فضائل ومحاسن کا مغز اور اصل راس المال تعلق مع اللہ کی دولت بے بہا تھی جس نے ان کے اندر شعور کی عمر سے سوز وگداز اور بے قراری وبے چینی پیدا کردی تھی جس میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا گیا اور پھر ان کی زندگی کو ان تلخ تجربات سے بھی گذرنا پڑا، جو ایک شرافت خاندانی وشرافت نفسی کی حامل خاتون کے لیے نہایت صبر آزما لمحات اور امتحان کی سخت گھڑیاں تھیں، لیکن جذبہ تسلیم ورضا اور جذبہ تشکر وامتنان نے اس کو برداشت کرنا سہل بنادیا تھا اور پھر یہ تعلق مضبوط ہوتا چلا گیا۔ جس کا اظہار ان کی شاعری میں کہیں کہیں کھلے طور پر ہوگیا ہے، جس کے لیے ان کے مجموعہ مناجات باب کرم کا مطالعہ مفید ہوگا۔

اور یہ تعلق مع اللہ اس وقت بھی صاف طور پر کھل کر سامنے آگیا، جب ان کے گھر کے خاص افراد والدہ صاحبہ بھائی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور ان کی اہلیہ اور بھانجہ مولانا سید محمد ثانی حسنی صاحب حجاز مقدس ۱۳۶۶ھ میں جارہے تھے وہ برداشت کرنہ سکیں اور پیمانہ صبر لبریز ہوگیا، تڑپ گئیں۔ اور ٹھان لی کہ یہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا ہے، راستہ کی مشکلات اللہ نے دور کیں ان کی طلب منظور کی اور پھر حرمین شریفین وبلد امین اور دیار حبیب کے قیام اور وہاں کی مبارک اور پر از رحمت وانوار ساعتوں سے انہوں نے جو فائدہ اٹھایا اس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں قارئین ان کے ہی بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے تفصیلی مضمون میں پڑھیں گے۔

معمولاتِ شب وروز:

تعلق مع اللہ کا کچھ اندازہ ان کے معمولات شب وروز سے بھی لگایا جاسکتا ہے ان کی خدمت اور تربیت میں رہنے والی ان کی پوتیوں نواسیوں میں ایک پوتی ونواسی سیدہ میمونہ حسنی (بنت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی) جوکہ ان کے بعد ماہنامہ رضوان کی معاون مدیرہ ہوئیں' عائشہ بی کے شب وروز کے عنوان سے لکھتی ہیں:

"عائشہ بی کے معمولات کو کیا لکھا جائے، بس مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی پوری زندگی عبادت تھی۔

صبح صادق سے قبل اٹھ کر تہجد میں سرگرم عبادت ہونا اور پھر اسی مصلے پر صبح کر دینا ان کی عادت تھی، سورج نکلنے کے بعد اشراق پڑھتیں، اشراق کے بعد دوسری ضروریات سے فارغ ہوکر تسبیحات شروع کرتی تھیں اور اسی کے ساتھ ساتھ دیگر معمولات اور تجارت کی مصروفیتیں ان کو مشغول کر دیتیں، دس بجے چاشت کا وقت آجاتا، چاشت پڑھ کر ان کی مصروفیت بڑھ جاتی، مختلف کام چلتے ہی رہتے اور تسبیحات بھی پڑھتی رہتیں، اس سارے وقت میں عائشہ بی کو ایک لمحہ کی فرصت نہ ہوتی، لوگ آرزو ہی کرتے کہ کچھ وقت ہمیں ان کی فرصت کے وقت حاضر ہو جانے کا مل جائے، مگر دوپہر سے قبل اس کا موقع بالکل نہ ملتا، کھانے کے بعد جب کہ ان کے آرام کا وقت ہوتا اور کاموں سے فارغ ہوتیں تو ہم لوگ خدمت میں حاضر ہوتے۔

ظہر بعد وہ تلاوت کلام پاک فرماتیں، اس کے بعد تھوڑی دیر ہم سب سے گفتگو کرتیں، تھوڑے وقفہ کے بعد عصر ہو جاتی، نماز عصر سے فراغت کے بعد پھر تسبیحات شروع فرماتیں اس کے بعد وہ قرآنی سورتیں تلاوت فرماتیں، جو سورہ رحمٰن، سورہ قیامہ، سورہ دہر وغیرہ پر مشتمل ہوتیں، جس وقت پڑھنا شروع فرماتیں بے اختیار میں ان کی طرف متوجہ ہو جاتی، اتنی تیز رفتاری سے تلاوت فرماتیں کہ ذہن ساتھ نہ دے پاتا ایک بار مجھ سے کہا کہ

میں کوئی سورہ سن لوں۔ حکم کی تعمیل میں کلام پاک لے کر حاضر ہوئی، لیکن جب تلاوت فرمائی تو تیز رفتاری کے باعث نظریں ساتھ چھوڑ گئیں مجبوراً عرض کرنا پڑا کہ ذرا آہستہ پڑھیے تا کہ میں ساتھ دے سکوں۔

قرآن پاک سے عائشہ بی کو بہت ہی تعلق تھا اس کی دلیل وہ بے شمار آیات قرآن پاک اور سورتیں ہیں جو انھیں حفظ تھیں، فرمایا کرتی تھیں کہ "اب ہم فکروں کی وجہ سے کچھ بھولنے لگے ہیں ورنہ ہمیں کلام مجید کی تقریباً ہر سورہ کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ وہ کہاں اتری کیسے اتری اور وجہ نزول کیا تھی۔ سورۂ یٰس، سورۂ رحمٰن، سورۂ واقعہ، سورۂ قیامہ، سورۂ مُلک، سورۂ یٰسین، سورۂ دہر، سورۂ حٰم سجدہ، سورۂ فتح، سورۂ جمعہ، اور سورۂ دخان انہیں یاد تھیں اور مختلف اوقات میں تلاوت فرمایا کرتیں، سورۂ دخان شاید تہجد میں پڑھتیں اور کچھ سورتیں جیسے سورۂ رحمٰن، سورۂ واقعہ، سورۂ قیامہ، عصر و مغرب کے درمیان تلاوت کرتیں، ان کے علاوہ بھی بہت سی سورتیں اور پارے جو انہیں حفظ تھے اسی طرح ادعیہ ماثورہ کثرت سے یاد تھیں۔

آندھی اور گرج چمک سے بہت پریشان ہوتی تھیں، کوئی بھی آسمانی آفت آتی تو اضطراب ہوتا تھا فوراً سورہ بقرہ شروع فرما دیتیں اور جب تک آسمان صاف نہ ہو جاتا اضطراب دور نہ ہوتا، بس دعائیں مانگتی رہتیں، یہ بھی سنت نبوی ﷺ پر عمل تھا جس کے تحت ان کی پوری زندگی گزری۔(۱)

آپ کے صفات میں سے ایک امتیازی صفت یہ بھی تھی کہ سب کے سامنے ڈانٹنے اور ملامت کرنے سے ہمیشہ پرہیز کیا، بڑے تو بڑے، چھوٹوں کو بھی کسی کے سامنے نہ ڈانٹا، نہ نصیحت کی، جبکہ اس معاملہ میں مکمل بااختیار تھیں، مگر ہمیشہ اکیلے میں ہی نصیحت کی، ہر بات نرم لہجے میں، ہر نصیحت میٹھے انداز میں کرتیں، یہ بات انہی میں تھی کہ ان سے بڑے چھوٹے یکساں

---

(۱) خود صاحب مضمون کا بھی یہی حال ہے صحبت کا اثر کیسے نہ پڑتا اور پھر بھی ان کے قائم کردہ اجتماعات کو جاری رکھنے والی بھی ہیں اور ایک بابرکت خاتون ہیں۔ (محمود حسنی)

خوش رہے۔ اور انھیں ہر دلعزیزی حاصل رہی، ان کی شخصیت بڑی باوقار تھی۔ لڑکیاں ہر وقت گھیرے رہتیں۔ خود وہ لڑکیوں پر بے حد شفقت فرماتیں اور ان کے کاموں میں دلچسپی لیتی تھیں۔

پورے دن میں تھوڑا وقت تعویذات و عملیات میں بھی گذر جاتا تھا عورتیں آتیں اور تعویذات کی فرمائش کرتیں مگر کبھی خفا نہیں ہوئیں، باوجود بیماری کے پریشانی اٹھا کر تعویذ لکھتی تھیں، (۱) دن بھر میں عائشہ بی کا وقت ظہر اور مغرب کو فارغ ہوتا، اپنی تازہ مناجاتوں اور نعتوں پر نظر ثانی کرنے کا کام اسی وقت کرتی تھیں کسی نے ان کو غیبت کرتے ہوئے شاید ہی سنا ہو، ان کی یہ نصیحت تھی کہ ''اگر غیبت کی عادت چھڑانا ہو تو غیبت کے بعد دو رکعت توبہ کی بطور جرمانہ ضرور پڑھ لیا کرو، یہ خراب عادت انشاء اللہ ضرور جاتی رہے گی۔ زیادہ بولنے سے بھی احتراز کرتیں، یہاں تک کہ ہم لوگ حاضر ہوتے تو اکثر خاموشی ہی رہتی، ضرورت پر بولتیں اور مختصر بولتی تھیں معمولات میں دوشنبہ خاص دن تھا، ہر دوشنبہ کی رات کو خواتین کا اجتماع کرتیں، اس اجتماع سے قرب وجوار میں خاصا فائدہ ہوا۔ قریب کی بستی کی رہنے والی ایک خاتون جن کو ہم لوگ حلیمہ اماں کہتے ہیں وہ عائشہ بی کی خدمت کرتی تھیں اور بہت معتقد تھیں وہ بتاتی ہیں کہ پہلے ہم کیا تھے؟ اور کیسے تھے؟ اب عائشہ بی کی تاثیر صحبت سے ہم پر کتنا اثر پڑا کیسی کیسی عائشہ بی ہمیں نصیحتیں کرتی تھیں کہ ''دیکھو حلیمہ کبھی کسی سے سوال نہ کرو، صرف اللہ سے مانگو، وہی ہے دینے والا، کسی سے ہم خفا ہوئے تو فوراً ہمیں سمجھایا کہ سوائے اللہ کے کسی سے امید نہ رکھو، غیبت نہ کرو برا بھلا نہ کہو، صبر میں بڑی بھلائی ہے۔''

دعاؤں پر بہت ہی عقیدہ تھا بالخصوص نبی کریم ﷺ کی فرمائی ہوئی دعائیں انھیں سب یاد تھیں اور پڑھا کرتیں، حزب الاعظم روزآنہ پڑھنا معمول تھا۔ جتنی دعائیں پڑھتی

(۱) یہ تعویذات انہیں کچھ اپنے دادا مولانا حکیم سید فخر الدین خیالیؒ کی بیاض سے ملی تھیں اور کچھ انہیں اپنے شیخ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے پہونچی تھیں، راقم الحروف نے تعویذات کی جو بیاض امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی دیکھی اس میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے حوالے سے لکھی دیکھی ہیں یہ سب بڑی مستند اور قرآنی تعویذات ہیں، جس میں بڑی تاثیر ہے۔ محمود)

تھیں اورقرآنی آیات پڑھ کرسب روزآنہ پانی پر پھونکتی تھیں اورلوگ بیماروں کو پلانے کے لیےاس پانی کولے جاتے اوراللہ کے حکم سے بیمارشفایاب ہوتے۔عائشہ بی فرماتی تھیں کہ دعاؤں کے ذریعہ مدد چاہو یہی دعائیں کام آئیں گی۔

فرمایا کرتی تھیں کہ حدیث پاک میں ہے کہ قرب قیامت میں کوئی چیز مدد نہ دے گی سوائے کلام اللہ کے۔ادعیہ ماثورہ اتنی کثرت سے یاد تھیں کہ ایک دفعہ مجھے تاکید فرمائی تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ سے منقول ساری دعائیں یادکرلوں،اسی ضمن میں انہوں نے مجھے وہ ساری دعائیں پڑھ کر سنائیں جو حفظ تھیں اور جن کا ورد اوقات متعینہ میں وہ فرمایا کرتی تھیں میں سن کرحیران ہی رہ گئی۔

اس سب کے باوجودتواضع اتنی تھی کہ کبھی کسی پراپنے علم کااظہار نہ فرمایااور نہ اپنے کوکسی بھی حیثیت سے بڑاسمجھا۔

پڑھانا بہت دن سے چھوڑ دیا تھا مگر جب بھی کوئی خاص آدمی فرمائش کرتا تو انکار نہیں کرتی تھیں۔کوئی علمی سوال ہم لوگ کرتے تو اتنا شافی جواب عنایت فرماتیں کہ دل کو پورااطمینان ہوجاتا۔اسی طرح عائشہ بی کی رائے اورمشورہ بہت وقیع ہوتا تھا۔پچھلی قوموں پرجوعذاب آئے ان سب کا تذکرہ پہلی بارعائشہ بی ہی کی زبانی سنااور بعدمیں بھی ان سے وہی واقعات سنتے رہے جس کی بنیاد پردل پرسب نقش ہوگئے۔اسی طرح کوئی بھی مصیبت آئی یامشکل پیش آئی سب سے پہلے عائشہ بی نے یاددلادیا کہ عذاب الٰہی سے پناہ مانگو۔

عائشہ بی نے قدم قدم پرامر بالمعروف اورنہی عن المنکر کا خیال فرمایااوران کی پوری زندگی اسی کی آئینہ دار ہے۔اللہ تعالی انہیں اس کا اپنی شایان شان بدلہ عطافرمائے‘‘۔(۱)

خدمت والدین

یہ تعلق مع اللہ کی دولت کا ہی اثر ونتیجہ تھا جس نے ان کو خدمت خلق اور خدمت

---

(۱) رضوان خاص نمبرمئی،۱۹۷۶ء ص،۱۱۷،۱۲۱

والدین کی توفیق وحوصلہ عطا کیا اور اس کو انہوں نے اپنے لیے سعادت کبری سمجھ کر انجام دیا، اللہ تعالی نے خصوصیت سے اس کی تاکید فرمائی ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں اپنی بندگی اور عبادت کے بعد جس عمل کے اختیار کرنے پر زور دیا ہے وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ہے

''وَقَضٰى رَبُّكَ اَنْ لَاتَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا ۔(۱)

اسی طرح سورۂ لقمان میں ایک دوسرے اسلوب میں اس کی تاکید کی گئی ہے۔

''وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (۲) امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ نے اس میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی، والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کی خدمت اس وقت کی جب وہ چھوٹی تھیں وہ ۱۴ ر سال کی تھیں کہ والد ماجد نے دنیائے فانی سے رحلت کی، والدہ کا زمانہ ماشاءاللہ خوب پایا۔

اگر دیکھا جائے تو پورے بیس سال انہوں نے والدہ کی جم کر خدمت کی، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''جہاں تک والدہ ماجدہ مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ کی خدمت واطاعت کا تعلق ہے، ان کے دل کا قلع قمع ہو گیا لیکن ان کی مرضی کے خلاف نہیں کیا اور جب وہ معذوری وبیماری کے مرحلہ میں تھیں تو ایسی خدمت کی کہ جس کی کم نظیر ملے گی۔ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ان کے اس وصف کو یوں بیان کرتے ہیں:

''اللہ تعالی کی اور عنایتوں کے ساتھ ان پر (یعنی والدہ صاحبہ پر) ایک خاص عنایت یہ تھی کہ ان کو ایسی سعادت مند، فرمانبردار اور خدمت گزار اولاد اور اولاد کی اولاد عطا فرمائی

---

(۱) سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲۳، ۲۴

(۲) سورہ لقمان آیت نمبر ۱۴

،جنہوں نے کسی لاچاری اور بے بسی کا احساس ہی نہ ہونے دیا،ایک طویل عرصہ تک ان کی ایسی خدمت ہوئی جو بڑے بڑے باوجاہت اور صاحب حیثیت مردوں اور عورتوں کو نصیب نہیں ہوتی، ہر ایک ان کی خدمت کرنا،اوران کو راحت پہونچانا اپنے لئے نہ صرف سعادت بلکہ عبادت سمجھتا تھا اور دل وجان سے اس کے لئے حاضر تھا۔

میری دو بڑی بہنیں ہیں اور دونوں برسوں سے ان کے قریب ہی بلکہ ان کے پاس رہیں،ایک عزیزان مولوی محمد ثانی،محمد رابع،محمد واضح سلمھم کی والدہ امۃ العزیز صاحبہ جو خود اور ان کی پوتیاں ہمیشہ خدمت کے لئے مستعد اور حاضر رہیں،دوسری بہن جو ماشاءاللہ خود صاحب قلم اور شاعر ہیں،امۃ اللہ تسنیم صاحبہ ''ماہنامہ رضوان'' کی ایڈیٹر اور ''زاد سفر'' کی مصنف والدہ صاحبہ کی خدمت ورفاقت کی سعادت کا سب سے بڑا حصہ انہیں کے نصیب میں آیا،ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشغلہ اور وظیفہ والدہ صاحبہ کی خدمت،دیکھ بھال اور علیل ہوں تو تیمارداری رہی اور انہیں کو سب سے زیادہ طویل عرصہ تک اور مسلسل طریقہ پر اس کا شرف حاصل ہوا،ہم بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ انہیں نے یہ دولت کمائی''(۱)

رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر میں لکھتے ہیں:

''حج سے آنے کے بعد ان کا سب سے اہم اور مقدس مشغلہ والدہ صاحبہ مرحومہ کی خدمت اور ان کی مدد تھی جو روز بروز ضعیف اور معذور ہوتی جارہی تھیں اور عمر کے آخری برسوں میں ان کی بصارت بالکل جاتی رہی یہ کام مشکل بھی تھا اور نازک بھی، ہر وقت کی ذمہ داری،ضعف ومعذوری کے تقاضے اور لوازمات اور ماں کا معاملہ،یہ انہیں کی سعادت وہمت تھی کہ انہوں نے آخری دم تک اس کو اسی خوبی سے نباہا اور ''فلا تقل لھما اف و لا تنھرھما وقل لھما قولا کریما''

پر ایسا عمل کیا کہ وہ اس دنیا سے مسرور ومطمئن اور ان کے حق میں دعا گو گئیں۔(۲)

---

(۱) ذکر خیر ص،۶۹ (۲) رضوان نمبر مئی ۲۰۰۶ء ص،۴۴

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے آخر کی جس نعمت کا ذکر کیا ہے وہ اس زمانہ معذوری کی ہے جب ہر وقت حاضر رہنے کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے متعلق ان کا یہ کہنا بجا ہے کہ:

''یہ ایک دو سال کا معاملہ نہ تھا، تقریباً دس برس ضرور اس مسلسل اور صبر آزما خدمت کے گزرے، یہ ان کی زندگی کا روشن باب ہے اور آخرت کی زندگی کا ایک بڑا قیمتی ذخیرہ'' (۱)

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے اپنی والدہ مخدومہ خیر النساء بہتر صاحبہ کا مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کے ساتھ خدمت گزاری اور اطاعت کا جو وصف بیان کیا ہے خود یہ اپنی والدہ کے سلسلہ میں اس میں کھری اتریں۔

وہ خود اپنی والدہ مرحومہ کا وصف بیان کرتی ہیں:

''خدمت گزاری اور اطاعت کا جو سلوک اول دن سے کیا اس کو والد صاحب کے آخر دم تک نباہا۔ (۲)

ان کے بھانجہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

''اپنی والدہ کے ضعف کے زمانہ میں چونکہ مرحومہ ان کے ساتھ رہیں اس لیے ان کو اپنی والدہ کی خدمت کا بیش بہا موقع حاصل ہوا اور اس موقع سے انہوں نے بہت فائدہ اٹھایا، وہ اپنی والدہ کے لیے ہمہ وقت سہارا تھیں۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھتیں استنجے اور وضو وغیرہ میں مدد کرتیں، رات کو قریب ہی رہتیں، جب اور جو ضرورت ہوتی مدد کرتیں دو دن کی بھی جدائی ان میں ناقابل عمل سمجھی جاتی، چنانچہ اپنی والدہ کی وفات کے بعد انہوں نے ایک خلا محسوس کیا، لیکن وہ خاندان کی نظر میں اپنی والدہ کی جانشیں ثابت ہوئیں۔ خاندان کے افراد ان کے ساتھ بھی اسی طرح کی محبت و احترام سے پیش آئے جس طرح کہ ان کی مرحوم والدہ جناب خیر النساء بہتر صاحبہ کے ساتھ پیش آتے تھے۔'' (۳)

---

(۱) رضوان نمبر مئی ۱۹۷۶ء ص ۴۴

(۲) ذکر خیر ص ۹۸، مضمون بقلم امۃ اللہ تسنیم صاحبہ (۳) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص ۵۸

تزکیۂ نفس اور اصلاحی مشاغل

اور اسی تعلق مع اللہ کے نتیجہ میں انہوں نے تزکیہ نفس وتصفیہ قلب کی فکر کی اور اپنے کو اس سے آزاد نہیں سمجھا اور یہ محسوس کیا کہ بغیر کسی مرشد کامل کی رہنمائی کے اس راہ میں کامیابی آسان نہیں، چنانچہ وہ پہلے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئیں جیسا کہ مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے تحریر فرمایا ہے اور پھر ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئیں اور ان کے تعلیم کردہ ذکر و شغل کا اہتمام کیا اور لایعنی کاموں اور فضول باتوں سے پرہیز کیا اور معاش کو معاد کے لیے اختیار کیا، کاروبار کیا، وہ اس لیے کہ کسی کی محتاجگی نہ رہے اور ماں، بھائی، بہن پر بھی بوجھ نہ بنیں، اپنے ہی کمرہ میں ایک چھوٹی دکان کی، روزمرہ کی ضروریات رکھتیں تاکہ دوسروں کی ضروریات پوری ہوں، اور افضل الاعمال کسب حلال کا ثواب حاصل کریں، یہاں یہ ملحوظ رہے کہ اعمال تزکیہ میں حلال اور پاکیزہ روزی کا حصول بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔(۱)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب سے بیعت واصلاح کا تعلق اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تجدید بیعت

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے بیعت کا تعلق لکھا ہے اور مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے، دونوں میں کوئی تضاد نہیں، یہ اسی طرح ہوا جیسے ان کی والدہ مخدومہ خیر النساء بہتر صاحبہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بیعت ہوئی تھیں اور ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب سے یہ تعلق قائم کیا تھا۔

---

(۱) مرحومہ عائشہ بی کے بعد خاندان کی ایک دوسری نیک صفات خاتون مرحومہ رضیہ بنت مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی مرحوم نے اسی نیک جذبہ سے یہ سلسلہ جاری رکھا اور دوسروں کو نفع پہنچانے کا وہ ذریعہ بنیں۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی نے لکھا ہے کہ:

''محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی سے بیعت تھیں'' (۱)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے لکھا ہے کہ:

''حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کا تعلق رکھتی تھیں اور ذاکر و شاغل تھیں لایعنی معاملات سے مکمل پرہیز کرتیں اور غیر مفید مجالس میں بالکل شرکت نہ کرتیں۔ اپنے امکانات و وسائل کے مطابق مرحومہ نے اصلاح و دعوت کے عملی کام سے بھی دلچسپی لی، وہ ہر ہفتہ خواتین کا اجتماع کرتیں اور اس میں اصلاحی و دعوتی مضامین پڑھ کر سناتیں اور کبھی کبھی کسی عالم دین سے ان کے لیے وعظ کہلواتیں، اس اجتماع سے خاندان نیز قرب و جوار کی خواتین نے خاصا فائدہ اٹھایا اور ماحول میں دینی جذبہ بیدار کرنے میں مدد ملی۔ (۲)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنی والدہ ماجدہ کے تذکرہ میں ان کے بیعت و ارادت کے تعلق سے جو تحریر فرمایا ہے، انہی کے قدم بہ قدم امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نظر آتی ہیں، مولانا رقم طراز ہیں:

''جولائی ۱۹۴۳ء رجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب میری ناچیز دعوت اور خواہش پر رفقاء اور خدام کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے اور پورا ایک ہفتہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں قیام فرمایا، مزید کرم اور ذرہ نوازی یہ فرمائی کہ ہمارے وطن دائرہ حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلی ۲۵ / جولائی ۱۹۴۳ء ۲۲ / رجب ۱۳۶۲ھ بروز اتوار قدم رنجہ فرمایا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، حضرت حافظ فخر الدین صاحب پانی پتی، اور چند اور رفقاء ساتھ تھے، والدہ صاحبہ اس وقت تک کسی بزرگ سے

---

(۱) رضوان نمبر ص، ۱۰۰

(۲) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص، ۵۸

بیعت نہیں ہوئی تھیں، ایک خواب کی بنا پر جس میں ان کو خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی بیعت میں قبول فرمالیا ہے، انہوں نے خود اپنے والد ماجد سے جو شیخ کامل تھے بیعت کی ضرورت نہ سمجھی، لیکن اس موقع پر ان کے دل میں بیعت کا تقاضہ پیدا ہوا اور انہوں نے مجھ سے اس کا اظہار کیا، میں نے مولانا سے عرض کیا مولانا نے نماز استخارہ کے بعد فوراً ہی اس کو قبول فرمالیا اور والدہ صاحبہ دوسری عزیز مستورات کے ساتھ داخل بیعت ہوگئیں، مولانا کی زندگی تک یہ تعلق و ربط قائم رہا، مولانا کی وفات کے بعد لکھنؤ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی کسی آمد کے موقع پر جو ہمارے یہاں برابر ہوتی رہتی تھیں، تجدید بیعت کی، ہمارا گھر تقریباً پورا اس وقت تک مولانا مدنی ہی سے بیعت تھا، اس لئے اس کا خیال پیدا ہونا، خصوصاً حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی وفات کے بعد کچھ خلاف قیاس نہیں'' (۱)

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کے بیعت و ارادت سے متعلق مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

''سن ۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ ہمارے غریب خانہ رائے بریلی تشریف لائے تھے تو انہوں نے والدہ محترمہ اور خاندان کی دوسری بیبیوں اور بہنوں کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت اور توبہ کی تھی، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے بیعت کی تجدید کی اور آخر وقت تک ان سے محبت و عقیدت کا تعلق رہا، خط و کتابت کی بھی نوبت آئی، انہوں نے ایک مرتبہ مولانا کی خدمت میں ایک بڑا دردانگیز اور پر اثر خط لکھا تھا اور دعا و توجہ کی درخواست کی تھی، مولانا نے اس کا غیر معمولی شفقت، اور نہایت خصوصیت کا جواب دیا تھا جو میری نظر سے گزرا تھا اس کے لفظ لفظ سے ان کے گہرے تاثر اور بزرگانہ شفقت کا اظہار ہوتا تھا، اس میں انہوں نے ان کو بڑی تسلی دی تھی اور اظہار ہمدردی فرمایا تھا'' (۲)

---

(۱) ذکر خیر ص ۶۲، ۶۳ (۲) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص ۴۵

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی سے تعلق بڑھا، جس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کی بڑی بہن اور بھاوج اہلیہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی حضرت شیخ سے بیعت تھیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

''ہماری بڑی بہن اور گھر کے کئی افراد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے بیعت وتربیت کا تعلق رکھتے ہیں، ہمشیرہ مرحومہ کو بھی حضرت شیخ سے خصوصی عقیدت تھی، اور ایک مرتبہ انہوں نے خادمانہ شکوہ کیا کہ وہ بڑی بہن کو (جن کی خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، تنہا سلام لکھتے ہیں اور دعا دیتے ہیں، حضرت شیخ نے اس کے بعد التزام کرلیا کہ ہر خط میں ان کو ضرور سلام لکھیں اور دعا میں شریک رکھیں'' (۱)

باوقار اور محبوب شخصیت

انہی سب باتوں نے ان کی زندگی کو قابل تقلید اور ان کی شخصیت کو ہر دلعزیز بنادیا تھا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

''عائشہ بی کی شخصیت ان کے تمام ملنے والیوں، تعلق والوں اور تعلق والیوں میں ایک باوقار اور محبوب شخصیت تھی ان کو ایک ہمدرد اور مخلصانہ جذبات کی خاتون سمجھا جاتا تھا اور ان کے مشوروں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اب جبکہ وہ ہم میں نہیں رہیں ان کا اسوہ اور نمونہ باقی ہے، مسلم خواتین اور بچیاں اس نمونہ سے بہت کچھ سیکھ سکتی ہیں۔ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی اولاد بچپنے ہی میں انتقال کرگئیں ان کی یہ محبت بھی ان کے بھانجوں بھتیجوں پر صرف ہوئی'' (۲)

ثواب کے حصول اور تقرب الی اللہ کے دوسرے کام:

وہ تجارت کرتی تھیں لیکن پوری امانتداری، سچائی اور صفائی سے کرتیں اور اس ثواب

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص ۴۵ (۲) بحوالہ سابق ص ۶۰

کے حصول کے لیے کرتیں جو امانتدار سچے تاجر کو میدان حشر میں انبیاء صدیقین شہداء کی مرافقت کی صورت میں حاصل ہوگا، وہ جذبۂ خیر خواہی اور خدمت خلق کو پیش نظر رکھتیں اور رسول اللہ ﷺ کی ایک اہم سنت سمجھ کر انجام دیتیں، دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ اس کے ساتھ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے فریضہ سے ذرا بھی غفلت نہ برتتیں اور صحیح بات دل میں اتارنے کے لیے اچھے انداز سے سمجھانے، اور ڈانٹ ڈپٹ سے گریز سے کام لیتیں اور شفقت ومحبت سے پیش آتیں، اللہ کی مخلوق پر یہ شفقت اسی تعلق مع اللہ کا نتیجہ تھی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، ان کے خاندان کے ایک نوعمر فرد (جو اب سیکڑوں کے استاد ومعلم اور کئی فرزندوں کے والد ومربی ہیں (۱) نے اپنے تاثرات میں ان باتوں کا اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ہر آدمی اور ہر لڑکا ان کو اپنا سرپرست سمجھتا تھا، ہر دل میں ان کے لیے احترام تھا، جب بھی ملنے جاؤ بہت محبت سے ملتیں، کوئی کہیں جانے لگتا تو اس کو قرآن شریف کی آیتیں پڑھ کر ضرور پھونکتی تھیں، ان کے غصہ کو تو کبھی دیکھا ہی نہیں ہر بچہ کی زبان پر عائشہ بی یہ دید یجیے، عائشہ بی وہ دید یجیے یہ سب ہوتا مگر کوئی جھنجھلاہٹ نہیں، لوگ ادھار سودا مانگ رہے ہیں مگر ذرا سا غصہ نہیں، ہم سب بچے جتنی شرارت کریں کچھ نہ کہتیں، صرف محبت وشفقت سے سمجھادیتی تھیں کہ شریر سے شریر لڑکا بھی مان جائے، مجھے بھوٹے رنگنے کا بہت شوق تھا، بس فوراً جا کر ان سے رنگ مانگ لیا کرتا تھا، ۱۰ ار پڑیا ۱۵ ار پڑیا مگر زیادہ سے زیادہ بس اتنا کہتی تھیں، جعفر تم بہت رنگ خرچ کرتے ہو یہ کام تھوڑے رنگ میں ہی ہوسکتا ہے، کوئی بات غلط معلوم ہوتی تو فوراً ٹوکتیں اور نصیحت کرتیں اور اگر کبھی پوری نماز پڑھی تو محبت سے سمجھاتیں، صبح سویرے اٹھنے کی تاکید کیا کرتیں۔

ذکر میں ہر وقت مشغول رہتیں، بیماری سے پہلے ہر ہفتہ اجتماع کرتیں، جب بھی ان کا ذکر ہوتا ہے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں، اگر کوئی کہتا ہے مرحومہ یہ کرتی تھیں، انہوں

(۱) یعنی مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی فرزند مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ العالی و نائب مدیر الرائد ندوۃ العلماء واستاذ مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ

نے یہ کہا تھا تو کان اس کا سننا گوارہ نہیں کرتے، دماغ کام نہیں کرتا اور دل تڑپ جاتا ہے کہ مرحومہ کون؟ عائشہ بی .... مرحومہ؟ خیال بہک جاتا ہے، ایک دن تو سبھی کو جانا ہے، اپنا اصلی وطن تو وہی ہے، یہ تو ایک سرائے ہے، اس کو سجا کر کیا کرنا، اس سے تو اچھا ہے کہ اپنا وہ گھر سجائیں جہاں ہمیشہ رہنا ہے، جہاں ہر طرح کا آرام ہے، جہاں وہ ہر چیز ہے، جس کی خواہش ہر انسان کی ہوتی ہے(۱)

چند ممتاز اہل قلم کے تاثرات

یہاں انکی چند اور خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے جس کا تذکرہ دوسرے گھروں میں تھا اور ان گھروں کے افراد نے ان کی اس ہشت پہل شخصیت اور ان کے سوز وگداز اور للّٰہیت وتقوی اور عفت وطہارت اور دین وملت کے لئے کڑھنے اور گھلنے کی کیفیت کا کسی صورت میں اندازہ لگایا، اور پھر اپنے تاثر کا اظہار بھی کیا۔

اس کے بھی چند نمونے ملاحظہ ہوں:

پیکر تقدس وتقوی اور بابرکت خاتون:

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صدر کل ہند مسلم مجلس مشاورت دہلی ، نے لکھا کہ ''افسوس ایک عابدہ زاہدہ عالمہ پیکر تقدس وتقویٰ خاتون ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئیں، مرحومہ اپنی خصوصیات میں بے مثال تھیں، خواتین میں تو یہ کمالات کبریت احمر کا درجہ رکھتے ہیں(۱)

مولانا محمد منظور نعمانی مدیر ''الفرقان'' لکھنو نے تاثر ظاہر کیا کہ ''مرحومہ اپنی بابرکت والدہ ماجدہ (محترمہ خیر النساء صاحبہ) کی طرح اس دور کی خواتین کے لیے بہترین نمونہ تھیں''۔(۲)

---

(۱) ''رضوان نمبر ص، ۱۳۴/۱۳۵

(۲) ''رضوان نمبر ص ۱۲۷

مولانا حکیم عبدالقوی صاحب دریابادی مدیر ''صدق'' لکھنؤ نے اس طرح تاثر ظاہر کیا کہ:

''۲۸؍جنوری کو ایک بڑی ہی بزرگ و دیندار خاتون قرون اولی کی یاد دلانے والی شخصیت محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ وفات پاگئیں۔عبادات کی شدت سے پابند، معاملات کی بڑی کھری تھیں، دعا سے خاص ذوق رکھتی تھیں اور مستجاب الدعوات سمجھی جاتی تھیں دوسروں کی خدمت کے لیے زندگی وقف کر رکھی تھی، دینی تعلیم کے ساتھ اردو ادب کا بھی اچھا ذوق رکھتی تھیں، صرف یہی چند تأثرات نہیں ہیں یہ وہ تأثرات ہیں جو رضوان نمبر میں شائع کرائے گئے تھے ان کی تحریروں اور ان کی تعلیم و تربیت سے جن لوگوں کو نفع پہنچا وہ بے شمار ہیں۔تلاوت سے خاص شغف تھا ان کی مناجاتیں اور نعتیں بڑی پر کیف اور مؤثر ہوتی تھیں''۔(۱)

یہ امر واقعہ ہے کہ وہ اللہ کی مقبول اور باتوفیق بندی تھیں۔ان کی زندگی اس کی گواہ رہی اور مرنے کے بعد ارباب بصیرت، اہل قلب و نظر، علماء و مشائخ اور جن کا ان سے معاملہ پڑا ان کے تأثرات نے اس کی تصدیق کی، اور انھوں نے روحانی مقامات طے کئے، اور علمی و ادبی کمالات و خصوصیات حاصل کیں، انہیں موقع ملتا میدان جہاد میں جانے کا تو وہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نمونہ پیش کرتیں۔جس طرح علمی شغف میں انھوں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نمونہ بنایا، اللہ نے جو حالات اور جو زمانہ ان کے لئے رکھا اور جو میدان ان کے لئے منتخب کیا اس میں وہ اپنے کارہائے نمایاں انجام دینے میں کھری اتریں۔رحمها الله تعالىٰ رحمة واسعة

---

(۱) رضوان نمبر ص ۱۲۶

باب دہم

ہدایات، ارشادات وملفوظات اور وصایا

اللہ کا خوف

محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کا اللہ کے خوف وخشیت کی طرف توجہ دلانے والا مضمون ان کے مضامین سے انتخاب کر کے درج کیا جارہا ہے کہ یہ ایسا عنوان ہے جو اعمال صالحہ اختیار کرنے کی کلید اور بہترین ہدایت نامہ ہے۔ وہ تحریر فرماتی ہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ "(۱) ترجمہ "کہ اللہ سے ڈرو شاید کہ تم فلاح پاؤ۔

اس چھوٹی سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جامع بات فرمادی کہ اگر اس کی تشریح کی جائے یعنی کھول کر بیان کیا جائے تو صفحے کے صفحے بھر جائیں۔ یہاں غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں محبت کا ذکر نہیں فرمایا، اگر یہ فرماتا کہ اللہ سے محبت کرو شاید کہ تم فلاح پاؤ، تو یہ انسان کے بس کی بات نہیں تھی کیونکہ محبت من جانب اللہ ہے، محبت معمولی چیز نہیں، بہت اونچی چیز ہے، اس کا معیار بہت بلند ہے، یہ ہر ایک کو نہیں ہوتی، ہاں ڈر فطرت انسانی ہے ہر شخص کے دل میں ڈر رہتا ہے خواہ کسی کا ہو، آپ لوگ اپنے اپنے دلوں کو ٹٹولیں تو اس میں کسی نہ کسی کا ڈر ضرور ملے گا اب اگر یہی ڈر اللہ کی طرف منتقل ہو جائے تو دنیا اور آخرت کی کامیابی یقینی اور بدیہی ہے دنیا کی کامیابی تو یہ ہے کہ کہ اگر اللہ جل شانہ

---

(۱) سورہ نساء آیت نمبر ۲۰۰

کا ڈر پیدا ہو گیا تو دنیا کا ڈر اس کے دل سے نکل جائے گا اور جب دنیا کا ڈر نکل گیا تو اب اسکو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں وہ بہت اطمینان والی زندگی گذارے گا اور بہت ہی سکون اس کو حاصل ہو جائے گا اور یہ فکر و مصائب کی دنیا اس کے لیے جنت کا نمونہ بن جائے گی، پھر بھی ڈر اس کو ان تمام برائیوں سے بھی بچائے گا جو آخرت کی ہلاکت کا سبب اور دوزخ میں پہنچانے کا ذریعہ ہیں، بس جب تم برائیوں سے بچ گئے تو آخرت کی کامیابی میں شک نہیں۔

اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر بہت مہربان اور شفیق ہے وہ نہیں چاہتا کہ ہمارے بندے ہلاک اور برباد ہوں، چنانچہ اس کی خاطر اللہ نے کتنے رسول بھیجے کہ وہ اس کے بندوں کو عذاب سے ڈرائیں، دوزخ کا خوف دلائیں، اور جنت کا شوق اور رغبت پیدا کریں اور اس لیے اس نے اپنے رسولوں پر کلام پاک اور صحیفے اتارے پھر اس کلام پاک میں جگہ جگہ مختلف طریقوں سے مختلف پیرائے میں اپنے بندوں کو اچھی باتوں سے آگاہ فرمایا ہے اور ڈرایا دھمکایا ہے، کہیں ارشاد ہوا ہے۔ ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ'' (اللہ سے ڈرو شاید کہ تم فلاح پاؤ۔)

کہیں فرماتا ہے وَاِيَّایَ فَارْهَبُوْنِ (۱) (اور مجھ سے ڈرتے رہو)۔ کہیں ارشاد فرماتا ہے کہ اے لوگو اپنے رب سے ڈرو بیشک قیامت کا بھونچال بڑی سخت چیز ہے۔

ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے ''اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے یعنی اس کو صرف رحیم ہی نہ سمجھو، جہاں وہ انتہائی رحیم ہے وہاں وہ زبردست قہار بھی ہے گناہوں کو معاف بھی کرتا ہے اور گناہوں کی سخت پکڑ بھی کرتا ہے اگر اس کو رحیم سمجھ کر بھروسہ کرو تو قہار سمجھ کر ڈرو بھی''۔

ایک جگہ خوشخبری دیتے ہوئے فرماتا ہے:

جو اپنے رب سے ڈرا اس کے لیے دو باغیں ہیں'' دوسری جگہ فرماتا ہے: ''بیشک نیک لوگ جنت کی نعمتوں میں ہونگے۔ مسہریوں پر بیٹھے ہونگے، جنت کے عجائبات دیکھتے

---

(۱) سورہ بقرہ آیت نمبر ۴۰

ہوں گے، اے مخاطب! تو ان کے چہروں پر سرسبزی وشادابی محسوس کرے گا اور ان کے پینے کے لیے شراب سر بمہر ہوگی، حرص کرنے والوں کو اس میں حرص کرنا چاہیے اس شراب کی آمیزش تسنیم کے پانی سے ہوگی "وَمِزَاجُـهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ" اور وہ تسنیم جنت کا ایک چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ ہی پانی پیتے ہیں۔ "عيناً يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ"(۱)

ان آیتوں میں محبت کا اظہار اور چمکار کا پہلو ہے جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو پہلے ڈراتے دھمکاتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ اس سے کام نہیں چلتا تو پھر پیار اور چمکار سے اس کو سمجھاتے ہیں اور اکثر یہ حربہ کارگر ہوتا ہے لیکن جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے ان پر کوئی حربہ بھی کارگر نہیں ہوتا جو بے خوفی کا بین ثبوت ہے، یہی بے خوفی اور بیباکی دنیا وآخرت کی ہلاکت کا سبب ہے اور اسی بے خوفی نے کتنوں میں فرعونیت پیدا کی اور کتنوں کو جہنم کی سزا کا مستحق بنا دیا۔

ڈر کا ایک خاص اور اہم ترین فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ تعلق جوڑنے اور محبت بڑھانے کا پہلا زینہ ہے، وجہ یہ ہے کہ جب اللہ سے ڈرا جائے گا تو لازماً ہر گناہ کرتے وقت خوف کا غلبہ ہوگا اور اللہ کا دھیان آئے گا پھر یہی دھیان اس سے تعلق پیدا کردے گا اور تعلق بڑھتے بڑھتے انس کی صورت اختیار کرلے گا پھر انس بڑھتے بڑھتے محبت میں تبدیل ہو جائے گا اور جب محبت ہوگئی تو نورٌ علیٰ نور۔ اب تو یقیناً آخرت کی کامیابی میں شک نہیں، اس لیے پہلے تو اللہ کے ڈر سے کام ہوتا تھا۔ محبت جو ہوگئی تو اس کی رضا وخوشی کی فکر ہوگئی اور یہ فکر ہر وقت رہنے لگی کہ کون سا کام کروں جس سے وہ خوش اور راضی ہو اگرچہ بہت سے کام آدمی ڈر سے ٹھیک ٹھیک انجام دیتا ہے، لیکن پھر بھی ڈر اور محبت میں بڑا فرق ہے، ڈر سے آدمی جبراً کام کرتا ہے، اگر نہ کریں گے تو نہ جانے کیا حشر ہوگا اور کیسی مصیبت نازل ہوگی مگر اتنے ڈر کے باوجود بھی بھول چوک ہو جاتی ہے اور قصداً بھی لوگ خطا کر جاتے ہیں، لیکن محبت میں بھول چوک

(۱) سورہ مطففین آیت نمبر ۲۷، ۲۸

کہاں؟ وہ تو محبوب کی خوشی پر آمادہ کرتی ہے، نئی نئی ترکیبیں سجھاتی ہیں اور محبت ہر آن محبوب کی خوشی چاہنے میں کوشاں رہتا ہے، اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ جو خوشی محبت کے کام سے ہوتی ہے وہ جبراً کام سے نہیں ہوتی، اس لیے میں اوپر عرض کر آئی ہوں کہ محبت کا درجہ ڈر سے بہت بلند ہے، وہ ہر ایک کو نہیں ہوتی، اگر قسمت سے یہ چیز کسی کو حاصل ہوگئی تو ڈر تو صرف اس کو نجات دینے والا ہے، اور دوزخ سے بچانے والا ہے، لیکن محبت تو نہ جانے اس کو کہاں سے کہاں پہونچادے گی، اور بہت اعلیٰ وارفع مقام اس کو حاصل ہو جائے گا، آپ بھی غور کیجئے گا کہ اگر آپ سے کوئی محبت کرے گا تو لازماً آپ کو بھی اس سے محبت ہو جائے گی اور اس کی خوشی آپ کو مدنظر ہوگی، اس کی خوشی کے لیے آپ اس کی انتہائی خاطر و مدارات کریں گی۔ پھر جتنی محبت بڑھتی جائیگی اتنی ہی خاطر و مدارات میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا پھر جو اللہ رب العالمین سے محبت کرے گا تو اس محبت کا انعام اس کو کیا ملے گا، اس کے لیے بڑی تفصیل کی ضرورت ہے، آخرت میں دیکھنے والے دیکھیں گے اور پانے والے پائیں گے یہاں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ انعام ان کو ملے گا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے دل میں اس کا تصور آ سکتا ہے، پھر آخرت تو بعد کی بات ہے ان کو تو دنیا ہی میں اللہ سے قرب حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے مقرب بندے بن جاتے ہیں اور ایسے مقرب کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرمائے اور جو وہ زبان سے کہہ دیں تو اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرے۔

ظاہر ہے کہ جب دنیاوی بادشاہوں کے مصاحب کو عروج حاصل ہو جاتا ہے، تو پھر بادشاہوں کے بادشاہ اور شہنشاہ دوعالم کے مقرب بندوں کے عروج وکمال اور اعلیٰ مراتب کا کیا پوچھنا ان کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی عزت اور ایسی قدر و منزلت عطا ہوتی ہے کہ مصاحب تو مصاحب بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں۔

خیر قصہ مختصر، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں محبت کا ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ وہ

ہر ایک کو نہیں ہوتی، ہاں دھیان کرتے کرتے اور حسن ظن رکھتے رکھتے پیدا ہو جاتی ہے، لیکن انھیں کو جو اسکی فکر میں رہتے ہیں مگر ڈر تو انسان کے رگ رگ میں سمایا ہے اس کو کہیں مول لینے جانا نہیں ہے ہاں بس اتنی بات ہے کہ کوئی بندوں سے ڈرتا ہے اور کوئی معبود سے۔ سو اللہ تعالی نے اس آیت میں یہی فرمایا ہے کہ اللہ سے ڈرو یعنی تمام ڈر نکال کر صرف اللہ سے ڈرو، جب ہی تم کو دنیا و آخرت کی برائیوں اور مصیبتوں سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا خوف اور ڈر ہر مسلمان کے لیے بہت ضروری اور اہم چیز ہے مگر افسوس ہے کہ اب ہم کو صرف ایک سبق یاد رہ گیا ہے کہ اللہ رحیم ہے وہ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، دوسرا سبق بھول گئے یا اس کی اہمیت نہیں رہی کہ اللہ زبردست قہار بھی ہے، جہاں گناہوں کو درگذر کرنے والا ہے وہاں گناہوں کی سخت پکڑ بھی کرنے والا ہے۔

اللہ تعالی حضور اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے آپ میرے بندوں کو خبر دیدیجیے کہ میں بخشش والا رحمت والا ہوں اور یہ بھی بتا دیجیے کہ میرا عذاب بھی بہت دردناک ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالی نے تو ہم کو دونوں پہلوؤں سے خبردار کر دیا کہ میرے بندے دھوکہ میں نہ رہیں لیکن ہماری نگاہ صرف اسی پہلو پر ہے اللہ رحیم ہے بس اسی خیال اور اسی بھروسہ نے ہمارے دلوں سے اللہ کا ڈر نکال دیا، جسارت اور دلیری پیدا کر دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی اطاعت میں کمی ہو گئی اس کے احکام ٹھکرائے جانے لگے اس کے حکموں کی خلاف ورزی ہونے لگی اس کی یاد سے دل فراموش ہو گئے، اگر آج ہماری اور آپ کی نگاہ دونوں پہلوؤں پر ہو جائے تو یقیناً ہمارے اور آپ کے دل میں ویسا ہی ڈر پیدا ہو جائے جیسا کہ اس سے ڈرنا چاہیے، اور پھر جب ڈر پیدا ہو جائے تو ناممکن ہے کہ ہم اس کے خلاف مرضی کوئی کام کریں اور اگر غلطی سے کوئی کام برا ہو بھی جائے تو فوراً نادم ہو کر توبہ اور استغفار کر کے اپنے اللہ کو راضی کر لیں، لیکن جب ڈر ہی نہیں تو فکر ہی کس بات کی۔ کہا جا سکتا ہے کہ بھلا کوئی مسلمان ایسا بھی ہے جو اللہ سے نہ ڈرے اور میں کہتی ہوں کہ

سوائے خاص خاص مسلمانوں کے کوئی مسلمان بھی ایسا ہے جیسا ڈرنا چاہیے نہیں ڈرتا۔

بھلا اللہ سے ڈرنے والا بیٹھے بیٹھے نمازیں کھوسکتا ہے؟ روزے قضا کرسکتا ہے؟ جھوٹ بول سکتا ہے؟ جھوٹی قسم کھا سکتا ہے؟ گالی گلوچ مار پیٹ کرسکتا ہے؟ اللہ سے ڈرنے والا ماں باپ کی نافرمانی کرسکتا ہے؟ بہن بھائی کے حقوق پامال کرسکتا ہے؟ اپنے مسلمان بھائی بہن کا گلا دبا سکتا ہے؟ اللہ سے ڈرنے والی عورت شوہر کی نافرمانی کرسکتی ہے؟ اللہ سے ڈرنے والا مرد بیوی کے حقوق پر پانی پھیر سکتا ہے؟ اللہ سے ڈرنے والا غیبت کرسکتا ہے؟ بہتان باندھ سکتا ہے؟ چغلی کھا سکتا ہے؟ چوری کرسکتا ہے؟ جوا کھیل سکتا ہے؟ شراب پی سکتا ہے؟۔

بتائیے اور انصاف سے بتائیے! ٹھنڈے دل سے غور کرکے بتائیے! کہ کتنے مسلمان ان عیبوں سے بری ہیں اور ان میں سے کتنے گناہ ایسے ہیں جن سے ہم اور آپ بری ہیں پھر دعوی ہے کہ ہم خدا سے ڈرتے ہیں یہ کیسا دعوی ہے کہ دن رات دلیری اور جسارت سے بے کھٹکے گناہ کیے جائیں اور زبان سے کہے جائیں کہ ہم ڈرتے ہیں۔ یہ تو ڈر نہیں ہے، ڈر تو یہ ہے کہ ہم اپنے کو جہاں تک ہوسکے گناہ سے بچائیں اور اگر غلطی سے کوئی خطا سرزد ہوجائے تو لرز جائیں اور جب تک اس خطا کی معافی نہ مانگ لیں اور اس کے بدلہ میں کوئی نیکی نہ کرلیں چین سے نہ بیٹھیں، مگر ایسا کہاں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک غیبت ہی کو لے لیجیے کہ اللہ تعالی نے اس کی کیسی ممانعت فرمائی ہے اور کس گھناؤنی چیز سے اس کو تشبیہ دی ہے "ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند ہے" اس کو تو تم مکروہ سمجھتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ توبہ قبول کرنے والا رحمت والا ہے، کیا تم نے اس آیت شریفہ کو سن کر غیبت چھوڑ دی، توبہ کیجیے ہماری کوئی مجلس ایسی نہیں کہ جس میں غیبت نہ ہوتی ہو۔ جہاں دو عورتیں اکٹھا ہوئیں پھر مزہ یہ کہ اس مزے کے ساتھ مزہ لیکر غیبت کرتے ہیں گویا بڑی نیکی کا کام کر رہے ہیں اور لطف یہ کہ خوب سمجھ رہے ہیں کہ اللہ تعالی ہم کو دیکھ رہا ہے، ہماری ایک ایک بات کی اس کو خبر ہو رہی ہے، اور یہ بھی معلوم اور خوب معلوم ہے کہ اس کے مقرر کیے

ہوئے دونگہبان یعنی ''کراماً کاتبین'' دونوں کاندھوں پہ بیٹھے ہوئے ایک ایک بات لکھ رہے ہیں، مگر پھر بھی کچھ خیال نہیں اور جب خیال نہیں تو ڈر کون کہہ سکتا ہے۔

بڑی حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ اولاد ماں باپ سے ڈرے، بیوی شوہر سے ڈرے، شوہر بیوی سے ڈرے، بھائی بہن سے ڈرے، بہن بھائی سے ڈرے، دوست دوست سے ڈرے، ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی سے ڈرے، نوکر آقا سے ڈرے، آقا نوکر سے ڈرے، رعایا حاکم سے ڈرے اور حاکم رعایا سے ڈرے اور اللہ کے بندے اللہ سے نہ ڈریں۔

کتنی تعجب خیز بات ہے کہ جن کی ناراضگی سے دنیا کا تھوڑا سا نقصان ہے ان کے نام سے تو چھپے چھپے اور بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔ رات دن ان کی خوشامد میں لگے رہتے ہیں، ان کی جوتیاں سیدھی کرتے ہیں اور جس کی ایک توجہ سے فقیر بادشاہ ہو جائے مفلس مالدار ہو جائے، غریب امیر ہو جائے، امیر کی امارت میں چار چاند لگ جائیں، بیمار شفا پائے، بے مرادوں کی مراد برآئے اور جس کی ایک نگاہ قہر سے صرف ایک اشارے پر دنیا تہہ وبالا ہو جائے، جس کے ایک ''کن'' پر نظام عالم درہم برہم ہو جائے، ملک کا قلع قمع ہو جائے، بستیاں الٹ پلٹ جائیں، شہر برباد اور ویران ہو جائیں، بھرے گھر اجڑ جائیں، دریا خشک ہو جائیں، زمین سمندر بن جائے، اس زبردست قدرت والے حاکم کے محکوم ہو کر ایسی بے خوفی اور بے باکی!۔ ''اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ''(۱)

مختصر اور جامع نصیحتیں (مرتبہ جناب مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی مدظلہ)

(۱) ماؤں کو تاکید کرتی تھیں کہ اپنی بچیوں اور بچوں کو پہلے دین کی ہر بات سے واقف کرادو، قصے کہانیاں بھی کہو تو اس کا لحاظ رکھو کہ کوئی غلط بات نہ کہو۔

(۲) فرماتی تھی کہ پہلے اپنے میں اچھائیاں پیدا کرو، پھر دوسرے کو نصیحت کرو۔

(۳) پہلے دین کی باتیں بتاتیں، پھر سنتیں، پھر عورتوں سے فرماتیں: یہ سب اسے (بچہ) کو

---

(۱) سورہ یٰسین آیت نمبر ۸۲

خود سے نہیں آگیا ہے، یہ سب بتانے سے آیا ہے، اسی طرح اگر آپ اپنے بچوں کو بتائیں تو کون بچہ ہوگا جو نہ سیکھ سکے۔

(۴) فرماتیں جو چیز تمہارے نبی ﷺ کو پسند ہوا کرے، اس سے کبھی انکار نہ کیا کرو۔

(۵) فرماتی تھیں کہ علم حاصل کرو، مجھے دیکھو کہ میں نے کس طرح عربی پڑھی، اپنے شوق سے پڑھی، جس سے موقع ملا اس سے پڑھی، بھائی صاحب (مولانا عبدالعلی صاحب) سے پڑھا۔

(۶) فرماتی تھیں کہ دل مارنے کی عادت ڈالو، جو جی چاہے کر گزرو، یہ ٹھیک نہیں ہے۔

(۷) غلط بات پر تنبیہ کرتیں، دعاؤں کے یاد کرنے کی تلقین کرتی تھیں۔

(۸) ان کی یہ نصیحت تھی کہ اگر غیبت کی عادت چھڑانا ہو تو غیبت کے بعد دو رکعت نفل توبہ کی، بطور جرمانہ ضرور پڑھ لیا کرو، یہ بری عادت انشاء اللہ جاتی رہے گی۔

(۹) فرماتی تھی کہ کبھی کسی سے سوال نہ کیا کرو، صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو، وہی ہے دینے والا۔

(۱۰) فرماتی تھیں کہ دعاؤں کے ذریعے مدد چاہو، یہی دعائیں کام آئیں گی۔

(۱۱) فرماتی تھیں کہ سوائے اللہ کے کسی سے امید نہ رکھو، غیبت نہ کرو، برا بھلا نہ کہو، صبر میں بڑی بھلائی ہے۔

(۱۲) فرماتی تھیں کہ حدیث پاک میں ہے کہ قرب قیامت میں کوئی چیز مدد نہ دے گی، سوائے کلام اللہ کے، رسول اللہ ﷺ سے ساری منقول دعائیں یاد کرنے کی گھر والوں کو تلقین کرتیں۔

(۱۳) مصیبت اور پریشانی کے وقت عذاب الٰہی سے پناہ مانگنے کی تلقین کرتیں۔(۱)

---

(۱) حضرت مولانا شاہ قمر الزماں الہ آبادی زید مجدہم نے اپنی کتاب اقوال سلف کے لئے محترمہ امۃ اللہ تسنیم سے متعلق مضمون اور ان کے ملفوظات ان کے پوتے مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی مدظلہ سے مرتب کرائے تھے جو اقوال سلف میں شامل ہیں اسی سے یہ ماخوذ ہیں۔

گناہ اور ان کے نقصانات

مرحومہ امۃ اللہ تسنیم نے اس میں ان گناہوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس میں عورتیں مردوں کے مقابلہ زیادہ مبتلا ہیں۔ وہ فرماتی ہیں:

آج کل عورتوں میں جو نقائص پیدا ہو گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ جن سے آخرت اور دنیا دونوں میں ذلت ورسوائی ہے، یہ عیوب ہماری نگاہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتے، نہ اس کی اہمیت ہے، لیکن اللہ ورسولؐ کے نزدیک بڑے اہم گناہ ہیں، دن رات ہم کرتے رہتے ہیں اور کچھ نہیں سمجھتے کہ کل اس کا کیا انجام ہونے والا ہے، جسم کا ایک رواں میلا ہو جائے تو دل بے چین ہو جائے اور روح جو گندگیوں سے زنگ آلود ہوگئی اس کو پاک وصاف کرنے کی کچھ فکر نہیں، فکر تو بڑی چیز ہے خیال تک نہیں، وہ عیوب یہ ہیں:۔

غیبت، چغلی،، بہتان، دورخی باتیں، لعن طعن، قسمیں کھانا، جھوٹ بولنا، رسم ورواج کی پابندی، اوہام پرستی، قبر پرستی، بے اعتقادی، بے پردگی، باریک کپڑوں کا استعمال وغیرہ۔

اب میں ہر عیب کو الگ الگ عنوان کے ساتھ لکھتی ہوں تاکہ پوری وضاحت ہو جائے اور ہر عیب کے نتائج معلوم ہو جائیں اور ان عیوب پر قرآن واحادیث سے جو ممانعت اور وعید آئی ہے اس کا بھی صحیح علم ہو جائے۔

غیبت

اپنے مسلمان بہنوں اور بھائیوں کے وہ عیوب لوگوں کے سامنے بیان کرنا جو ان میں موجود ہیں اس کا نام غیبت ہے:

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ کیا غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم اپنے بھائی کو ایسی بات کہو جو اسے ناپسند ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر وہ بات اس میں موجود ہو۔ آپؐ نے فرمایا یہی

غیبت ہے اور اگر وہ بات نہیں ہے جو تم نے کہی ہے تو یہ بہتان ہے۔(۱)

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ چیز کس درجہ میں ہم میں موجود ہے، کوئی مجلس ایسی نہیں ہوتی جس میں غیبت نہ ہو۔ جہاں چار عورتیں اکٹھا ہوئیں، غیبت شروع ہوگئی، پھر صورت وسیرت کی برائی، عقل وعادت کی برائی، کوئی کالا ہے تو کوئی گورا، کوئی کنجوس ہے تو کوئی سخی، اور صورت کی برائی تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے اس لیے کہ صورت تو اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ "(۲)

ترجمہ: ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم کو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند ہے یہ تو تم مکروہ سمجھتے ہو، اللہ سے ڈرو اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس زمانے میں اول تو نیک بات کہنے کا فقدان ہے اور دو چار جو ہوبھی جاتی ہیں وہ غیبت کے نذر ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کی آج ہم نے غیبت کی ہے کل وہ حشر کے دن اس کے بدلہ میں ہماری نیکیاں لے لے گا اور ہم خالی ہاتھ رہ جائیں گے اللہ تعالیٰ ایسے خسارے سے ہم سب کو بچائے۔

چغلی، بہتان:

یہ عادت بھی اتنی بری ہے کہ اس سے آپس میں فساد برپا ہوتا ہے اور فساد اللہ کو بہت ناپسند ہے، چغلی کھانے والا ہمیشہ ذلیل رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " ھَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِیْمٍ " (۳)(ذلیل ہے طعن کرنے والا اور چغلیاں کھانے والا) آخرت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم

(۲) سورہ حجرات آیت نمبر ۱۲

(۳) سورہ نون آیت ۱۱

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا چغل خور جنت میں نہ جائے گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو بتاؤں کہ بہتان کیا چیز ہے وہ چغلی ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں فساد برپا ہو۔ (صحیح مسلم)

دورخی بات

یہ عادت بھی عورتوں کی فطرت بن گئی ہے کہ منہ پر تعریف اور پیٹھ پیچھے برائی یہ بھی بڑے عیب اور گناہ کی بات ہے اور نفاق کی علامت ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے ہم سے کہا کہ ہم لوگ بادشاہوں کے روبرو کچھ اور کہتے ہیں اور پیٹھ پیچھے کچھ اور کہتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ہم اس کو نفاق سمجھتے تھے۔ (صحیح بخاری)

حسد:

یہ مرض بھی عورتوں میں کثرت سے پایا جاتا ہے اور یہ اتنا بڑا مرض ہے کہ اس سے سراسر اپنا ہی نقصان ہے، جس میں یہ مرض ہے وہ دن رات دوسروں کو بڑھتا دیکھ کر کڑھتا اور جلتا رہتا ہے اور یہ جلن کڑھن بالکل بے سود ہوتی ہے پھر اسی حسد کی بدولت جان و مال میں نقصان الگ ہوتا ہے اور دین کا نقصان الگ، پھر اس مرض سے اور بھی امراض پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً غصہ، جلن، کینہ، عیب جوئی وغیرہ، جتنا حسد بڑھے گا اتنی ہی جلن اور غصہ پیدا ہوگا، اور کچھ بس نہ چلے گا تو اس کی غیبت ہی کر کے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے جائیں گے، پھر سب سے بری بات یہ کہ یہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ فلاں کو کیوں دیا ہم کو کیوں نہ دیا۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔........

”اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَا آتَاهُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ“

(سورہ نساء آیت نمبر ۵۴)

(ترجمہ) یا جلے مرتے ہیں لوگوں سے اس بات پر جو اللہ نے اپنے فضل سے لوگوں کو مرحمت فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حسد نیکیوں کو اسطرح کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے۔ (سنن ابی داوود)

بدگمانی:

بدگمانی بھی عورتوں کا خاص مرض ہے اور بدگمانی اتہام کی جڑ ہے جس میں یہ مرض ہے وہ اتہام سے نہیں بچ سکتا اور اتہام بہت ہی بڑا گناہ ہے اور اتہام کی بھی .... دو قسمیں ہیں ایک تو روزمرہ کے معمولی معاملات پر، دوسری قسم یہ کہ بھولی بھالی پاک دامن عورتوں اور لڑکیوں پر اتہام لگانا، یہ بڑے غضب کی بات اور سخت ترین گناہ ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ" (سورۃ النور، آیت نمبر ۱۵)

ترجمہ: اور جب تم اس کو اپنی زبانوں پر لانے لگے اور اپنے منھ سے ایسی بات کہنے لگے جس کی تم کو خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھتے ہو حالانکہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔

اس عادت کے بدولت گھر کے گھر تباہ ہو گئے، میاں بیوی میں ہمیشہ کے لیے جدائی ہو گئی اتہام لگانے والے الگ ہو گئے اور بنے گھر بگڑ کر رہ گئے یہ سب بدگمانی کے کرتوت ہیں۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

"يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"
سورۃ الحجرات آیت نمبر ۱۲

ترجمہ: اے ایمان والو بہتیرے گمانوں سے بچتے رہو بیشک بعض گمان گناہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدگمانی سے بچو، بدگمانی بہت جھوٹی بات ہے۔ (صحیحین بخاری ومسلم)

ریا:

یہ مرض بھی عورتوں میں بہت ہے شاذونادر ہی کوئی عورت اس سے بچی ہوگی یہ مرض ایسا خطرناک ہے کہ تمام نیکیوں پر پانی پھیر دینے والا ہے۔ صدقہ خیرات، نماز روزہ کرنا سب بے سود، دنیا کا نفع صرف تھوڑی دیر کی واہ واہی اور شہرت ہے کہ فلاں عورت خوب نمازیں پڑھتی ہے، خوب روزہ رکھتی ہے، یا بہت صدقہ خیرات کرتی ہے، بس۔ اور آخرت کا نقصان تو بہت بڑا ہے کہ سارے عمل اکارت، کیا کرایا سب بیکار کیونکہ خدا کی خوشی کے لیے یہ عمل کیے ہی نہیں گئے کہ مقبول ہوں اور ان کا اجر ملے، دنیا کے دکھاوے کے لیے کیے گئے تھے، سو دنیا والوں سے اس کی واہ واہ مل گئی، اگر اللہ کے لیے کیے جاتے تو اللہ سے اجر ملتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ (سورۃ نساء آیت نمبر ۱۴۲)

(ترجمہ) لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑے۔

احسان جتانا

یہ عادت بھی عورتوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے، دے کر احسان جتانا، احسان کر کے اپنا غلام سمجھ لینا۔ حالانکہ ایسا دینا دلانا سب بیکار، اس سے تو نہ دینا بہتر ہے کہ بے چارے غریب کا احسان کے بوجھ سے سر تو نہ جھکتا شرمندگی نہ ہوتی، یہ بڑی تکلیف دہ بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کام اللہ کے لیے کیا جاتا ہے تو اس میں اللہ سے صلہ ملنے کی تمنا ہوتی ہے اور دنیا سے کوئی غرض نہیں ہوتی، مگر جہاں دنیاوی غرض ہوئی وہاں یہی ہوگا کہ دنیا سے اس کو صلہ ملنے کی امید، اور نہ ملے تو تکلیف بھی ہوگی اور زبان سے اس کا اعادہ بھی ہوگا، یہ اتنی

بری عادت ہے کہ کہ اس کا حاصل نہ دنیا میں نہ آخرت میں، اللہ تعالی اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔

"وَلَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَى "(سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۶۴)

(ترجمہ) اے ایمان والو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا دے کرا کارت نہ کرو۔

لعن طعن کرنا:

اسی طرح لعنت کرنا بھی انتہائی سخت اور بے باکی کی بات ہے عورتیں کثرت سے لعنت کرتی ہیں اور پھٹکار ڈالتی ہیں، حالانکہ یہ اللہ کے رسولؐ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا طعنے دینے والا، لعنت کرنے والا، فحش بکنے والا اور زبان دراز مومن نہیں ہوسکتا۔(۱)

ایک حدیث میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان پر جاتی ہے، آسمان کے سب دروازے بند ہوجاتے ہیں تو پھر وہ لعنت زمین پر اترتی ہے تو زمین کے دروازے بھی اس پر بند ہوجاتے ہیں۔ پھر وہ دائیں بائیں پھرتی ہے اور جب کہیں راستہ نہیں پاتی تو جس پر لعنت کی گئی تھی، اگر وہ لعنت کے قابل ہوتا ہے تو اس پر پڑتی ہے ورنہ پلٹ کر لعنت کرنے والے پر آپڑتی ہے۔(۲)

قسمیں کھانا

قسمیں بھی آج کل عام ہوگئی ہیں اسکی اہمیت دلوں سے بالکل جاتی رہی بات بات پر قسم کھانا اب بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، اپنے اوپر نہ جانے دن میں کتنی قسمیں چڑھا لیتی ہیں، پھر اس کی ذرہ برابر فکر نہیں کہ کفارہ واجب ہوا یا نہیں۔ افسوس ہے کہ کتنے گناہ ایسے ہیں جو دن رات

---

(۱) سنن ترمذی) (۲) سنن ابوداود

ہم سے صادر ہوتے رہتے ہیں اور ہمیں کچھ خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ" (سورہ انعام آیت نمبر ۸۸)

ترجمہ: اللہ تمہاری لایعنی قسموں کو نہیں پکڑتا لیکن وہ تمھاری ان قسموں پر مواخذہ کرتا ہے جن کو تم مضبوط کرلو، تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا دینا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے پہنانا ہے، یا ایک غلام آزاد کرنا اور اگر یہ میسر نہ ہو تو تین روزے رکھے، جب تم قسم کھا بیٹھو اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔

اللہ تعالیٰ یہ فرمائے اور یہاں یہ حالت ہے کہ بات بات پر دلیری سے قسمیں کھاتی ہیں اور کفارہ کی فکر تو کیا پرواہ بھی نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو کر قسم کھائی کہ اس سے بات نہ کروں گی، پھر سب کی انتہائی سعی وسفارش اور بھانجے کی بے قراری نیز اس حدیث سے ڈر کر کہ جو کسی مسلمان سے تین دن سے زائد بول چال بند رکھے گا اور اسی حالت میں مرجائے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ قسم توڑ دی اور اس کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کئے، پھر بھی جس وقت قسم توڑنے کا خیال آتا تھا تو اس قدر روتی تھیں کہ آنسوؤں سے آنچل تر ہو جاتا تھا۔ اور اب تو قسم کھانا اور توڑ دینا کوئی بات ہی نہیں، اصل یہ ہے کہ نہ اللہ تعالیٰ کی عزت ہے نہ اس کے ناموں کی وقعت۔

جھوٹ:

جھوٹ بھی آج کل اس قدر رائج ہوگیا ہے کہ ہنر میں داخل ہوگیا، بات بات پر

جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں کھانا، انتہائی مبالغہ سے کام لینا، کھیل تماشہ ہے حالانکہ جھوٹ ایسی چیز ہے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، ہر برائی کا پیش خیمہ ہے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مجھ میں یہ خصلتیں ہیں، چوری شراب اور جوا، آپؐ نے فرمایا کہ جھوٹ چھوڑ دو۔ وہ چلا گیا لیکن دل میں سوچتا تھا کہ ایک جھوٹ چھوڑ دینے سے دوسری برائیاں کیسے جاسکتی ہیں۔ رات آئی، چوری کا ارادہ کیا لیکن معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ حضور ﷺ پوچھیں گے تو جھوٹ بولنا پڑے گا یہ خیال کر کے چوری کے ارادے سے باز آیا، پھر شراب، پھر جوے کا خیال ہوا اور ہر دفعہ یہی ڈر مانع آیا کہ حضور ﷺ پوچھیں گے تو جھوٹ بولنا پڑے گا، غرض ایک جھوٹ کے ڈر سے اس کی سب برائیاں چھوٹ گئیں۔

حقیقت میں جھوٹ ایسی ہی چیز ہے کہ جو اس سے نہ بچا وہ کسی برائی سے نہ بچا پھر جھوٹ بولنے والے کا اعتبار نہیں ہوسکتا۔ مگر اب یہ حال ہے کہ اعتبار کھوئے، ذلیل ہونا پڑے، خواہ کچھ ہو لیکن جھوٹ نہ چھوٹے کیونکہ وہ ایسا ہنر ہے جس سے اس فانی دنیا کی ہر چیز حاصل ہوتی ہے، ذلت ہو تو ہو، اعتبار جائے تو جائے، چند دن یا چند گھنٹہ کا فائدہ تو ہو گیا۔

شرک وبدعت

یہ مرض بھی خاص عورتوں کا ہے اس میں اس شدت سے عورتیں مبتلا ہیں کہ فرض قضا ہو جائے لیکن شرک و بدعت کا کوئی شوشہ نہ چھوٹے حالانکہ شرک و بدعت کے بارے میں قرآن وحدیث میں ایسی وعیدیں آئی ہیں کہ دل والے تو تھرا اٹھیں، مگر ان سے ڈرے کون، مسجدیں سونی پڑی ہیں اور قبریں سجدہ گاہ بنی ہوئی ہیں اللہ کو جو خالق ومالک ہے بھول گئے اور بزرگوں پر جان ودل سے قربان، ان سے سوال بھی ہو رہے ہیں ان کے نام کی نذر و نیاز بھی ہو رہی ہے، قبروں پر منت کی چادریں بھی چڑھ رہی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے اور پانچ وقت کی جو نماز فرض ہے وہ ادا نہیں ہوسکتی، بدعت کو لیجیے تو کونڈے بھرے جاتے ہیں شب برات کے حلوے کا ناغہ نہ ہو، محرم میں کھچڑا ضرور پکے، گیارہویں کو پلاؤ زردہ پکایا جائے، مگر بقرعید کے دن جو قربانی فرض ہے اس

کے لیے پیسہ نہیں، عقیقہ کے لیے ایک بکری مشکل ہے، ہم نے مانا کہ اس میں مردوں کا بھی ہاتھ ہے، لیکن اگر عورتیں اس کام کو چھوڑ دیں اور بضد ہو جائیں تو سب مرد راہ راست پر آجائیں مگر یہ ساری خرابیاں عورتوں ہی کی ذات سے ہیں، عورتیں ہی زیادہ تر اس معاملہ میں پکڑی جائیں گی اور شرک جیسا گناہ جس کے متعلق اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی چاہے گا تو تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ لیکن شرک نہ معاف کرے گا اور بدعت کے متعلق حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے دین میں نئی بات ایجاد کی وہ ہم سے نہیں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ حوض کوثر پر لوگوں کو پانی پلائیں گے اور اور بدعتیوں سے منھ پھیر لیں گے۔

رسم ورواج:

اسی طرح رسم ورواج کی پابندی ہے کہ رسم ضرور ادا کریں گے خواہ چوری کریں ڈاکہ ڈالیں، رشوت لیں، سود لیں، لیکن رسموں میں فرق نہ آئے، یہ آج رسم ورواج کی وجہ سے گھرانوں کے گھرانے تباہ وکنگال ہو گئے لیکن اس تباہی پر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں۔

شگون وفال:

عورتیں ہی اس مرض میں مبتلا ہیں، الو بولا تو وہ سہمیں، بلی، کتا رویا تو وہ ڈریں، کوّا سر پر بیٹھا تو وہ سمجھیں کہ بس اب موت ہے، کوّا دیوار پر بولا تو شگون لیا، ٹونے، ٹوٹکے، تعویذ گنڈے، مان دان۔

غرض کہ ان کی پوری زندگی اسی کے نذر ہو جاتی ہے، پھر جیسا عقیدہ ہوتا ہے ویسا ہی اللہ تعالی کر بھی دیتا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ہم بندے کے گمان کے ساتھ ہیں جیسا وہ گمان کرتے ہیں ویسا ہی ہم معاملہ کرتے ہیں ایک مجلس میں حضور ﷺ نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بے حساب بے کتاب جنت میں جائیں گے، لوگوں کو حیرت ہوئی کہ وہ کون لوگ ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو پھونک جھاڑ نہیں کرتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔(۱)

---

(۱) صحیح بخاری وصحیح مسلم

فیشن پرستی:

باریک لباس تو اس قدر عام ہوگیا ہے کہ جس کو دیکھو وہی زیب تن کئے ہوئے ہے۔ نت نئے فیشن بدل کر اور باریک سے باریک کپڑا پہن کر بے دھڑک بغیر برقعہ کے گھر سے نکلنا، بازاروں کے صدقہ ہونا، گلی کوچوں کی خاک اڑانا، نئے انداز سے سڑکوں پر چلنا، بے حیائی، بے حجابی کے ساتھ غیر مردوں سے ملنا، ہنستی کھیلتی ایک طرف سے آنا اور دوسری طرف سے نکل جانا، انھیں عورتوں کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ عورتیں جو ظاہر میں کپڑا پہنتی ہیں مگر حقیقت میں ننگی ہیں مائل کرنے والیاں، مائل ہونے والیاں ان کے سر ''بختی اونٹ'' کے جھکے ہوئے کوہان کی طرح ہیں ایسی عورتیں نہ جنت میں جائیں گی نہ اس کی خوشبو پائیں گی اگرچہ اس کی خوشبو دور سے پہنچتی ہے۔

خدا معلوم زمانہ کتنی کروٹیں بدل چکا ہے، انقلاب پر انقلاب آئے، لاکھوں بستیاں اجڑ گئیں، سیکڑوں مکانات منہدم ہوگئے، سیکڑوں بستیاں زلزلہ اور طوفان سے الٹ پلٹ گئیں، مگر واہ رے دل اس میں تغیر نہ آیا، یہ اپنی جگہ اٹل ہے، وہی معصیت ونافرمانی، وہی خدا فراموشی، وہی ذوق وشوق، وہی سیر وتفریح۔ کل کی بات ہے کہ بارش کی فراوانی اور دریا کی طغیانی نے کتنی جانیں تلف کیں، کتنا مال واسباب ضائع ہوا، کتنے مکانات نیست ونابود ہوگئے، کتنے انسان بے خانماں برباد ہوگئے، فاقے کئے، مصیبتیں جھیلیں، کیسی عبرت کا مقام تھا لیکن بجائے عبرت وسبق حاصل کرنے کے، سیر وتفریح کی شائق، ان بیکس انسانوں کی مصیبتوں کو تماشہ سمجھ کر اس ہولناک منظر کا تماشہ دیکھنے کے لیے جوق در جوق نکل آئیں اور ایسے مقام پر ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے، جہاں سے ان بیکسوں کو مدد پہنچائی جارہی تھی ۔لوگ اس وقت مدد پہنچا رہے تھے اور یہ حارج ہورہی تھیں۔(۱)

---

(۱) مرحومہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کا یہ مضمون رسالہ کی صورت میں اخلاقی خرابیاں اوران کا وبال کے عنوان سے مولانا علی میاں ندوی فاؤنڈیشن لکھنؤ سے محب گرامی جناب شیراز الدین صاحب نے شائع کیا ہے جس پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا مقدمہ بھی ہے۔

باب یازدہم

وفات

مسرت کے دن اور دعاؤں کی طرف خصوصی رغبت اور اہل خاندان کے لئے ایک سخت امتحان

ندوۃ العلماء میں منعقد بین الاقوامی کانفرنس جو تعلیم کے موضوع پر تھی، امۃ اللہ تسنیم مرحومہ اس کی کامیابی کے لیے پوری طرح متوجہ الی اللہ رہی تھیں اس کانفرنس کا انعقاد آخر اکتوبر ۱۹۷۵ء اور نومبر کی ابتدائی تاریخوں میں ہوا، اس کے داعی ومحرک ان کے عزیز از جان بھائی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء تھے، یہ رائے بریلی میں اپنی بہن بھاوج اور بھتیجیوں اور بعض دوسرے افراد خاندان کے ساتھ مقیم تھیں ، بھانجہ مولانا سید محمد ثانی حسنی بھی ان لوگوں کے خاطر وہیں رک گئے تھے اور باوجود خواہش کے شریک نہ ہوسکے، دوسرے بھائیوں نے لکھنو میں رہ کر اس میں حضرت مولانا کا ہاتھ بٹایا اور وہ والدہ معظّمہ اور خالہ محترمہ کے ساتھ رہے ٹھیک انہی دونوں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپور میں اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب دہلی میں مرکز نظام الدین میں دعاؤں کا اہتمام فرماتے رہے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں حضرت مولانا محمد احمد پرتاپگڑھی اور حضرت مولانا عبیداللہ بلیاوی متعدد افراد کے ساتھ معتکف ہوکر دعاؤں وغیرہ میں مشغول تھے، باقی اس عظیم بین الاقوامی کانفرنس کی صدارت شیخ الازہر علامہ شیخ عبدالحلیم محمود مصری کررہے تھے، اور دنیا کے مختلف ملکوں کی سربرآوردہ علمی دینی فکری وسیاسی شخصیتیں شریک ہورہی تھیں۔ کانفرنس بڑی کامیاب اور تاریخ ساز ہوئی جس کی مسرت بے پناہ ان کو ہوئی لیکن تین مہینے بھی گذرے نہیں تھے کہ ان کی بیماری اور پھر

وفات نے پورے خاندان کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا اور سبھی اہل تعلق دم بخود ہو کر رہ گئے اور تسلیم ورضا کے علاوہ چارہ نہ رہا۔

علالت اور وفات

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کاروان زندگی حصہ دوم ص،۱۹۶/۱۹۷ میں لکھتے ہیں:

''ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ کامیاب تاریخی جشن سے فارغ ہو کر جب اپنے وطن رائے بریلی واپس آیا اور گھر میں قدم رکھا تو سب سے پہلے میری چھوٹی ہمشیرہ (مجھ سے بڑی) امۃ اللہ تسنیم صاحبہ جو کچھ دنوں سے علیل تھیں بڑھ کر سامنے آئیں اور انھوں نے بڑی مسرت کے ساتھ اس عظیم تاریخی اجلاس کی کامیابی پر مبارک باد دی، جس کی کامیابی اور میری سرخ روئی کے لیے انہوں نے بڑی دعائیں کی تھیں اور ختم پڑھے تھے یہ نہیں معلوم تھا کہ صرف دو مہینے کے فصل سے ان کی جدائی کا وہ واقعہ پیش آئیگا، جو صرف یہی نہیں کہ اس مسرت کو حزن سے بدل دے گا بلکہ سالہا سال کے لیے دل پر ایک نقش چھوڑ جائے گا والدہ صاحبہ مرحومہ کے بعد وہی ہمارے گھر کی برکت ورونق اور ہمارے لیے دن رات دعا کرنے والی تھیں۔(۱) ۱۷ر جنوری ۱۹۷۶ء کو مجھے ناگپور، اورنگ آباد اور پونہ وغیرہ کے دورہ پر روانہ ہونا تھا، ان دنوں علاج کے لیے وہ لکھنؤ آئی ہوئی تھیں، میں شام کو دارالعلوم سے گھر آیا کہ ان کو سلام کرتا اور ان سے دعا لیتا سفر پر روانہ ہوں، اس وقت کوئی علامت خطرہ اور فوری تشویش کی نہیں تھی میں دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا، چلتے وقت مجھے حسب معمول رخصت کیا اور والدہ مرحومہ کی عادت کے مطابق "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ" پڑھ کر اللہ کی حفاظت

(۱) بڑی ہمشیرہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ اس گھر سے متصل اپنے گھر میں رہتی تھیں اور امۃ اللہ تسنیم مرحومہ حضرت مولانا کے ساتھ رہتی تھیں اور اسی گھر میں ان کی ساری دینی تعلیمی وتربیتی سرگرمیاں تھیں جس سے اس گھر میں بڑی بہار اور رونق تھی (محمود)

میں دیا، کیا معلوم تھا کہ شعور اور ہوش کی حالت میں ان سے یہ آخری ملاقات ہے، دوران سفر میں مجھ پر واپسی کا ایسا شدید تقاضا ہوا کہ اپنے مزاج وعادت کے خلاف کسی کا اصرار غالب نہ آیا اور آگے کا سارا پروگرام ملتوی کر کے اورنگ آباد سے دہلی بذریعہ ہوائی جہاز اور دہلی سے کانپور بذریعہ ٹرین اور کانپور سے بذریعہ کار ۲۵ جنوری کو بعد مغرب لکھنو پہونچا موٹر سے قدم رکھتے ہی یہ خبر بجلی بن کر گری کہ وہ بالکل بے ہوش ہیں۔ کئی مریضوں کا حال دیکھ چکا ہوں اور ایک طبی گھرانے سے تعلق ہے، اس لیے اس کے آخری نتائج بجلی کی طرح آنکھوں کے سامنے آگئے، یہ دو تین دن کیسے گذرے اس کو تفصیل سے سنانے کا موقع نہیں، زندگی کے سخت ترین دنوں میں شمار ہیں، انسان کی بے بسی زندگی کی بے حقیقتی، دنیا کی بے ثباتی اللہ کے ارادہ کی قاہری اور فرمانروائی سب حقیقتیں منکشف ہوگئیں، بالآخر ۲۸/ جنوری ۱۹۷۶ء کو دس بجے صبح اسی گھر میں جس میں انہوں نے باپ اور بھائی کے سایہ میں بچپن سے جوانی اور کہولت، اور غم وخوشی کے بہت سے دن گزارے تھے جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور جگر کا یہ مصرع حسب حال ہوا۔ ع

''عمر بھر کی بے قراری کو آخر قرار آ ہی گیا'' (۱)

جنازہ آبائی وطن دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی لایا گیا، فخر عہد اور بڑے ہی چہیتے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ کے بائیں پہلو قبر میں اتارا اور جسم خاکی کو انتہائی اعزاز وتکریم کے ساتھ سپرد خاک کیا، کیوں نہ یاد آئے، حضرت فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ ﷺ کا جملہ جب انہوں نے حضرت انس خادم رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا جب وہ تدفین سے فراغت کر کے حاضر ہوئے تھے کہ تمہیں مٹی ڈالنا کیسے گوارا ہوا، ایسے موقع پر آنحضور ﷺ کا

---

(۱) کاروان زندگی حصہ دوم ص، ۱۹۶، ۱۹۷ مکتبہ اسلام لکھنؤ

ارشاد مبارک ہی سب سے قیمتی اور تسلی بخش ہے کہ "میرے سانحہ کو یاد کرلیا کرو"، سارے سانحات ایک پلّہ پر رکھ دیے جائیں، سامنے صرف سانحۂ نبویؐ ہو، سارے سانحے ہیچ نظر آئیں گے۔ "فداہ ابی وامی و کل مومن و آدمی"

محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے ۶۷ سال عمر پائی، سات سال نکال دیے جائیں تو پورے ساٹھ سال ذکر و عبادت، تعلیم و تربیت، تبلیغ و دعوت، تصنیف و تالیف، دعا و مناجات نعت وحمد اور دوسرے دینی و علمی مشاغل کے ہی نذر ہوئے (ذالك فضل الله يوتيه من يشاء)

امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی وفات کا اثر و صدمہ کس کو نہیں ہوا، چند تاثرات پیش کیے جاتے ہیں: پہلا تاثر بچوں کے طبقہ کا ہے جس کی نمائندگی اس وقت اور آج کے کہنہ مشق استاد اور عربی اردو کے انشاء پرداز عالم و فاضل حافظ و قاری مدیر و معلم مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی اس طرح کرتے ہیں، ان کے الفاظ ہیں:

"جب ان کو اسپتال لے جایا جارہا تھا تو ہر لڑکا گم سم بنا دیکھ رہا تھا، ہر دل ان کے لیے بے چین تھا، ہر دل سے دعا نکل رہی تھی، وہ مسلسل بے ہوش رہیں، تھوڑی دیر کے بعد کراہنے کی آواز آجاتی، کبھی کبھی حرکت بھی پیدا ہوتی، لوگوں کو ذرا سا سکون ہوتا اور ہم لوگ پوچھتے عائشہ بی اٹھیے گا، مگر کوئی جواب نہیں، صرف آنکھیں کھول کر دیکھتیں، سب لوگ بے قرار ہوجاتے، مگر دعا کے سوا کر بھی کیا کرسکتے تھے، ڈاکٹروں سے پوچھو تو کہتے کہ کوشش جاری ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے سوا ان کے پاس کوئی جواب ہی نہیں ہے...... بہر حال اللہ کو یہی منظور تھا، اس کی مرضی یہی تھی، بندے کر بھی کیا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو بلند سے بلند درجے عطا فرمائے" (آمین ثم آمین) (۱)

ایک منظوم تاثر انہی کے ہم عمر بلکہ کچھ بڑے لیکن رفیق درس اور خالہ زاد بھائی اور اب راہی عدم مولانا سید محمد اسحاق حسینی کا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:

---

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ۱۹۷۶ء

عائشہ بی مرحومہ کی یاد میں
آہ! ۲۸؍جنوری کی صبح

غم کا عالم طاری ہے چشم پرنم جاری ہے
رنج میں سب ہی ڈوبے ہیں سب پہ تاسف طاری ہے
دل میں قیامت برپا ہے لب پہ آہ و زاری ہے
ذکر خدا و ذکر رسولؐ یہ ان کی پھلواری ہے
علم وفن اور فضل و ادب باغ کے ان کی کیاری ہے
ان کی رحلت سے دنیا اندھیاری اندھیاری ہے
ان کے ''زادسفر'' کی اب ہر جانب پھلواری ہے
میری آنکھوں میں ان کی شکل بزرگ اور پیاری ہے
ان کو دعائیں دیتا ہے جو بھی ان کا قاری ہے
حمد و نعت و مناقب میں کیا ان کی گلکاری ہے
صنف شعر لطیف و شریف ان کے قلم پر واری ہے
ان پر رب کی رحمت ہو سب کی زباں پر جاری ہے
ان ہی پہ کیا موقوف بشر اک دن سب کی باری ہے (۱)

ایک رضوانی بہن کے جذبات

بیگم سید اصغر حسین ایڈوکیٹ سے کون واقف نہیں جس کا بھی تعلق رضوان سے رہا ہو یا پھر لکھنؤ سے، وہ ان کا قاری اور سامع رہا، ورنہ دینی و تعلیمی حلقوں میں کم از کم شہر لکھنؤ تک ان کا نام اجنبی اور نامانوس نہیں، وہ لکھتی ہیں:

''کل نفس ذائقة الموت''

---

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ۶ ۱۹۷ء

ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہوگا۔ ہمیشہ قائم رہنے والی خدا کی پاک ذات ہے، امۃ اللہ تسنیم کی موت نے ان کے برادر عزیز علی میاں اور رشتہ داروں، ملنے والوں کو خون کے آنسو رلا دیا ہے۔ کیا پیاری ہر دلعزیز ہستی تسنیمؒ کی تھی، امۃ اللہ تسنیم کے چہرے پر بلا کی دلکشی تھی، ایک بار اگر ان سے کوئی مل لیتا، تو دوبارہ ملنے کی تمنا لیکر اٹھتا تھا۔ امۃ اللہ تسنیم محبت وخلوص کی پیکر تھیں اپنے یا پرائے سب سے یہی برتاؤ تھا، نہایت شیریں مزاج، خاموش طبیعت بھولی بھالی شخصیت کی مالک تھیں، بات بہت ہی ناپ تول کر کرتی تھیں بہت دنوں سے ان سے ملنے کا اشتیاق تھا ہر خط میں لکھنؤ آنے کے لیے ان سے میں اصرار کرتی تھی بہت امید تھی کہ نومبر میں ندوۃ العلماء کے اجلاس میں ضرور آئیں گی، ہر ایک سے دریافت کیا مگر یہ معلوم کر کے بے حد مایوسی ہوئی کہ وہ نہیں آئیں افسوس امۃ اللہ تسنیم لکھنؤ آئیں اور ہمیشہ کے لیے چلی بھی گئیں، میں ان کا دیدار نہ کر سکی، ملاقات تو بہت کم ہوتی تھی مگر خطوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا، اگر کبھی میں نہ لکھ پاتی تو ان کا خط حال احوال دریافت کرنے کے لیے آجاتا، اب تسنیم کا خط کبھی نہیں آئے گا جس کا مجھے شدت سے انتظار رہتا تھا۔ لفافہ دیکھ کر اب بھی گمان ہوتا ہے کہ خوبصورت رائٹنگ سے تسنیم نے میرا پتہ لکھا ہوگا۔ اگر موت نے اجازت دی ہوتی تو وہ بغیر ملاقات کئے رائے بریلی واپس نہ جاتیں، کسی کی بیماری سن لیتیں فوراً دعائیں لکھتیں، میری بڑی دختر کے پیروں میں تکلیف رہتی ہے ہر خط میں حال دریافت کرتیں اس کے لیے کئی دفعہ تیل مالش کے لیے بھیجا ان کے دل میں ہمدردی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے مقبول بندہ یا بندی بنا دیتا ہے یہ شرف تسنیم کو حاصل تھا، کئی کتابوں کی مصنفہ تھیں "زادِ سفر" کس خوبی اور محنت سے عربی کا ترجمہ کیا تھا۔ ہر نعت ان کی دل سے نکلی ہوئی پر اثر ہوتی تھی، بڑی تمنا تھی کہ کچھ دنوں ان کی رفاقت میں تکیہ کلاں جا کر رہوں مگر یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ گھر کی مصروفیت نے اجازت نہ دی، میں سوچتی ہوں ان کی دائمی جدائی سے میرے دل کو اس طرح قلق اور رنج ہے تو ان

---

(۱) (رضوان نمبر ص ۱۳۵)

کے چھوٹے بھائی علی میاں اور رشتہ داروں کا کیا حال ہوگا علی میاں کچھ سال قبل ماں کی سرپرستی سے محروم ہو چکے تھے۔ اب بہن کی دفعتاً موت ناقابل برداشت ہے۔ مگر اللہ والے بہت صبر والے ہوتے ہیں۔ حالانکہ اچانک موت گہرا زخم پہونچاتی ہے۔ خدا سے دعا کرتی ہوں کہ ان کے خاندان کی خواتین میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ اب ان کی جانشین بحال کر سکیں اور یہی اوصاف اپنے میں پیدا کر سکیں جو مرحومہ کے تھے (آمین ثم آمین)(۱)

مدیر ''رضوان'' کا تشکر و اعتراف

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ ''مدیر'' ماہنامہ رضوان'' جو کہ محترمہ امۃ اللہ تسنیم کے بھانجہ ہیں ان کے سانحۂ ارتحال پر تحریر فرماتے ہیں:

''اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَعْطٰی وَلَہٗ مَا اَخَذَ وَ کُلُّ شیء عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمّیً

محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ (اللہ ان کی مغفرت فرمائے) میری محسن خالہ اور پورے خاندان کی شفیق اور نئی نسل کی مربی تھیں، ان کے وجود سے ہمارے گھروں میں خیر و برکت بھی تھی اور خاندان کی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی، ''رضوان'' کو ان کے قلم سے اور قارئین ''رضوان'' کو ان کے مضامین اور نظموں سے جو فائدہ پہنچا وہ ان خطوط سے ظاہر ہو رہا ہے جو ان کی تعزیت میں برابر چلے آرہے ہیں، ہم ان تمام بھائیوں اور بہنوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے ہمارے غم کو اپنا غم سمجھا اور مرحومہ کے لیے قرآن شریف پڑھا اور مختلف طریقوں سے ایصال ثوب کیا۔ امید ہے کہ ''رضوان'' کے ذریعہ انیس سال تک ''رضوان'' کے پڑھنے والوں سے مرحومہ کا جو قلمی تعلق رہا ہے اس کی بنا پر بھائی اور بہنیں ان کے لیے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرتی رہیں گی اور اس وقت ان کے حق میں یہی بڑی خدمت ہے، اللہ تعالی مرحومہ کو ہم سب کی طرف سے پوری جزا عطا فرمائے اور ان کی کتابوں، مضامین اور حمد و نعت سے (جو انہوں نے لکھ کر اور کہہ کر اپنے لیے ذخیرہ آخرت

(۱) رضوان امۃ اللہ تسنیم نمبر ص، ۶۱، ۶۲

بنایا تھا) برابر فائدہ پہونچا تا رہے، ان کی یاد میں انشاء اللہ یکم مئی کو ایک ''خاص نمبر'' پیش کیا جائے گا جس میں ان کے حالات زندگی، ان کی دینی علمی خدمات، تصنیفات، معمولات، سیرت و کردار کا تذکرہ کیا جائے گا جو انشاء اللہ قارئین رضوان کے لیے مشعل راہ کا کام دے گا اللہ سے دعا ہے کہ وہ مفید سے مفید نمبر پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس سے سب کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے۔

''رضوان'' کو ان کی معاونت اور سرپرستی سے جو فائدہ ہوا وہ سب جانتے ہیں۔ اللہ کو یہی منظور تھا کہ ہم سب سے وہ بے بدل نعمت لے لی جائے، اللہ تعالی ہم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، اب نئے معاون کی ضرورت پڑی ہے اور ہم نے اس پر غور کیا ہمارے خاندان کے بزرگ اور سرپرست خال مکرم مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندویؒ کی تجویز پر ''رضوان'' کی معاونت ادارت کے لیے عزیزہ امامہ حسنی اور عزیزہ میمونہ حسنی کا انتخاب کیا گیا ہے، ان میں اول الذکر میری لڑکی اور موخر الذکر برادر عزیز مولوی محمد رابع ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء کی لڑکی ہے اور ان دونوں نے محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہؒ کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی تھی اور ان دونوں پر مرحومہ کی بڑی نظر عنایت رہی ہے اور ان کو اپنی بیٹیوں کی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر رکھا اور تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا ان کے کوئی اولاد نہ تھی، یہی ان کی اولاد اور مرکز توجہ رہی ہیں ان دونوں کے مضامین بھی اکثر ''رضوان'' میں شائع ہوئے ہیں اللہ تعالی ان دونوں کو اس علمی اور قلمی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے اور ان کے قلم، عمر و ایمان اور صحت و عافیت میں برکت دے اور مرحومہ کا نعم البدل بنائے۔(۱)

ماہنامہ ''رضوان'' کا اطلاعی مضمون:

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی جو ماہنامہ رضوان سے متعلق تھے جس کی وہ معاون مدیر تھیں وہ اپنا تاثر اس طرح ظاہر کرتے ہیں:

(۱) رضوان مارچ ۱۹۷۶ء

آہ امۃ اللہ تسنیم

''ہفتہ عشرہ پہلے نہیں ابھی تین روز قبل یعنی ۲۴رجنوری کو کون جانتا تھا کہ ۲۸رجنوری کی صبح کو مدیرہ ''رضوان'' امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ ہوکر رضوان کی ادارت سے سبکدوش، ملت کی خدمت سے کنارہ کش اور اپنے عزیزوں، قریبوں سے دور جا بسیں گی۔

اس درمیان لکھنو ہی میں قیام تھا، ۲۵رجنوری ۴ربجے اچانک بے ہوش ہوگئیں، بعد مشورہ میڈیکل کالج لے جاکر پرائیوٹ وارڈ میں داخل کردی گئیں اور ڈاکٹر لوگ ہوش میں لانے کی تدبیروں میں مشغول ہوگئے، مولانا علی میاں صاحب ناگپور میں تھے، ہوائی جہاز سے تشریف لے آئے۔ ایڈیٹر رضوان مولانا محمد ثانی حسنی اور دوسرے اعزہ رائے بریلی سے تشریف لے آئے جس کو معلوم ہوا صحت کی دعا میں مشغول ہوگیا، انفرادی دعائیں بھی ہوئیں، مسجدوں میں اجتماعی دعائیں بھی ہوئیں، مولانا علی میاں نے اپنی بڑی بہن کے لیے کیا کیا دعائیں نہ کی ہوں گی، مگر یہ دعائیں، یہ کوششیں اللہ تعالی کی رضا تک تو پہونچا سکتی ہیں، اللہ کے حکم کو نہیں ٹال سکتیں، یہاں جو آیا ہے وہ جانے لیے آیا ہے، یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے بھی نہیں، ورنہ آج ہمارے حضورؐ اس دنیا میں موجود ہوتے اور ہم سب کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوتا۔

بہ گیتی گر کسے پایندہ بودے　　　ابوالقاسم محمدؐ زندہ بودے

مرحومہ کا بھی وقت پورا ہو چکا تھا، ہوش نہ آسکا، ۲۸رجنوری کی صبح کو گوئن روڈ کے گھر پر لے آئی گئیں اور تھوڑی ہی دیر کے بعد سارے متعلقین کو رنج وغم میں ڈوبا ہوا چھوڑ کر رفیق اعلی سے جا ملیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نعش لاری سے تکیہ کلاں رائے بریلی لے جائی گئی، ندوہ خبر پہونچتے ہی تقریبا چھٹی سی ہوگئی، مہتمم صاحب اکثر اساتذہ اور بہت سے طلباء مختلف ذریعوں سے تکیہ پہنچ گئے، خدا کی مصلحت وہاں ایک خوش قسمت جنازہ پہلے سے موجود تھا۔ یہ جنازہ مولوی

شرافت حسین (۱) کے خسر کا تھا، عصر بعد متصلا پہلے ان کی نماز حضرت مولانا ہی نے پڑھائی، پھر مرحومہ کی نماز ہوئی، عجیب نماز تھی مولانا علی میاں کی غم بھری اللہ اکبر کی تکبیر دلوں کو لرزاتی فضا میں گونجتی عرش کی طرف چلی جا رہی تھی، بعد نماز فورا روضہ شاہ علم اللہ میں تدفین عمل میں آئی اور اپنی والدہ ماجدہ کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے آرام کش ہوگئیں۔ اللہ تعالی بال بال مغفرت فرما کر جنت الفردوس عطا فرمائے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مرحومہ اچھی عالمہ، بہترین شاعرہ اور کئی کتابوں کی مصنفہ ومولفہ تھیں، مولانا سید حسین احمد مدنی سے بیعت کا تعلق تھا، آپ کی وفات نے مولانا علی میاں صاحب کے خاندان میں ایک بڑا خلا تو پیدا کیا ہی ہے، امت کی عام عورتوں میں بھی ایک خلا پیدا کر دیا ہے، جس کا غم ہر واقف کو ہے۔ لیکن مولانا علی میاں صاحب اور مولانا محمد ثانی صاحب پر نسبتا زیادہ اثر ہے۔ تمام قارئین سے مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت اور متعلقین کے لیے دعائے صبر کی درخواست ہے۔

آپ ایک مثالی خاتون تھیں اس ناتے سے بھی اور ماہنامہ رضوان کی معاون مدیر تھیں اس حق سے بھی "ماہنامہ رضوان" ان کے تفصیلی حالات پیش کرنے کی غرض سے اگلا شمارہ "امۃ اللہ تسنیم نمبر" نکال رہا ہے، انشاء اللہ تعالی۔

۲۸ر جنوری ۱۹۷۶ء۔ ۲۵ر محرم الحرام ۱۳۹۶ھ، (ہارون رشید صدیقی) (۲)

---

(۱) مولوی محمد شرافت خاں نام، گھربار چھوڑ چھاڑ کر تکیہ کے قریب میدان پور میں مدرسہ کی خدمت کے لئے مقیم ہوگئے، یہیں شادی کی، یہیں مکان بنایا، اب اس مدرسہ ضیاء العلوم کے ناظر تعمیر وترقی سے ترقی کر کے معاون ناظم ہیں اطال اللہ بقاءہ۔ (راقم کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ محمود حسنی

(۲) ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ، فروری ۱۹۷۶ء

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا اطلاعی مکتوب
بخدمت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کا سانحہ ارتحال ایک ایسا حادثہ فاجعہ تھا جس نے سبھی کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا تھا ان کی ذات بابرکات سے جو علمی و دینی نفع پہونچ رہا تھا، اور لوگوں کو جو ان کی شفقتیں اور دعائیں حاصل تھیں اور امت کی رہنمائی کا انہیں جو سلیقہ حاصل تھا اور تعلیم و تربیت میں جو ملکہ رکھتی تھیں، پھر ان کی شخصیت کی دل آویزی یہ سب وہ اسباب تھے کہ جن سے یہ سانحہ، عظیم حادثہ بن گیا، اس کا اثر بہت بعد تک اہل تعلق پر رہا، لیکن جو اثر ان کے بہن بھائی اور ان کی اولاد اور گھر کے خاص افراد پر پڑا اس کا اندازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کے نام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے اس مکتوب سے لگایا جا سکتا ہے جو انتقال کے ٹھیک ایک ماہ کے بعد تحریر فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں نے ۶/۵ رفروری کو ہمشیرہ کے انتقال کی اطلاع کا مفصل خط لیٹر بکس کے اس نمبر پر جو ہمارے یہاں عرصہ سے درج ہے بھیجا تھا، خدا کرے وہ نمبر صحیح ہو، اور ذمہ دار شخص کا ہو، اور یہ خط پہونچ گیا ہو،، ابھی تک کسی ایسے خط کے نہ آنے سے جس میں اس کا تذکرہ ہو شبہ ہوتا ہے کہ نمبر بدل نہ گیا ہو، صوفی اقبال کا خط آنے بعد کے خیال ہوا کہ شاید یہ نمبر زیادہ قابل وثوق ہو اس لئے اس پتہ پر لکھ رہا ہوں''۔

''ہمشیرہ مرحومہ نے اٹھائیس (۲۸) جنوری کی صبح انتقال کیا اسپتال سے ان کو اسی وقت گھر لے آئے تھے، ان کی بیماری کی نوعیت اور اسپتال کا علاج اور وہاں کی لمبی چوڑی تحقیقات اور اپنی بے بسی ایسی رہی کہ سارے عزیزوں کے دل پر بڑا اثر ہوا، پھر ان کے حالات زندگی اور ان کا خصوصی تعلق ایسا تھا کہ قلب پر اس حادثہ کا اثر بہت سے دوسرے حوادث سے زیادہ رہا، اب بھی جس وقت خیال آجاتا ہے دل پر ایک حزن کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، گھر میں ان

کے نہ ہونے سے بہت زیادہ سناٹا اور خلا محسوس ہوتا ہے، ان کی یادگار بھی سوائے ان کی تصنیفات کے جن میں "ریاض الصالحین" کا ترجمہ "زادسفر" سب سے زیادہ مقبول ہے کوئی نہیں۔ حضرت کو اس واقعہ کی اطلاع مختلف ذرائع سے ہوگئی ہوگی اور اس پدرانہ شفقت کی بناء پر جو ہم سب اہل خاندان پر ہے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب سے دریغ نہ فرمایا ہوگا" (۱)

دوسرا خط جو اس سے پہلے کا لکھا ہوا ہے اور حادثہ کے ساتویں روز تحریر فرمایا تھا وہ اور تاثر کا ہے: وہ بعینہٖ پورا نقل کیا جاتا ہے۔

دائرہ شاہ علم اللہؒ رائے بریلی

۴ر فروری ۱۹۷۶ء ۳ر صفر ۱۳۹۶ھ

مخدوم و معظم مشفق محترم دامت برکاتہ والطافہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، شدید انتظار واشتیاق کی حالت میں ایک ہی ڈاک سے حاجی یعقوب صاحب کے بمبئی سے پوسٹ کئے ہوئے دو کارڈ ملے جن میں غالباً ایک ۱۲، ۱۳ر جنوری کا دوسرا ۲۱ر جنوری کا لکھا یا ہوا تھا، یقین تھا کہ آنے والوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی نہ کوئی مکتوب گرامی آئے گا، اس لئے کہ میں کئی عریضے بھیج چکا تھا، اور عرصہ سے کوئی گرامی نامہ نہیں آیا تھا۔ آخری مکتوب مولوی عتیق صاحب سلمہ (۲) کے ذریعہ آیا تھا۔

سب سے پہلے جناب والا کو اپنے ایک اہم خاندانی حادثہ کی اطلاع دینی ہے وہ یہ ہے کہ ۲۸ر جنوری کو صبح میری سراپا شفقت اور مہر مادری کا نمونہ ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ جو خاندان میں عائشہ بی کے نام سے موسوم تھیں لکھنؤ میں انتقال ہوگیا۔ یہ مجھ سے بڑی اور بڑی

(۱) مرقومہ ۲۷ر صفر ۱۳۹۶ھ، ۲۸ر فروری ۱۹۷۶ء

(۲) (مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحبزادہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

بہن والدہ محمد ثانی سلمہ سے چھوٹی تھیں، انہی نے جناب والا کو مدینہ طیبہ میرے بارے میں ایک مرتبہ خط لکھا تھا کہ میرے بھائی کی آنکھ میں بصارت کے لئے آپ دعا فرمائیں، اولیاء اللہ کی دعاؤں سے تو بڑے بڑے کام ہو گئے ہیں، آپ نے بڑی شفقت سے جواب دیا تھا، ان ہی نے امام نوویؒ کی کتاب ''ریاض الصالحین'' کا ترجمہ ''زادِ سفر کے نام سے کیا تھا، جو دو جلدوں میں شائع ہو کر ہندوستان میں بہت مقبول ہوا، اور اس کے کئی ایڈیشن نکلے، اللہ تعالیٰ نے ذکر و دعا کا بہت شوق عطا فرمایا تھا، اور والدہ محترمہ کی وہ صحیح جانشین تھیں۔ ان کی پہلی بیعت حضرت مولانا الیاسؒ صاحب سے تھی، پھر حضرت مدنیؒ (۱) سے تجدید کی لکھنے پڑھنے اور ہم سب کے لئے دعا کرنے کے سوا ان کا کوئی مشغلہ نہ تھا، کئی مہینہ سے ان کو کوئی اندرونی تکلیف تھی، جس کا کوئی پتہ نہ چلا، لیکن چلتی پھرتی تھیں، سب کے کہنے سننے سے مجبوراً لکھنؤ گئیں، جس دن لکھنؤ پہنچیں اسی دن میرا ناگپور، اورنگ آباد، پونہ، بمبئی کا سفر تھا، مجھے اچھی طرح رخصت کیا، لیکن اورنگ آباد پہنچ کر میرے قلب پر ایسا اضطراب پیدا ہوا کہ سخت اصرار کے باوجود اور سابق پروگرام کے خلاف سب ملتوی کر کے جہاز سے سیدھا دہلی پہنچا، وہاں سے سیدھا لکھنؤ آیا، سواری سے قدم باہر رکھتے ہی معلوم ہوا کہ غشی کا دورہ پڑا ہے اور مکمل بے ہوش ہیں، ڈاکٹر آیا ہوا تھا، اس نے کہا فوراً میڈیکل کالج پہنچنا چاہئے، یہ ۲۵؍ جنوری کا واقعہ ہے، میڈیکل کالج میں داخل کیا گیا، ساری تدبیریں کی گئیں، لیکن کوئی کارگر نہ ہوئی، بالکل حضرت رائے پوری کا سا حال تھا (۲) کسی کسی وقت اللہ اللہ زبان سے نکلتا تھا، اور بس! اللہ مولوی معین اللہ صاحب کو جزائے خیر دے۔ ان کے اصرار سے گھر لے آئے، وہاں پہنچنے کے کئی گھنٹہ بعد جان جان آفریں کے سپرد کر دی، دو دن تین راتیں ان کی غشی اور تکلیف اور ہم لوگوں کی سخت کرب و بے چینی میں گذریں، اسی پریشانی میں جناب والا کو دعا

---

(۱) حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ متوفی ۷؍۱۳۷۷ھ ۱۹۵۷ء

(۲) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۲ء

کے لئے تار دیا، اتفاق سے دوسرے روز عزیز گرامی مولوی طلحہ صاحب (۱) رائے بریلی ،کانپور ہوکر لکھنو تشریف لائے ، وہ مرکز میں باہر بیٹھے ہوئے تھے، اور میں اندر سورہا تھا، خواب میں آپ کو دیکھا کہ لیٹے لیٹے ایک ہاتھ سے مجھے پنکھا جھل رہے ہیں، دوسرے ہاتھ سے نہایت محبت سے میرا ہاتھ دبا رہے ہیں، اس سے اضطراب میں کچھ فرحت اور تسکین ہوئی، نعش رائے بریلی لائی گئی، اور شاہ علم اللہ کے حظیرہ میں حضرت کی اہلیہ محترمہ کی پائنتے اور اپنی والدہ مرحومہ کے پہلو میں سپرد خاک کردی گئیں۔ اب ایک ہی قطار میں والد، والدہ اور بہن کی قبریں بن گئیں، (۲) بھائی صاحب مرحوم بھی (برادر بزرگ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی) وہیں دفن ہیں، (۳) جناب والا کے دونوں کارڈوں پر آتش شوق تیز تر گردد' پڑھ کر دل تڑپ گیا، دعوت نامہ اور ٹکٹ آئے ہوئے ہیں، لیکن ایک طرف سب پر اس حادثہ کا بہت اثر ہے، دوسرے میرے بائیں ہاتھ میں نقرس کی تکلیف ہوگئی ہے، جس کا سلسلہ ایک مہینہ سے جاری ہے اب باقاعدہ انگریزی علاج شروع کیا ہے، اس لئے سفر اب بہت مشکوک ہوگیا ہے، اگر خدانخواستہ اس موقعہ پر نہ ہوا تو انشاء اللہ مارچ میں ضرور ہوگا، اپریل کی دو دعوتیں، ایک حجاز سے اور ایک لندن سے بہت مؤکد آئی ہوئی ہیں، سب سے بڑھ کر اشتیاق جناب والا سے ملاقات کا ہے، آج چار تاریخ ہوگئی، انہوں نے لکھا ہے کہ ۲۰؍فروری سے دو تین دن پہلے پہونچنا چاہئے، اس کا مطلب ہے کہ یہاں سے ۱۳،۱۴ کو روانہ ہوجایا جائے، اوور وہ اب ممکن نہیں معلوم ہوتا ہے، بہرحال جب بھی سفر ہوگا، انشاء اللہ سہارن پور پہلے

---

(۱) حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مدظلہ صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۲) بعد میں اسی قطار میں والد کے پہلو بڑی بہن والدہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی بھی مدفون ہوئیں)

(۳) اس قطار میں ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد الحسنی اور بھانجہ مولانا سید محمد ثانی حسنی مغربی جانب اور مشرقی جانب حضرت مولانا علی میاں صاحب کے خسر اور خالہ صاحبہ بھی مدفون ہیں اور درمیانی قطار میں درمیانی قبر حضرت شاہ علم اللہ حسنی کی ہے اور باب الداخلہ پر سامنے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی قبر ہے اور یہیں پر یہ سلسلہ موقوف ہوگیا ہے (م)

سے لکھ کر سب ضروری سامان منگوالوں گا۔ جناب والا نے جس موضوع کا ذکر کیا ہے وہ نہایت اہم ہے، اور اس پر لکھنے کا ارادہ نہایت مبارک ہے، امام ابن تیمیہ کی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم مخالفة اصحاب الجحیم" میں اچھا مواد ہے۔ ملاحظہ فرمالیا جائے۔ کارڈ رابع (۱) کو دے دیا گیا ہے تا کہ مراجعت کرلیں، مرحومہ کی دعاء مغفرت وایصال ثواب کے لئے احباب وخدام سے ایماء فرمادیں اور خود بھی احسان فرمائیں، روضہ اقدس پر صلاۃ وسلام پہنچانے کی خادمانہ درخواست ہے۔

فقط

ناچیز

ابوالحسن علی

(۱) حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

باب دوازدہم

چند اہم مقالات ومضامین

میری بہن امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

پورے نصف صدی پچاس سال کی بھائی بہن کی محبت، یکجائی، رنج وخوشی میں شرکت، مطالعہ وکتب بینی میں رفاقت، تحریر وتصنیف میں صلاح ومشورے پھر حج کی طویل معیت اور آخر میں علالت اور دنیا سے رحلت کی طویل وپراثر کہانی، پھر ایک غمزدہ بھائی کی زبانی، جس کے دل پر اس حادثہ کی چوٹ لگے، ابھی زیادہ دن نہیں گزرے، بڑا مشکل کام ہے، تاریخ اور سیر وسوانح کے بلا مبالغہ ہزاروں صفحے سیاہ کرنے کے بعد قلم کو اس کہانی کے لکھنے میں دشواری پیش آرہی ہے کہ شاید اس میں ''جگ بیتی'' سے زیادہ ''آپ بیتی'' کا حصہ ہو اس کہانی کے سنانے سے بہت سے ایسے واقعات اور مناظر آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں جن سے داغ کہن تازہ ہوجاتے ہیں، آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتی ہیں اور دل کو تھامے بغیر ان کی کہانی سنانا اور لکھنا ممکن نہیں۔

پچاس سال کی مدت بھی اس خیال سے کہی کہ یہ عقل وشعور کا زمانہ ہے ورنہ بچپن کے ابتدائی سال بھی اگر اس میں شامل کرلیے جائیں تو یہ مدت اور بھی طویل ہوجاتی ہے، مجھ میں اور مرحومہ میں چھ سال کی چھوٹائی بڑائی تھی۔

ان کی ولادت ۱۲/جمادی الاولی ۱۳۲۶ھ ۱۸/جون ۱۹۰۸ء بروز جمعرات ہوئی

اور میری ولادت ٦ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء کو ہوئی۔(۱) ۲۱-۱۹۲۰ء کے لگ بھگ کوئی زمانہ ہوگا، لکھنؤ امین آباد کے اس محلہ میں جس کو اس وقت بازار جھاؤلال کہتے تھے، اب اس کے سرے پر "محمد علی لین" کا پتھر لگا ہوا ہے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی صاحب کا بالکل لب سڑک مکان اور مطب تھا۔ اب بھی خدا کے فضل سے وہ مکان ہمیں لوگوں کے استعمال میں ہے، اسی میں ہمارا چھوٹا سا گھرانہ رہتا تھا، یہ ماں باپ اور چار بھائی بہنوں پر مشتمل تھا دو بھائی اور دو بہنیں، بڑے بھائی جو بعد میں ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب بی ایس سی، ایم بی بی ایس، ناظم ندوۃ العلماء کے نام سے نامور ہوئے ان سے چھوٹی ایک بہن امۃ العزیز صاحبہ (والدہ عزیزان مولوی محمد ثانی، مولوی محمد رابع و محمد واضح سلمہم) اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے کہ وہی اب ہمارے چھوٹے سے خاندان کی برکت اور بزرگوں کی یادگار ہیں، ان سے چھوٹی امۃ اللہ تسنیم صاحبہ جن کو خاندان میں عائشہ بی کی عرفیت اور نام سے سب جانتے اور پکارتے تھے اور اب جو خدا کے جوار رحمت میں پہنچ گئیں ہیں۔ سب سے چھوٹا یہ راقم سطور تھا جس کی عمر اس وقت چھ، سات سال کی تھی، یوں تو گھر خدا کے فضل سے متعدد افراد خاندان، مستقل و عارضی مہمانوں سے ہمیشہ بھرا رہتا تھا اور اس کی وجہ سے گھر میں رونق اور چہل پہل کی کمی نہ تھی، قرب مسافت اور اہل وطن کے ہونے کی وجہ سے رائے بریلی

---

(۱) ۱۳۳۳، مولانا کے تاریخی نام ظہور حیدر سے ۱۳۳۳۔ بنتی ہے، قرائن سے ۱۳۳۲ھ کو تقویت ملتی ہے، شمسی اعتبار سے اس لحاظ سے ۵ر دسمبر ۱۹۱۳ء ہوتی ہے، اور جمعہ کا دن، خاندان کے افراد اور مورخین نے اسی کو ترجیح دی ہے خاندانی و مقامی وقائع اور مولانا کے ہم سن ساتھیوں عزیزوں کی عمروں کا اعتبار کرتے ہوئے بھی محرم الحرام ۱۳۳۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۳ء کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان سے ۹ر مہینے بڑے مولانا ابوبکر حسنی صاحب کی سن پیدائش ۱۳۳۱ھ اور ہمارے دادا جناب سید محمد مسلم حسنی جوان سے ٹھیک ایک سال چھوٹے ہیں محرم الحرام ۱۳۳۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۴ء ہے ۱۳۳۲ھ میں محرم الحرام کی مطابقت دسمبر ۱۹۱۳ء سے تقریباً مکمل ہوتی ہے، لیکن ایک سال بڑھنے کی صورت میں ۱۳۳۳ھ میں محرم الحرام کا پہلا عشرہ ۱۹۱۴ء میں نومبر کے آخری عشرہ کے مطابق ہوتا ہے سیرۃ السادات جو خاندانی انساب پر ان کے دادا مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی کی کتاب ہے اور اس میں مولانا کے والد مولانا حکیم عبدالحی حسنی کے قلم سے اضافے ہیں مولانا کے نام کے آگے سنہ ولادت ۱۳۳۲ھ دیا ہے اس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ ۱۳۳۳ھ کا اشتباہ ظہور حیدر کے تاریخی نام سے ہی ہوا ہے۔ (م)

سے بھی اعزہ کی آمد ورفت کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا لکھنو کے بعض دیندار شریف گھرانوں سے بھی بالخصوص نواب سید نورالحسن خاں صاحب مرحوم بھوپالی فرزند اکبر والا جاہ امیر الملک نواب صدیق حسن خاں صاحب بہادر کے گھر سے عزیزانہ و برادرانہ مراسم تھے اور آمد ورفت کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔لیکن ایک باپ کی اولاد یہی چار بھائی بہن تھے۔

والد صاحب کا سارا وقت تصنیف وتالیف مطب اور ندوۃ العلماء کی نظامت کے کاموں میں گذرتا تھا۔وہ طبیعت کے بڑے یکسو، خاموش اور مشغول انسان تھے الگ تھلگ ایک کمرے میں رہتے تھے، سراپا شفقت ومحبت ہونے کے باوجود ہم لوگ ان سے بے تکلف نہ تھے، جب خاندان کے کوئی بزرگ آجاتے تو اکثر ہم سب بھائی بہن جمع ہوجاتے اوران کو ہنستا بولتا دیکھتے، بڑے بھائی صاحب لکھنؤ میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے اور میڈیسین کی تعلیم (خصوصاً اس زمانہ میں) ایسی محنت طلب تھی کہ ان کا سارا وقت مطالعہ وتیاری اور میڈیکل کالج کی آمد ورفت میں گزرتا تھا۔میں یہ لکھنا بھول گیا کہ ہم چار بھائی بہنوں کے علاوہ اس مختصر خاندان کی ایک فرد ہماری بھاوج اہلیہ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب بھی تھیں۔جواپنی نیک دلی، بے نفسی اور محبت کی وجہ سے گویا ہماری بہنوں ہی میں ایک اضافہ کرتی تھیں میری بڑی بہن کی شادی ہوگئی تھی وہ اکثر اپنی سسرال رائے بریلی اور بھاوج صاحبہ اپنے میکہ ہسوہ چلی جاتیں اور کئی کئی مہینے بھی دونوں کا وہاں قیام رہتا اس لیے زیادہ تر واسطہ اور یکجائی انھیں مرحومہ بہن سے تھی۔

ہمارا گھرانہ علماء ومصنفین کا گھرانہ ہے۔والد صاحب اپنے زمانے کے عظیم مصنفوں میں تھے خاندانی وموروثی اثرات بڑے طاقتور ہوتے ہیں۔وہ نسل درنسل منتقل ہوتے رہتے ہیں اور بچوں اور بچیوں سب میں ان کے اثرات کم وبیش پائے جاتے ہیں۔کچھ یہ آبائی اثر، کچھ والد صاحب کا ذوق وانہماک، ہمارے سارے گھر پر یہ کتابی ذوق سایہ فگن تھا کتب بینی کا یہ ذوق، ذوق سے بڑھ کر لت اور بیماری کی حد تک پہنچ گیا تھا، کوئی چھپی ہوئی چیز سامنے آجائے تو اس کو پڑھے بغیر چھوڑ نہیں سکتے تھے، ہم بھائی بہنوں کو جو تھوڑے سے پیسے دست

خرچ کے لیے ملتے یا خاندان کے کوئی بزرگ جاتے ہوئے اس زمانہ کے خاندانی رواج کے مطابق بچوں کو روپیہ دے جاتے، اس کا ایک ہی محبوب مصرف تھا کہ اس سے کوئی کتاب خرید لی جائے۔ اس سلسلہ میں خود میری ایک دلچسپ کہانی سنتے چلیے! کہ میرے پاس اس طرح کچھ پیسے آگئے، وہ ایک دو آنہ سے زیادہ نہ تھے میں اتنا چھوٹا تھا کہ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کتاب کتب فروشوں ہی کے یہاں ملتی ہے اور ہر چیز کی دکان الگ ہوتی ہے۔ میں امین آباد گیا، گھنٹہ گھر والے پارک کے سامنے بڑی دکانوں کی جو قطار ہے اس میں کسی دوافروش کی دوکان پر پہنچا، غالباً ''سالومن کمپنی'' تھی۔ میں نے پیسے بڑھائے کہ کتاب دید یجیے دکان پر کام کرنے والے صاحب نے سمجھا کہ کسی شریف گھرانہ کا بھولا بھالا بچہ ہے۔ کیمسٹ کی دکان پر کتاب کیا ملتی، دواؤں کی فہرست اردو میں تھی، انہوں نے وہی بڑھا دی اور پیسے بھی واپس کردیے، میں پھولے نہیں سماتا تھا کہ کتاب بھی مل گئی اور پیسے بھی واپس آگئے، خوش خوش گھر پہنچا اور اس سے اپنے چھوٹے سے اس کتب خانہ کو سجایا جو والد صاحب کے یہاں کی ان کتابوں سے بنایا تھا جو ان کے لیے بے کار تھیں اور وہ ردی میں ڈال دیتے تھے، یہی شوق میری دونوں بہنوں کا تھا، کتاب کے بغیر ان کو چین نہیں آتا تھا۔ اس زمانے میں ایک کتاب فروش ہماری گلی میں آتے تھے اور صدا لگاتے تھے، ہرنی نامہ، نور نامہ، حلیمہ دائی کی کہانی، معجزہ آل نبی، میلاد نامہ وغیرہ وغیرہ ان کی صورت ابھی تک آنکھوں میں ہے وہ ان کتابوں کے اشعار گا گا کر بھی پڑھتے تھے، ادھر ان کی آواز کانوں میں آئی، ادھر ان دونوں بہنوں کی طرف سے حکم ملا کہ فلاں کتاب لے آؤ، دوڑا دوڑا گیا اور کتاب خرید لایا۔ ہمارا گھرانہ عقائد و مسلک میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کا سختی سے پیرو تھا اور ان کے اثرات ایسے رچ بس گئے تھے کہ بے اصل اور غیر مستند چیزیں جن سے عقائد میں خلل پڑتا ہو گھر میں آنہیں پاتی تھیں۔ مردوں سے زیادہ عورتیں عقیدہ کے بارے میں سخت تھیں۔ اس لیے معجزہ آل نبی وغیرہ جیسی کتابوں کا تو یہاں گزر نہ تھا، البتہ سیرت، بزرگوں کی حکایات، اور بے ضرر دلچسپ

کتابیں خواہ نظم میں ہوں یا نثر میں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں، ان کتابوں کی قیمت ہی کیا تھی کسی کے دو پیسے کسی کے چار پیسے، بہت قیمت ہوئی تو دو آنہ چار آنہ دونوں بہنوں میں سے کسی نے ترنم کے ساتھ مزے لے لے کر پڑھنا شروع کیا اور جب تک کتاب ختم نہ کر لی ان کو چین نہ آیا اسی زمانہ کا سنا ہو۔

حضرت حلیمہ دائی کا قصہ آج تک دل پر نقش ہے، اس کے ابتدائی چار شعر یہ ہیں۔

ایک عاشق تھی حلیمہ دائی — جس نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی
وہ کچھ اس رمز سے آگاہ نہ تھی — اس کی قسمت میں یہ دولت تھی لکھی
نوراللہ کو لائی گھر میں — یعنی اس شاہ کو لائی گھر میں
وہ کیا طالع بیدار ملے — جس کو کونین کے سردار ملے

اس سیدھی سادھی نظم نے جس کے کہنے والے کا نام بھی معروف نہیں اس پاک محبت کے دل کی نرم سرزمین میں ابتدائی بیج ڈالے، پھر جب سیرت ابن ہشام میں یہ عزیز ولذیذ حکایت جس میں راوی نے اپنے معمول سے زیادہ دراز نفسی سے کام لیا ہے۔

لذیذ بود حکایت، دراز تر گفتم

پڑھی تو وہ معصوم زمانہ جس پر اللہ کی ہزار رحمتیں ہوں یاد آ گیا۔

بات میں بات یاد آتی ہے، جب ۴۹ء میں رسالہ "الندوہ" استاد محترم مولانا سید سلیمان ندوی (۱) کے حکم سے تیسری مرتبہ جاری کیا گیا اور میں اور مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی (۲) اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ تو مجھے یہ بات سوجھی کہ مشہور اہل علم اور اہل قلم سے فرمائش کروں کہ اپنی محسن کتابوں کا تذکرہ کریں، اور ان کی سیرت کی تشکیل و تعمیر میں ان کا جو حصہ ہے ان کو مضمون کی شکل میں "الندوہ" کے لئے قلم بند فرمائیں۔ بہت سے مشاہیر اہل علم نے

---

(۱) سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنو متوفی ۱۹۵۳ء

(۲) سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنو متوفی ۱۹۷۹ء

اس موضوع پر خامہ فرسائی فرمائی اور اپنا مضمون بھیج کر ''الندوہ'' اور اس کے نوعمر ایڈیٹروں کی عزت بڑھائی، ان میں صدر محفل نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی اور شریک بزم مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالباری ندوی. مولانا عبدالعزیز میمن جیسے فاضل یگانہ اور جدید طبقہ میں سے خواجہ غلام السیدین، میاں بشیر احمد بی اے (آکسن) ایڈیٹر ہمایوں لاہور جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اہل قلم تھے، اس انجمن میں بعض ایسے علم و فضل نے بھی از راہ کرم شرکت فرمائی تھی جن کے مضامین عام طور سے رسائل و مجلات میں شائع نہیں ہوتے تھے. مثلاً مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم، مولانا اعزاز علی صاحب استاذ دارالعلوم دیو بند، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ مشاہر کے نام جب خطوط روانہ کیے گئے تو ایک خط ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم (سابق صدر جمہوریہ ہند) کی خدمت میں بھی بھیج دیا گیا جو اس وقت شیخ الجامعہ تھے اور ہم دونوں پر بڑی عنایت فرماتے تھے۔ غالباً مصروفیت کی وجہ سے وہ اس فرمائش کی تعمیل نہ کر سکے، ایک مرتبہ وہ مجھے کسی سفر میں ملے، میں نے کہا ڈاکٹر صاحب! آپ نے محسن کتابوں پر کچھ نہ لکھا؟ انہوں نے اپنے خاص کریمانہ انداز میں معذرت کی اور کہا بھائی ''میں کیا لکھوں'' میری سب سے بڑی محسن کتاب ''حلیمہ دائی کی کہانی ہے'' جو میں نے بچپن میں سنی اور پڑھی تھی۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ مطالعہ کی کتابوں کی قطار میں اور کتابوں کے انبار میں سب سے بڑی محسن کتاب وہی ہے، جو سب سے بڑے محسن سے کسی قسم کا ربط قلبی اور غلامی کی نسبت قائم کر دے۔

یہیں پر یہ بھی سناتا چلوں کہ اسی زمانے میں جب ''الندوہ'' میں ''میری محسن کتابیں'' کے عنوان سے یہ سلسلہ مضامین شائع ہو رہا تھا۔ میرے کہنے سے یا اپنے شوق سے ہمشیرہ مرحومہ نے بھی اسی موضوع پر مضمون لکھا جس کا ''میری بے زبان استانیاں'' سا بولتا ہوا

---

(۱) اس مضمون کے مندرجات تذکرہ ہذا میں شامل ہیں) (محمود)

عنوان تھا ان کا مضمون جالندھر کے سنجیدہ زنانہ رسالہ ''مسلمہ'' میں چھپا۔(۱)

کتابوں کی خریداری میں صرف اسی کتب فروش ہی کے ذخیرہ پر بس نہ تھی جس کی گٹھری وہ اپنے بغل میں داب کر لاتے تھے، بلکہ مجھے وقتاً فوقتاً حکم ملتا رہتا تھا میں ''صدیق بک ڈپو'' سے جو ہمارے قریب سب سے بڑی کتابوں کی دکان تھی۔ان کی انتخاب کی ہوئی کتابیں خرید لاؤں، یہ سب کتابیں جو کبھی نظم میں ہوتیں اور کبھی نثر میں مشترک طور پر پڑھی جاتیں، اسی زمانہ میں سیرت پاک پر اردو کے چھوٹے بڑے رسالے پڑھے گئے اور دل ودماغ میں پیوست ہو گئے۔ان کے نام تو اب یاد نہیں، لیکن اتنا یاد ہے کہ ان کے پڑھنے سے اس زمانے کے رواج کے مطابق مجھے میلاد یا سیرت کا جلسہ کرنے کا شوق ہوا، اپنے ہم سن بچوں کو مدعو کیا اور ان کو دعوت دینے خود گھر گھر گیا، انھیں بہنوں میں سے کسی نے میرے سر پر چھوٹی سی پگڑی باندھی، عمر یہی آٹھ نو برس کی رہی ہوگی انھیں کتابوں میں سے میں نے کوئی کتاب لے کر پڑھنی شروع کی ''قابلیت'' کا یہ حال تھا کہ حضور ﷺ کے دادا سردار قریش ''عبد المُطَّلِبْ'' کو عبد المُطَلَّبْ پڑھ رہا تھا۔والد مرحوم خاموشی سے آکر ایک طرف اوٹ میں کھڑے ہو گئے تھے۔ان کا دل یہ منظر دیکھ کر کتنا باغ باغ ہو رہا ہوگا۔کہ اللہ نے عشق نبوی کا ان کو حصہ وافر عطا کیا تھا اور اسی سے ان کی تحریروں میں آب ورنگ ہے ان کے لیے کیا خوشی کی بات تھی کہ ان کا کمسن بچہ اس ذکر خیر میں مصروف ہے جو ہر خیر وبرکت کا سرچشمہ ہے اور اس طرح وہ خود اپنا طالع بلند اور اپنا بخت بیدار کر رہا ہے

حکایت از قد آں یار دل نواز کنیم
بایں بہانہ مگر عمر خود دراز کنیم

نعتوں میں سب سے زیادہ امیر مینائی اور محسن کاکوروی کی نعتیں ان بہنوں کی زبان پر جاری تھیں، خاص طور سے حضرت محسن کی مشہور نظم

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

بہت پڑھی جاتی تھی کتابوں میں مسدس حالی گویا وردِ زباں تھی اور اس کا بڑا حصہ ان دونوں بہنوں کو تقریباً حفظ تھا، اس زمانے میں شرفاء اور پڑھے لکھے لوگوں کا کوئی گھر بھی اس کتاب کے مطالعے اور نغمہ خوانی سے خالی نہ تھا۔

اسی زمانے میں ایک کتاب جو شاید میں نے اردو نصاب کی ایک کڑی کے طور پر پڑھی ہوگی۔ وہ ہمارے ہاتھ آئی اور مولوی اسماعیل میرٹھی کی کتاب ''سفینہ اردو'' تھی، اس چھوٹی عمر میں اس کتاب کے منتخب مضامین اور نظموں نے جو اردو کے بہترین انشاپردازوں اور شاعروں کے قلم سے تھے ہمارے دل ودماغ پر بڑا اثر ڈالا خاص طور پر مولانا ظفر علی خاں کی نظم ''راجہ دسرتھ کی کہانی ان کی زبانی'' جس میں انھوں نے بڑے پراثر انداز میں راجہ دسرتھ کے ہاتھ سے ایک رشی کے لڑکے (جو اپنے بوڑھے باپ کے لئے پانی لینے صبح تڑکے دریا پر گیا تھا. اور ان کی تیر سے گھائل ہوگیا تھا). کی دلدوز کہانی سنائی ہے اس میں ان کی شاعری کا جوہر اور پراثر مناظر وجذبات کی تصویر کشی کا کمال اپنے پورے عروج پر ہے. ہم دونوں بھائی بہنوں نے مزے لے لے کر یہ کہانی بار بار پڑھی اور عجب نہیں کہ اس کے بعض بعض حصوں پر ہمارا دل امنڈ آتا اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہوں، اس نظم کا مطلع تھا۔

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی — تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بانات کی

اس کے بعد ان کی دوسری نظم کا نمبر تھا اور وہ موسی ندی (۱) کے طوفان والی نظم تھی جس کا مطلع تھا۔

اے نامراد ندی تجھ پر غضب خدا کا — الٹا ہے تو نے تختہ یارانِ آشنا کا

ہم لوگ خود کئی بار دریائے سئی کے کنارے بسنے کی وجہ سے جس میں زبردست سیلاب آتے ہیں اس تجربہ سے گذر چکے ہیں اس لیے اس مصیبت کا اندازہ کر سکتے تھے جو موسی ندی کے سیلاب کی زد میں آنے والوں پر گزری ہوگی، اس مجموعہ کے مضامین نظم ونثر کے بار بار

---

(۱) حیدرآباد کی مشہور ندی جو اپنی طغیانی میں معروف ہے (م)

پڑھنے سے ہم لوگوں کے اندر اچھی عبارت اور اچھے شعر کا لطف لینے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔

ہمارے گھر خدا کے فضل سے مہمانوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا ان کی کوئی تعداد اور وقت مقرر نہ تھا اس زمانے میں شرفاء کا دستور تھا کہ اگر کسی خاندان کا کوئی گھر کسی شہر میں ہو تو اس خاندان کے افراد خواہ دور کے عزیز ہوں یا قریب کے کسی ضرورت سے بھی ان کا شہر میں آنا ہو تو وہ اسی گھر کے مہمان ہوں گے، ان مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرنا اکیلی ماما کے بس کا کام نہ تھا جو کھانا پکانے کے لیے ملازم تھی، اس کا بوجھ سب سے زیادہ میری انھیں چھوٹی بہن پر پڑتا تھا۔ والدہ صاحبہ نے جن کو کھانا پکانے، سینے پرونے اور کشیدہ کاری میں بڑی مہارت تھی اور اس میں نئی نئی ایجادیں اور اختراعیں کرتی رہتی تھیں، بہن کو ان کاموں کے لئے خوب تیار کر دیا تھا اور اکثر ان کی جفاکشی اور وقت بے وقت محنت پر بھائی صاحب کو ترس آجاتا اور کبھی کبھی ہمت افزائی کے لئے وہ ان کے پاس بیٹھ جاتے اور ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتے۔

ہم لوگوں کے گھروں میں لڑکیوں کی تعلیم گھروں ہی میں ہوتی تھی، ہمشیرہ نے اس وقت تک ساری تعلیم والدہ صاحبہ اور اپنے چچا مولوی سید عزیز الرحمٰن صاحب ندوی سے پائی تھی، جو قرآن شریف، اردو اور کسی قدر فارسی سے آگے نہ تھی۔(۱)

۲ر فروری ۱۹۲۳ء کو وہ حادثہ پیش آیا جو ہمارے چھوٹے سے گھرانے کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہ تھا والد صاحب مرحوم کے اچانک انتقال کا واقعہ پیش آیا جس کو میں تفصیل سے ''حیات عبدالحیؒ'' میں لکھ چکا ہوں اس سے ہمارے گھر کی بساط الٹ گئی اور گویا دنیا ہی بدل گئی لکھنؤ چھوڑ کر جہاں اب رہنے کا کوئی مطلب نہ تھا ہمارا سارا گھر اپنے وطن

---

(۱) دونوں بہنوں کو انہی نے تعلیم دی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی بھی بسم اللہ کرائی، اردو اور ابتدائی عربی فارسی کی کتابیں بھی پڑھائیں، مولانا سید عزیز الرحمٰن صاحب مولانا سید عبدالحی حسنی والد مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے پھوپھی زاد بھائی اور مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے ہم زلف تھے، آپ کے ایک صاحبزادے مولانا سید ابوبکر حسنی سابق استاد جواہر لعل نہرو یونیورسٹی نئی دہلی ہوئے جو حضرت مولانا علی میاں ندوی کے ہم عمر تھے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں ۱۹۵۸ء میں تکیہ رائے بریلی میں انتقال کیا۔

رائے بریلی منتقل ہو گیا جہاں گھر، خاندان سب موجود تھا، عین انتقال کے وقت صرف میں اور میری یہ دو بہنیں موجود تھیں، بھائی صاحب لکھنؤ سے ایک ہزار میل دور مدراس (CHENNAI) وحیدر آباد میں تھے، یہ سب کچھ ایسا آناً فاناً ہوا جیسے کوئی خواب دیکھا ہو، اب رائے بریلی میں ہم دونوں کے دو ہی بڑے مشغلے تھے۔ والدہ صاحبہ کو ایسے مضامین اور کتابیں پڑھ کر سنانا جن سے ان کے دل کو تسکین وقوت حاصل ہو اور غم غلط ہو۔ دوسرے خود لکھنے پڑھنے میں مشغول ہونا اس زمانہ میں ہمارے خاندان میں دہلی کا ایک رسالہ ''الواعظ'' آتا تھا جو کوئی مولانا اسحٰق دہلوی نکالتے تھے اس سے بڑی مدد ملی، کتابوں میں سب سے زیادہ مقبول ومحبوب کتاب ''صمصام الاسلام'' تھی یہ واقدی کی عربی کتاب فتوح الشام کا منظوم ترجمہ ہے جس میں تقریباً پچیس ہزار شعر ہیں۔ گویا یہ اس وقت کا سب سے مشہور ومقبول ''شاہنامہ اسلام'' تھا یہ کتاب اسی خاندان کے ایک بزرگ راقم سطور کے والد کے پھوپھا منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی ٹونکی (۱) کی نظم کی ہوئی ہے جو بڑے قادر الکلام شاعر بھی تھے اور جذبہ جہاد اور جوش اسلامی ان کو اپنے جد امجد سید احمد شہیدؒ سے ورثہ میں ملا تھا کتاب کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ معرکہ جہاد برپا ہے، تلواریں چمک رہی ہیں، مجاہدین ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے لڑ رہے ہیں اور راہ خدا میں جان دے اور لے رہے ہیں کتاب کی تاثیر کا یہ عالم ہے کہ پڑھنے والے کی آواز گلوگیر اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور سننے والوں کو سر وپا کا ہوش نہیں رہتا، ہمارے خاندان میں مدت سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ کسی حادثہ یا تقریب کے موقع پر گھروں میں کوئی خاتون جو اس کتاب کو روانی سے پڑھ سکتیں پڑھتیں اور خاندان کی سب بیویاں اور بچیاں سب سنتیں۔ ہمارے خاندان میں اس کے پڑھنے میں دو کو خاص امتیاز حاصل تھا بڑی بوڑھیوں میں میری حقیقی خالہ صالحہ بی بی کو جو قرآن کی جید حافظ بھی تھیں اور ان مرحومہ بہن کو، آخر آخر تک یہ کتاب ہمشیرہ

---

(۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا ان سے سسرالی رشتہ بھی تھا اس طور پر کہ حضرت مولاناؒ کی اہلیہ محترمہ آپ کی حقیقی نواسی تھیں) (محمود)

کو بہت عزیز رہی اور اس سے انھوں نے اپنے مضامین اور شعر گوئی میں فائدہ اٹھایا۔

اسی زمانہ میں انھوں نے کہیں مولانا سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب ''سیرت عائشہؓ'' کا اشتہار دیکھا، اب یاد نہیں کہ بھائی صاحب مرحوم نے اس کتاب کا تذکرہ کیا یا اس کے اشتہار پر نظر پڑی۔ بہر حال ہمشیرہ نے اس کو حاصل کیا اور حرز جان بنالیا، اس سے مناسبت کی کئی کھلی وجہیں تھیں، ایک تو ہمنامی کا شرف وافتخار دوسرے حضرت صدیقہؓ کا علمی کمال وامتیاز، جس کی ان کے دل میں شروع سے قدر ومنزلت تھی، بہر حال اس کتاب کو انہوں نے پڑھا ہی نہیں بلکہ اس کے مضامین کو اپنے اندر اتار لیا اور جذب کرلیا اور ان کی بڑی رہنما کتاب ثابت ہوئی اسی زمانہ میں (اور عجب نہیں کہ اسی کتاب کا فیض ہو) انہوں نے عربی پڑھنا شروع کی میری عربی زبان کی تعلیم کا بھی یہ دور طفولیت تھا، مگر میں گھر کے باہر نامور اور باکمال اساتذہ سے پڑھتا تھا، جن میں امام فن شیخ خلیل عرب یمنی بھوپالی کا پایہ سب سے بلند تھا اس لیے میں ان کی تھوڑی بہت مدد کرنے کے قابل ہوگیا تھا سب سے بڑی مدد ان کو اپنے پھوپھا مولانا سید طلحہ حسنی صاحب سے ملی تھی، جو گرمیوں کی چھٹی میں لاہور سے وطن آتے تھے ان کو علم کو گھول کر پلا دینے کا ملکہ تھا۔ صرف ونحو کے ضروری مسائل کی مشق کرانے میں ید طولی حاصل تھا اور ان کے اس میں عجیب عجیب چٹکلے تھے ان کو تاریخ اور شعر وشاعری کا بھی بڑا اچھا ذوق تھا، ہمشیرہ کی طبیعت ہمیشہ سے موزوں واقع ہوئی تھی اور موزونیت طبع کا یہ ورثہ ہم بھائی بہنوں میں صرف انہیں کو ملا تھا۔ ''گل رعنا'' (۱) گھر کی چیز تھی اس کو انھوں نے اتنی بار پڑھا تھا کہ گویا اس کی حافظ تھیں۔ خاندان میں بیت بازی کا رواج پرانا ہے اس میں اگر بے اعتدالی نہ ہو تو فائدے بھی بہت ہیں اس میں ان سے مشکل سے کوئی بازی لے جاتا اشعار کا انتخاب بہت صاف ستھرا تھا۔ آگے چل کر انہوں نے خاص اس

---

(۱) تذکرہ شعراء اردو پر مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کی لاجواب کتاب جو محمد حسین آزاد کی آب حیات کا جواب بھی ہے، دارالمصنفین اعظم گڑھ سے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے تحقیقی مقدمہ کے ساتھ شائع ہوئی (م)

موضوع پر کتاب بھی لکھی جو اساتذہ کے منتخب اور پاکیزہ اشعار کا بڑا اچھا مجموعہ بن گیا ان کو کتابیں جمع کرنے کا شوق بہت تھا گھر میں، جو پرانی وضع کا بنا ہوا تھا انھوں نے اس کے لیے الگ ایک جگہ مقرر کر لی تھی، جہاں وہ اپنا کتابی ذخیرہ رکھتی تھیں۔

مطالعہ وتحریر کے اس شوق سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ دست کاری اور کشیدہ کاری، سینے پکانے کے ان کاموں سے ناواقف تھیں یا ان کو ان کاموں سے وحشت تھی جو بچیوں اور خواتین کے لیے ضروری سمجھے جاتے ہیں وہ ان چیزوں میں بھی بڑی مشاق اور مستعد تھیں اور اپنی ہم عمروں میں کسی سے کم نہ تھیں۔

۲۵ رنومبر ۱۹۲۶ء کو ان کی شادی اپنے حقیقی ماموں زاد بھائی مولانا سید ابوالخیر صاحب حسنی سے ہوئی، یہ نسبت تو بہت قدیم تھی لیکن مختلف حوادث کی وجہ سے اس میں تاخیر ہوتی چلی گئی، پھر اس وقت تک ان کی عمر بھی زیادہ نہیں ہوئی تھی۔

مرحوم اردو عربی دونوں زبانوں کے ادیب تھے۔ جہاں تک اردو کا تعلق ہے صحت زبان، تحقیق، اہل لکھنؤ کے محاورات اور طرز گفتگو سے تھوڑے ہی لوگ اتنے واقف ہوں گے جتنے وہ واقف تھے وہ اردو میں آبدار شعر بھی کہتے تھے اور ان کو رائے بریلی کے ایک بڑے نمائش کے مشاعرہ میں سونے کا تمغہ بھی ملا تھا شاعری میں وہ شمس لکھنوی اور مرزا ثاقب قزلباش کے شاگرد تھے لیکن ادب وشاعری میں اپنی مخصوص رائے اور نقطہ نظر رکھتے تھے۔ اساتذہ اردو میں وہ سب سے زیادہ حکیم مومن خاں مومنؔ کے قائل اور معتقد تھے اور ان پر انہوں نے کتاب بھی لکھی تھی۔ عربی لغت پر بھی ان کو بڑا عبور تھا، لیکن ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ تھا کہ ان کو سیکڑوں اور ممکن ہے کہ کئی ہزار احادیث صحیح متن وسند کے ساتھ یاد تھیں۔ ایسا سنا جاتا تھا کہ ''موطا'' ان کو پوری حفظ تھی صحاح ستہ میں صحیح مسلم سے ان کو زیادہ شغف تھا۔ حدیث مع متن وسند ایسے دلکش انداز میں پڑھتے تھے کہ دل کھینچ لیتے۔ افسوس ہے کہ مخصوص انداز طبیعت اور حوادث کی وجہ سے ان کے کمالات پر پردہ ہی پڑا رہا۔ بلکہ ان کی پوری زندگی

حوادث وآلام کا شکار رہی، ہمشیرہ مرحومہ کی زندگی کے بہترین دن وہ چند ابتدائی سال تھے جو انہوں نے اپنے والد کے برابر شفیق ماموں اور خسر مولوی حافظ سید عبید اللہ صاحب مرحوم (فرزند حضرت سید شاہ ضیاء النبی صاحبؒ، مئی ۱۹۳۸ء میں ان کا انتقال ہوگیا) کے زیر سایہ بسر کیے۔ بھائی سید ابوالخیر صاحب مرحوم نے یکم جون ۱۹۷۰ء مین انتقال کیا۔

بھائی مرحوم سے ان کی تین اولادیں ہوئیں، دو بچیاں اور ایک بچہ سالم، یہ سب شیر خوارگی ہی میں ان کو داغ مفارقت دے گئے ایسا پڑھا لکھا جوڑا ہمارے خاندان میں مشکل سے ہوگا لیکن ان کی قسمت مین ان معلوم ونامعلوم حکمتوں کی بناپر جن کا علم خدائے علیم وخبیر رحیم وکریم کو ہے اور کسی کو نہیں۔ لطف ومسرت کے یہ دن ۴۳ء کو ختم ہوگئے اور ان کو وہ داغ پیش آیا جو ہندوستان کی شریف خواتین کی لئے عام حالات میں ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی قوت ایمانی اور کسی قدر علمی مشغلے اور ذوق کی مدد سے اس کو نہ صرف برداشت کیا بلکہ ان کی زندگی کا یہ موڑ ان کی ہزاروں ترقیوں اور سعادتوں کا ذریعہ بن گیا اور۔ ع

طے شود ایں جادہ باہے گاہے

کا ظہور ہوا، انکی تنہائی کی یہ بقیہ زندگی جو تیں پینتیس برس کا عرصہ ہے اپنے بھائیوں کے پاس گزری، اور اسی گھر کے دروازہ سے آخری بار رخصت ہوکر اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے آسودہ خاک ہوگئیں.

یہ زمانہ ہے جب ان کا وقت لکھنے پڑھنے اور خدا کے سامنے ہاتھ پھیلانے اپنا درد دل کہنے، دعا مناجات، ذکر واذکار، تلاوت قرآن اور تحریر وتصنیف کے سوا اور کسی میں نہیں گزرتا تھا۔

آزمائش سخت تھی اور ان کا دل کمزور، دردمند اور حد درجہ حساس تھا اس کا امکان تھا کہ ان کے دل ودماغ پر ایسا اثر پڑ جائے کہ اس کا تحمل نہ کرسکیں۔ ایسے موقع پر بھائی صاحب مرحوم نے جو شفیق بھائی بھی تھے اور حاذق طبیب بھی، ان کے علاج کے لیے ایک نسخہ تجویز کیا، جو طب نبوی سے ماخوذ تھا انہوں نے ان کے ذہن کو مشغول اور قلب کو مطمئن کرنے کے

لیے مشورہ دیا کہ وہ مشہور محدث امام نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) کی مشہور اور سراپا برکت کتاب ''ریاض الصالحین'' کو اردو میں منتقل کر دیں یہ کتاب بھائی صاحب مرحوم کو بہت عزیز تھی اور انھیں کی تحریک سے وہ پہلی مرتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں شامل کی گئی اور اب وہ بلاد عربیہ کے دینی ودعوتی حلقوں کی مقبول ترین کتاب ہے، اس وقت تک اس کا اردو میں ترجمہ نہیں ہوا تھا، لیکن کام آسان نہ تھا، اصل کتاب متوسط سائز کے باریک مصری ٹائپ میں ساڑھے چار سو صفحات سے زیادہ میں آئی ہے، اس میں احادیث کی تعداد ایک ہزار نو سو تین (۱۹۰۳) ہے۔ اس میں صحاح کی وہ احادیث بھی ہیں جن کی شرح میں بڑے بڑے مشکل مقامات آتے ہیں اور چوٹی کے علماء نے اس کی تشریح میں درجنوں اور بیسوں صفحات رنگین کیے ہیں۔ انہوں نے حدیث باقاعدہ حدیث کے (کسی مدرسہ اور دارالعلوم کا کیا ذکر) کسی استاذ سے بھی نہیں پڑھی تھی اور خانگی تعلیم ومطالعہ اور مدرسہ کی باقاعدہ تعلیم میں بڑا فرق ہوتا ہے، لیکن اللہ نے ان کو ہمت دی اور انہوں نے ''زادسفر'' کے نام سے اس کا ترجمہ ذیلی عنوانات اور تشریحی نوٹس کے ساتھ مکمل کر لیا، یہ ترجمہ جس کا چوتھا ایڈیشن پیش نظر ہے، دو حصوں اور آٹھ سو بہتر (۸۷۲) صفحات میں آیا ہے اس وقت غور کرتا ہوں تو یہ بات ایک کرامت سی معلوم ہوتی ہے، معلوم نہیں کہ یہ مخلص بھائی کی کرامت تھی یا دردمند اور مجروح وشکستہ قلب (بہن) کی، جس کے متعلق ارشاد باری ہے۔ انا عند المنکسرۃ قلوبھم (میں شکستہ دلوں کے پاس ہوتا ہوں (۱) بہرحال اب جب حدیث کی اس ضخیم کتاب پر نظر ڈالتا ہوں جس نے انشاء اللہ ان کے اس سفر روحانی میں ''سفینۂ نورانی'' کا کام دیا ہوگا، تو جلیل مانک پوری کا یہ مصرع بے اختیار یاد آجاتا ہے۔ ع

''مل گیا زادِ سفر مجھ کو سفر سے پہلے''

مولانا شاہ حلیم عطا صاحب نے اس مسودے پر نظر ثانی کی اور مفید مشورے دیے اور

---

(۱) حدیث قدسی ہے

ان کی خوش قسمتی تھی کہ فاضل یگانہ اور محقق زمانہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ازراہ شفقت وعنایت (۱۵ رشعبان ۱۳۶۵ھ) کو اس پر مقدمہ لکھا انھوں نے اپنے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے۔

''ہم کو اس اظہار میں بڑی خوشی ہے کہ امام نوویؒ کی اس کتاب ''ریاض الصالحین'' کا ترجمہ اس گھرانے نے کیا ہے جس نے سنت نبوی کی اشاعت اور بدعت کے ازالہ کا کام ایک صدی سے پہلے سے شروع کر رکھا ہے اور جن کے انوار و برکات ملک میں ہر جگہ نمایاں ہیں "اللھم زد فزد ولا تنقص"

آگے چل کر لکھتے ہیں:

''مترجمہ موصوفہ نے ترجمہ میں زبان کی سلاست اور روانی کا لحاظ رکھا ہے جگہ جگہ حاشیے بڑھائے ہیں، ہر حدیث کا عنوان قائم کیا ہے جس سے حدیث کے مغز سخن تک پہونچنے میں ناظرین کتاب کو بڑی آسانی ہو جاتی ہے''۔

زادسفر کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۵ء کے وسط میں نکلا، کتاب کی غیر معمولی مقبولیت کا ایک اظہار تو بہت سے ان تعزیتی خطوط سے ہوتا ہے جو ان کی وفات پر موصول ہوئے ہیں، اور جن کے لکھنے والوں نے اس کتاب سے اپنے گہرے تاثرات اور استفادہ کا ذکر کیا ہے دوسرے یہ کہ شاید وہ پہلی ہندوستانی خاتون ہیں جن کی تصنیف جدہ کے ریڈیو اسٹیشن سے بالاقساط اردو کے پروگراموں میں نشر ہوئی اور رابطہ عالم اسلامی نے اس کے کئی سو نسخے خرید کر اردو بولنے اور سمجھنے والے ملکوں میں بھیجے، اس لیے ذوق کا یہ مصرعہ بالکل ان کے حسب حال ہے۔

تری آواز مکہ اور مدینے

اس کتاب کے پہلے حصہ کا ہندی ایڈیشن بھی شائع ہو گیا ہے یہ ایڈیشن لکھنو کے ایک ہندی فاضل جناب نند کمار اوستھی نے خود شائع کیا ہے(۱) جن کا ہندی میں ترجمہ عرصہ ہوا چھپ کر پھیل گیا ہے ان کو یہ کتاب ایسی پسند آئی کہ انہوں نے مجھ سے اسے ہندی میں

(۱) دار العلوم ندوۃ العلماء کے فاضل مولوی مفتی سرور فاروقی ندوی نے بھی زادسفر کو ہندی میں منتقل کرنے کی سعادت حاصل کی ہے لیکن ان کا ترجمہ ابھی طبع نہیں ہوا ہے (م)

شائع کرنے کی اجازت مانگی۔ میں نے کہا کہ حدیث کی اچھی کتابیں اردو میں ہیں، آپ ان میں سے کسی بڑی کتاب کا ترجمہ کیجیے انہوں نے کہا کہ میں اس کتاب کو مفید سمجھتا ہوں اور اسی کو ہندی میں شائع کرنا چاہتا ہوں، ان کی اس خواہش اور تقاضے پر اس کی اجازت دی گئی اور ہندی ایڈیشن شائع ہو گیا۔

اس کتاب کی کھلی ہوئی برکت یہ ظاہر ہوئی کہ اس کے مکمل کرنے کے بعد ہی اللہ نے ان کو سفر حج کی سعادت نصیب فرمائی اور اس بارگاہ قدس میں پہونچایا جس کے کلام و پیام کی انہوں نے اپنی بساط بھر خدمت کی تھی اس سفر کی کہانی بھی عجیب موثر اور سبق آموز ہے۔

۱۹۴۷ء کے اپریل کا مہینہ ہوگا کہ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ امیر جماعت تبلیغ نے مجھے حجاز کے لیے رخت سفر باندھنے کا حکم دیا اور طے کیا کہ میں وہاں کچھ مدت قیام کر کے اس دعوتی کام کو آگے بڑھانے اور علمی حلقوں میں متعارف کرانے کی کوشش کروں جس کا آغاز چند ہی سال پہلے کیا گیا تھا انہوں نے نہ صرف یہ کہ حکم دیا بلکہ سامان سفر بھی کر دیا۔ ہمارے مخدوم اور سراپا شفقت بزرگ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے (اللہ تعالی ان کی عمر و فیوض میں زیادہ سے زیادہ برکت عطا فرمائیں)(۱) جن کی خصوصی نظر شفقت شروع ہی سے مجھ نا اہل پر رہی ہے، حکم دیا کہ میں والدہ محترمہ، اپنی اہلیہ اور خواہر زادہ عزیزی مولوی محمد ثانی کو بھی ساتھ لے لوں تا کہ دل جمعی کے ساتھ وہاں دعوت کے کام میں مشغول رہ سکوں، وہ گھڑی کبھی نہ بھولے گی جب ہمشیرہ مرحومہ جو اس سفر کی باتیں کئی دنوں سے سن رہی تھیں اچانک میرے کمرے میں داخل ہوئیں اور بے قراری کے ساتھ روئیں اور کہا کہ علی کیا تم ہم کو یہیں چھوڑ جاؤ گے۔ مجھ کو خود گریہ کو ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ ان کی زندگی کے سارے واقعات میرے سامنے تھے۔ میں نے کہا نہیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے بغیر نہیں

(۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نے یکم شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ مدینہ پاک میں ۸۷ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور اپنی دیرینہ تمنا کے مطابق مدینہ پاک میں بقیع میں سپرد خاک ہوئے رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ ونور اللہ مرقدہ (م)

جاؤں گا، آپ اطمینان رکھیں، آپ جائیں گی تو ہم بھی جائیں گے ورنہ کوئی نہیں جائے گا وہ سن کر خاموش چلی گئیں۔

میں نے کہنے کو تو کہہ دیا لیکن مشکل یہ تھی کہ اس وقت جب کہ جنگ ختم ہوئے اور حجاز کا راستہ کھلے ہوئے ایک ہی سال ہوا تھا سفر کے لیے مسافروں کا کوٹہ مقرر تھا، درخواست دینی پڑتی تھی پھر پرمٹ آتا تھا اور وہی لوگ جا سکتے تھے جن کا محکمہ حج کی طرف سے پرمٹ آگیا ہو۔ ہم تین کے پرمٹ آچکے تھے لیکن عزیزی محمد ثانی اور ہمشیرہ کے لیے اس وقت تک کوئی درخواست نہیں دی گئی تھی اور قوی اندیشہ تھا کہ وقت نکل جانے کی وجہ سے ان کے لیے انکار ہو جائے۔ میں تن بتقدیر دہلی گیا، اس وقت لال شاہ گورنمنٹ آف انڈیا میں حج آفیسر تھے، میں ان سے ملا، انہوں نے کہا کوٹے میں اب کوئی گنجائش نہیں، میں مایوس آرہا تھا کہ انہوں نے پھر مجھے آواز دی اور کہا مولانا! گنجائش تو نہیں مگر ایک بات نجی طور سے کہتا ہوں کہ اگر آپ بندرگاہ پر پہنچ گئے تو گنجائش نکل آئے گی، جان میں جان آئی، میں نے لکھنو آکر بہن کو یہ مژدہ سنایا کہ اب آپ کی دعا کی ضرورت ہے کراچی تک تو ہم سب ساتھ چلیں گے آگے آپ کی دعا اور اللہ کی رحمت۔

وہ اس مشکوک صورت حال پر بھی چلنے کے لیے تیار ہو گئیں، ان کی گویا اسی دن عید ہو گئی، برسوں کے بعد ان کو خوشی کی ایک ساعت نصیب ہوئی تھی۔ وہ خوش خوش رائے بریلی اپنی بہنوں سے ملنے اور سب سے رخصت ہونے گئیں۔

بالآخر اس مبارک سفر کی گھڑی آگئی جس کی داستان بڑی تفصیل سے میں نے اپنے مضمون ''اپنے گھر سے بیت اللہ تک'' میں لکھی ہے جو رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی کی مقبول کتاب ''آپ حج کیسے کریں؟'' میں شروع سے شامل ہے اور جس کو پڑھ کر بہت سے بندگان خدا اپنے گہرے تاثرات کا اظہار کر چکے ہیں، جی چاہے تو پوری داستان وہیں پڑھ لیجیے۔ میں یہاں صرف انہیں واقعات کا ذکر کروں گا جن کا تعلق ہمشیرہ مرحومہ سے ہے۔

۲۶ رجون ۱۹۴۷ء کو یہ چھوٹا سا قافلہ جو ایک ہی گھر کے پانچ افراد پر مشتمل تھا، پنجاب میل سے روانہ ہوا، سارا راستہ امید و بیم کی حالت میں گزرا، راستہ میں ہمشیرہ جو زنانہ ڈبہ میں تھیں والدہ مرحومہ کی پر اثر مناجاتیں پڑھ کر سناتیں جس میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کیا گیا تھا۔ لاہور کے راستہ ہم لوگ کراچی پہنچے۔ بمبئی ہم سے قریب تھا، لیکن وہاں اس وقت تک کسی سے تعارف نہیں تھا، کراچی کا انتخاب حاجی عبدالجبار صاحب کی وجہ سے کیا گیا جو دہلی کی پنجابی برادری سے تعلق رکھتے تھے، کراچی کے مشہور و معروف تاجر اور تبلیغی جماعت کے وہاں داعی اول اور سرگرم کارکن تھے۔ ان سے نظام الدین میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی زندگی اور سایہ عاطفت میں تعارف ہوا تھا۔ کراچی میں ہم لوگوں کا پہنچنا اچانک ہوا اب یاد نہیں کہ حاجی صاحب کو تار کیوں نہیں دیا گیا۔ رات تو ہم لوگوں نے جیسے تیسے حاجی کیمپ میں گزاری۔ پھر میں حاجی صاحب کی خدمت میں پہنچا اور ڈرتے ڈرتے کہا: کہ ہمارے ساتھ دو رفیق بغیر پرمٹ کے ہیں (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے) سنتے ہی کہا، آپ فکر نہ کیجیے!۔ آپ کا انتظام ہو جائے گا، اسی وقت اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ گاڑی لے کر جاؤ اور سب کو لے آؤ اور بھائی صاحب حاجی عبدالستار کے یہاں ٹھہراؤ، اسی وقت شاداں و فرحاں یہ قافلہ حاجی عبدالستار کی کوٹھی پر پہنچ گیا، ان کی کوٹھی کا بالائی حصہ جو کئی کمروں پر مشتمل تھا ہم لوگوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ اللہ ان دونوں بھائیوں کے درجے بلند فرمائے اور کروٹ کروٹ آرام پہونچائے کہ حاجی عبدالجبار صاحب نے دلجوئی و رفاقت اور حاجی عبدالستار صاحب اور ان کے اہل خانہ نے خاطر داری اور ضیافت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ہم لوگوں کے ٹکٹ علوی جہاز سے تھے جو چھوٹا بھی تھا اور اس کی تاریخ بھی قریب تھی ادھر ہمشیرہ مرحومہ نے مستورات کے بعض تبلیغی جلسوں میں اپنا کوئی دینی مضمون یا زادِ سفر کا کوئی حصہ پڑھ کر سنایا، ادھر میں بھی تبلیغی میدان میں اب سے زیادہ نمایاں تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حاجی عبدالستار صاحب مرحوم نے یہ صائب مشورہ دیا (جس کی حکمت بعد میں معلوم ہوئی)

کہ آپ علوی جہاز کے بجائے اسلامی جہاز سے سفر کریں جو بڑا بھی ہے اور آرام دہ بھی اور جس کی روانگی سے پہلے ہم کو ہفتہ عشرہ مزید استفادہ کا موقع مل جائے گا۔ ان کے اصرار اور محمد شفیع صاحب قریشی مرحوم کی تائید سے جو اسوقت کراچی میں مقیم تھے اور تبلیغی جماعت کے صف اول کے کارکن تھے ان کا مشورہ مان لیا گیا۔ جن لوگوں نے علوی جہاز سے سفر کیا انہوں نے سخت تکلیف اٹھائی اور بڑی تاخیر سے پہونچے، اس کے علاوہ اسلامی جہاز میں سفر کرنے میں کئی حکمتیں تھیں جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

اسلامی جہاز میں فرسٹ کلاس کا جو کیبن ہم کو ملا، اس سے ملے ہوئے دو کیبن میں بمبئی کے ایک بڑے میمن تاجر حاجی غریب احمد اور ان کے خاندان کے لوگ تھے۔ وہاں بھی وہی پیش آیا جو کراچی میں پیش آیا تھا۔ جہاز میں تبلیغی اور دعوتی فضا تھی مستورات کے الگ جلسے ہوتے تھے وہاں کسی طرح جہاز کی مسافر خواتین کو معلوم ہوگیا کہ ہمشیرہ مصنف اور اہل قلم ہیں اور دینیات سے واقف ہیں بس کیا تھا ایک ہی دو مضامین کے بعد یہ خواتین ان کی گرویدہ ہوگئیں۔ ان میں سب سے زیادہ گرویدگی اور تعلق حاجی غریب احمد صاحب کے افراد خاندان کو خصوصیت کے ساتھ ان کی خوش دامن صاحبہ کو ہوا۔ وہ تو بالکل ماں کا سا سلوک کرنے لگیں۔ ہمشیرہ کا دل ہمیشہ سے کمزور تھا اور صدموں نے بھی اور کمزور کر دیا تھا، سمندر میں طوفان اٹھا اور جہاز میں غیر معمولی حرکت اور آواز ہوئی، ان کو اختلاج ہونے لگا اور دہشت طاری ہوگئی۔ اس موقع پر یہ نیک دیندار خاتون فرشتہ رحمت بن کر سامنے آئیں وہ ان کی ہر طرح سے تسلی کرتیں۔ اپنی کیبن میں لے جاتیں اور خاطر داری کرتیں۔ ان کی جدائی گوارہ نہ تھی، عقیدت وشفقت دونوں ان میں جمع تھی۔ یہ تعلق ایسا بابرکت اور پائیدار ثابت ہوا کہ حج سے واپسی کے بعد اور ان مرحومہ کی وفات تک جو کراچی میں پیش آئی، انہوں نے اپنے خطوط، تحائف کا سلسلہ بند نہیں کیا۔ ہمشیرہ مرحومہ اس خاندان کی شرافت ومحبت کو جب یاد فرماتیں تو ان کے ہر انداز سے ممنونیت کا اظہار ہوتا اور ان کا رواں رواں آخر تک ان کے لیے دعا کرتا رہا۔ بندرگاہ پر

اترنے پر بھی انہوں نے بڑی مدد کی اور حرمین شریفین میں بھی برابر وہ آتی جاتیں، اپنے ساتھ لے جاتی تھیں ہم لوگوں کی واپسی پر بمبئی میں انہوں نے باصرار اس زنانہ قافلہ کو اپنی کوٹھی پر ٹھہرایا۔ ہمشیرہ ہی نہیں بلکہ جن جن بچیوں سے ان کو خاص تعلق تھا ان کے ساتھ بھی وہ اپنی محبت کا اظہار کرتی رہیں: بمبئی ہی میں محمد ثانی سلمہٗ کے یہاں پہلی ولادت کی اطلاع ملی تو انھوں نے اس بچی کے لیے جو ماشاء اللہ اب خود دو بچوں (محمود حسن، مسعود حسن کی ماں (۱) ہے کپڑے اور کھلونے بھیجے، والدہ مرحومہ کی برکت یا ہمشیرہ مرحومہ پر اللہ کی رحمت کہ اس سفر میں قدم قدم پر اللہ کی مدد اور عنایت کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا رہا۔

داستان طویل ہے. ہم لوگ پہلے مدینہ طیبہ گئے کہ ابھی حج کا زمانہ دور تھا. اللہ نے تقریباً پورا رمضان نصیب فرمایا. مرحومہ نے اس قیام کی خوب خوب برکتیں لوٹیں. ذوق وشوق سے سلام پڑھتیں. مسجد شریف ہی کے قریب مدرسہ علوم شرعیہ کے ایک مکان میں، ہم لوگوں کا قیام تھا. اس لئے پانچوں وقت نماز مسجد میں ہوتی. گنبد خضرا (علیٰ صاحبہ الف الف سلام) بالکل سامنے تھا ایک رات خاص احد میں میدان کارزار کے قریب مولانا سید محمود مدنیؒ (برادر اصغر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ) کے مکان میں گزاری اسی زمانے کے لکھے ہوئے سلاموں کا مجموعہ الگ شائع ہوا اور بہت مقبول ہوا اور خدا کے بعض نیک مخلص بندوں نے اپنے تعزیتی خطوط میں اطلاع دی ہے کہ انہوں نے بعض مرتبہ ان کا لکھا ہوا سلام مواجہہ شریف میں پڑھا۔

ذیقعدہ کے آخری عشرہ میں مکہ معظّمہ روانگی ہوئی بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑی تو مرحومہ کی عجیب حالت ہوئی۔ تقریباً ایک مہینہ رباط ٹونک میں قیام رہا جو حرم شریف سے

---

(۱) ماشاء اللہ تین بچوں (محمود، مسعود، منصور) اور دو بچیوں (عائشہ، ہشامہ) کی والدہ ہیں اور یہ سب بچے بھی ماشاء اللہ صاحب اولاد ہوئے، بارک اللہ فیہم، مگر وہ خود اب دنیا میں نہیں، ۱۴ رشعبان ۱۴۲۶ھ مختصر علالت کے بعد انتقال کیا، کتاب کا ضمیمہ انہی سے متعلق ہے، غفر اللہ لھا ورحمہا رحمۃ واسعۃ) اور مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے انتقال کے ۶ رسال بعد ۱۶ رفروری ۱۹۸۲ء (۱۴۰۲ھ) کو وفات پائی (مرتب کتاب)

قدرے دور محلہ شامیہ میں ہے، لیکن نماز میں حاضری ہوتی رہی اس میں عزیزی محمد ثانی کی ہمت اور خدمت کو بڑا دخل ہے وہی ان مستورات کو لاتے اور لے جاتے اس وقت حضرت شیخ کی دور بینی اور دور اندیشی کی تصدیق ہوئی۔

حج میں خاص طور سے میدان عرفات میں بڑی مشغولت اور دعا و مناجات میں وقت گزرا۔ ان کا حال عرفات کی دعائے ماثور کے الفاظ کی تصویر تھا۔

اَنَـا الْبَـائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ (میں دکھیار احتاج، فریادی پناہ چاہنے والا لرزاں و ترساں)

حج کے بعد یہ قافلہ مدرسہ فخریہ میں اٹھ آیا تو باب ابراہیم پر جو گویا بیت اللہ کے حدود ہی میں تھا ایسا کہ بعض اوقات مستورات امام حرم کے پیچھے ہی کمرے میں نماز پڑھ لیتیں۔ صفیں نیچے وہاں تک آجاتیں اکثر حرم شریف میں جانا ہوتا۔ تقریبا تین مہینے مکہ معظمہ میں قیام رہا، اس میں چھوٹا بڑا سب عمرہ انہوں نے کیا (تنعیم سے جو عمرہ ہوتا ہے وہ چھوٹا ہوتا ہے اس لیے کہ اس کا فاصلہ کم ہے اور جعرانہ سے جو عمرہ ہوتا ہے وہ بڑا کہلاتا ہے اس لیے کہ اس کا فاصلہ زیادہ ہے) غالبا صفر کے آخر (جنوری ۴۸ء کی شروع تاریخوں میں) جب ہندوستان تقسیم ہو چکا تھا اور اس ملک کی آبادی خون کے دریا میں نہا کر نکلی تھی۔ ہم لوگوں کی بمبئی براہ کراچی واپسی ہوئی، اس لیے کہ ٹکٹ کراچی تک کے تھے۔ اس سفر کا ذکر وہ مزہ لے لے کر آخر تک کرتی رہیں۔ ہم بھائی بہن جب جمع ہوتے تھے اور ہمارے بھانجے بھتیجے اور ان کے بچے بچیاں (اللہ سب کو زندہ اور سلامت رکھے) آکر بیٹھ جاتے تو اکثر اسی مبارک سفر کا قصہ چھڑ جاتا۔ اور گویا نور و سرور کا ایک دفتر کھل جاتا۔

حج سے آنے کے بعد ان کا سب سے اہم اور مقدس مشغلہ والدہ صاحبہ مرحومہ کی خدمت اور ان کی مدد تھی جو روز بروز ضعیف اور معذور ہوتی جا رہی تھیں اور عمر کے آخری برسوں میں ان کی بصارت بالکل جاتی رہی یہ کام مشکل بھی تھا اور نازک بھی، ہر وقت کی

ذمہ داری، ضعف ومعذوری کے تقاضے اور لوازمات اور ماں کا معاملہ یہ انہیں کی سعادت وہمت تھی کہ انہوں نے آخری دم تک اس کو ایسی خوبی سے نباہا اور " فلا تقل لهما اف و لا تنهرهما وقل لهما قولا كريما " پر ایسا عمل کیا کہ وہ اس دنیا سے مسرور ومطمئن اور ان کے حق میں دعا گو گئیں، یہ ایک دو سال کا معاملہ نہ تھا تقریباً دس برس ضرور اس مسلسل صبر آزما خدمت کے گزرے یہ ان کی زندگی کا ایک روشن باب ہے اور آخرت کی زندگی کا ایک بڑا قیمتی ذخیرہ، رضوان کے ایک خصوصی نمبر میں جو والدہ صاحبہ کے انتقال پر نکلا تھا ان کا جو مضمون شائع ہوا تھا اس میں اس دور کی کچھ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ہمارے غریب خانہ رائے بریلی تشریف لائے تھے تو انہوں نے والدہ محترمہ اور خاندان کی دوسری بیبیوں اور بہنوں کے ساتھ ان کے ہاتھ پر بیعت اور توبہ کی تھی پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کی تجدید کی اور آخر تک ان سے محبت وعقیدت کا تعلق رہا۔ خط وکتابت کی بھی نوبت آئی، انہوں نے ایک مرتبہ مولانا کی خدمت میں ایک بڑا دردانگیز اور پر اثر خط لکھا تھا اور دعا وتوجہ کی درخواست کی تھی۔ مولانا نے اس کا غیر معمولی شفقت اور نہایت خصوصیت کا جواب دیا تھا جو میری نظر سے گزرا تھا۔ اس کے لفظ لفظ سے ان کے گہرے تاثر اور بزرگانہ شفقت کا اظہار ہوتا تھا۔ اس میں انہوں نے ان کو بڑی تسلی دی تھی اور اظہار ہمدردی فرمایا تھا ہماری بڑی بہن اور گھر کے کئی افراد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے بیعت وتربیت کا تعلق رکھتے ہیں، ہمشیرہ مرحومہ کو بھی حضرت شیخ سے خصوصی عقیدت تھی اور ایک مرتبہ انہوں نے خادمانہ شکوہ کیا کہ وہ بڑی بہن کو (جن کی خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا) تنہا سلام لکھتے ہیں اور دعا دیتے ہیں۔ حضرت شیخ نے اس کے بعد التزام کرلیا کہ ہر خط میں ان کو ضرور سلام لکھیں اور دعا میں شریک رکھیں۔

ہمشیرہ مرحومہ نے اس زمانے میں متعدد دینی مضامین اور رسالے لکھے، مجھے جب

خدا نے عربی میں بچوں کی زبان میں مدارس کے ابتدائی نصاب کے لیے تین حصوں میں انبیاء علیھم الصلاۃ والسلام کے قصے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی جو قصص النبین للاطفال کے نام سے شائع ہوئے تو انہوں نے اس کا آزاد ترجمہ کیا جو ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے اور بچوں کی قصص الانبیاء کے نام سے شائع اور مقبول ہو چکا ہے۔ بھائی کو تو اس وقت تین ہی حصے لکھنے کی توفیق ہوئی لیکن بلند ہمت بہن نے چوتھا اور پانچواں حصہ لکھ کر اس سلسلے کو مکمل کر لیا۔ چوتھے حصے میں حضرت شعیبؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت داؤد و سلیمان علیھما السلام وغیرہ کے قصے ہیں، اور پانچواں حصہ خاتم النبین ﷺ کی سیرت پر مشتمل ہے جو "ہمارے حضورؐ" کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ اب پورے تیس برس کے بعد اس عاجز کو چوتھا، پانچواں حصہ لکھنے کی توفیق ہوئی جو ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ہے۔(۱)

ہمارے خاندان میں ایک دعائیہ نظم بڑی مقبول اور مروج ہے، پریشانی اور اکثر وظیفے کے طور پر بڑے ترنم اور رقت سے پڑھی جاتی ہے۔ یہ خاندان کی مستورات اور لڑکیوں کو زبانی یاد ہے۔ یہ کسی غیر معروف لیکن برگزیدہ شاعر کی لکھی ہوئی ہے جن کا تخلص ہاتف تھا۔ اس میں خدا کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ایک نام لے کر اس سے دعا کی گئی ہے، یہ نعمت عظمیٰ کے نام سے مشہور تھی، ہمشیرہ مرحومہ کو اس سے خاص طور پر شغف تھا، انہوں نے اس کو مناجات ہاتف کے نام سے شائع کرایا اس کتاب کی اشاعت بھی ان کے حسنات میں سے ہے۔

اس زمانہ میں ایک مشغلہ ان مناجاتوں اور اشعار کا نقل کرنا بھی تھا جو والدہ مرحومہ موزوں کرتیں۔ وہ خود نہیں لکھ سکتیں، اس لیے لکھاتیں، یہ کام زیادہ تر انھیں کو کرنا پڑتا تھا، اسی کے ساتھ انہوں نے اپنی بڑی بہن کے گھر کا انتظام بھی جو ماشاء اللہ بڑا اور آباد گھر ہے، اپنے شوق سے اپنے ذمہ لے لیا اور ان کو تقریباً اس فکر سے فارغ کر دیا، اپنا دل بہلانے اور خدمت کے جذبہ سے انہوں نے روزمرہ کی ضروریات کا سامان بھی رکھنا شروع کیا اور اس طرح

---

(۱) عربی میں متعدد ایڈیشن بلاد عربیہ اور برصغیر سے نکل کر عام ہوئے اور اس کے اردو ہندی، انگریزی ترجمے بھی خوب مقبول ہو رہے ہیں (م)

تجارت کی ایک سنت بھی ادا ہوگئی۔اس سے ان کو اکثر اوقات بڑی پریشانی اٹھانی پڑتی تھی ،اکثر یہ سامان قرض پر جاتا تھااور ان کی بڑی بڑی رقمیں لوگوں کے ذمہ رہ جاتی تھیں۔کئی مرتبہ ان سے کہا گیا کہ وہ یہ تردداور دردسر کیوں مول لیتی ہیں وہ اس کا جواب دیتی تھیں کہ ہم یہ سامان نہ رکھیں تو لوگوں کو پریشانی ہوجائے گی۔اس سے وقت، بے وقت لوگوں کا کام چل جاتا ہے اور عزیزوں کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔یادرہے کہ ہم لوگوں کا مسکن شہر سے دور ہے اور قریب کوئی بازاراور دوکان نہیں۔

دسمبر ۵۶ء سے عزیزی مولوی محمد ثانی سلمہ اور ان کی ادارت میں مسلمان بچیوں اور عورتوں کا دینی رسالہ ''رضوان'' نکلنا شروع ہوا اس سے ان کو لکھنے پڑھنے کا اور مشغلہ ہاتھ آگیا،اس میں وہ برابر مضامین لکھتیں اور ان کی نظمیں اس میں شائع ہوتیں یہ سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا۔

یہ تو سب ان کی کتاب زندگی کے ضروری باب اور عنوان ہیں جو سوانح نگاری کے لیے ضروری ہیں،لیکن ان کی کتاب زندگی کا سب سے قیمتی ورق اور سب سے نورانی عنوان ان کا دردِ دل،ذوق دعا،ان کے دل کی بے تابی،ان کی آنکھوں کی اشکباری اور ان کی دن رات کی آہ وزاری ہے جو ظاہراتو ان کے خصوصی حالات کا نتیجہ لیکن حقیقتاً ان کے اظہار بندگی کے لیے سامان غیبی ، ان کی ترقی اور ان کے رفع درجات کا بہانہ ہے ۔مبارک ہیں وہ مقدمات جو ایسے نتائج پیدا کریں اور مبارک ہیں وہ حالات وکیفیات ،جو اسطرح مالک کے سامنے رلائیں اور اشکوں کے دریا بہائیں جن کو سن کر خدا کی رحمت جوش میں آئے اور پتھر دل بھی پانی ہو،ذراایک مرتبہ رخصت ہونے سے پہلے یہ اشعار پڑھیے،کس دل سے نکلے ہیں اور انہوں نے دریائے رحمت میں کیسا تلاطم برپا کیا ہوگا۔آج بھی دل کے ساکن سمندر میں تلاطم پیدا کرنے کے لیے کافی ہیں ۔

کب سے کھڑی ہوں یارب امید کے سہارے

یہ دن نہ جانے میں نے کس طرح سے گزارے
بے چین و مضطرب دل جاکر کسے پکارے
وہ کون ہے جو حالت بگڑی ہوئی سنوارے
ہے باب یہ کرم کا خالی نہ پھیر یا رب
دینا اگر تجھے ہے پھر کیوں ہے دیر یا رب
کنج قفس سے بدتر اپنا ہے آشیانہ
اس قید بے کسی میں گزرا ہے اک زمانہ
مغموم دل پہ یارب لازم ہے رحم کھانا
کرتی ہوں شکایت میں تجھ سے یہ عاجزانہ
بار اَلم ہے دل پر طاقت نہیں ہے دل میں
کیوں کر ہو صبر مجھ سے ہمت نہیں ہے دل میں

اس نظم کے دو شعر دل تھام کر اور سن لیجیے ۔

کب سے لیے کھڑی ہوں میں کاسۂ گدائی
اب تک ملا نہ مجھ کو اور شام ہونے آئی

اور یہ دوسرا شعر ہے، اور کون بڑے سے بڑا صاحب علم اور صاحب درد ہے جو اس شعر کو پڑھ کر بندگی اور عاجزی کا مزا نہ لے ۔

بندہ نواز میری منت کی لاج رکھ لے
میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے

یہ سب اشعار ان کے مجموعہ باب کرم سے لیے گئے ہیں جو چھپ کر دعا و مناجات کا ذوق رکھنے والے مردوں اور عورتوں میں مقبول ہو چکا ہے۔

آخر وہ وقت آ گیا کہ وہ جس کے دروازہ پر برسوں سے دستک دے رہی تھیں اور

فریاد کر رہی تھیں اور اپنی والدہ محترمہ کے الفاظ میں یہ کہنے کا حق رکھتی تھیں کہ ؎

عمر گزری ہے ترے دربار میں آتے ہوئے
گڑگڑاتے مانگتے اور ہاتھ پھیلاتے ہوئے

اس کی رحمت کا فیصلہ ہوا کہ وہ اب اپنی اس عاجز و درماندہ، دردمند، پرسوز بندی کو اس دارالمحن سے اپنے جوار رحمت میں بلا لے جس کے مکینوں کے لیے اس کا ارشاد ہے:

"لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ"

رجب، شعبان ۱۳۹۵ھ ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۵ء سے ان کو کچھ اندرونی تکلیفیں رہنے لگی تھیں، جس کی صحیح تشخیص آخر تک نہ ہو سکی، رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء) کہ جس کا ان کو بڑا انتظار و اشتیاق تھا۔ اس مرتبہ اس کے صرف دس روزے رکھ سکیں کہ ضعف و لرزہ کا سخت حملہ ہوا۔ رائے بریلی کے ایک تجربہ کار ڈاکٹر کے علاج سے وہ کیفیت تو جاتی رہی، لیکن طاقت نے عود نہیں کیا۔ چلنے پھرنے لگیں لیکن کمزوری بڑھتی جا رہی تھی۔ ادھر ہم لوگ ندوۃ العلماء کے جشن تعلیمی منعقدہ ۳۱/ اکتوبر تا ۳/ نومبر کی تیاریوں میں ایسے مصروف ہوئے کہ ہم کو خود اپنے سر و پا کا ہوش نہیں رہا، لیکن جب اجلاس سے فارغ ہو کر غالباً ۷، ۸/ نومبر کو رائے بریلی پہونچا تو گھر میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلے وہ اپنے کمرہ سے نکل کر دروازہ تک آئیں اور کہا کہ علی، مبارک ہو، تمھارا جلسہ بہت کامیاب ہوا ہماری دونوں بہنیں اور گھر کی مستورات چھوٹے بڑے سب جلسے کے لیے روز و شب دعا کر رہے تھے، ان میں سے کوئی لکھنؤ نہ جا سکا، لیکن آنے والے عزیزوں سے ان کو خبریں ملتی رہیں، ان کی وہ خوشی ابھی تک یاد ہے، جو ہم لوگوں کی زبانی جلسے کے حالات سن کر ان کو ہوتی تھی۔

جلسہ اور ضروری کاموں سے جب ہم لوگوں کو فراغت ہوئی تو ان کے چھوٹوں نے اصرار کیا کہ لکھنؤ چل کر ڈاکٹروں کو دکھا دیں اور صحیح تشخیص ہو جائے ان کو اس میں بڑا تامل تھا۔ لیکن چھوٹوں کا اصرار غالب آیا اور وہ ۱۷ جنوری ۱۹۷۶ء کو لکھنؤ گئیں۔ چلتے

وقت انہوں نے کسی سے کہا ''معلوم نہیں شاید موت ہم کو لے جارہی ہے'' اس سے پہلے بھی انہوں نے ایسے اشارے کیے تھے، ان کو اپنی خالہ زاد بہن کی لڑکی فاطمہ سلمہا اہلیہ عزیز گرامی قاری سید رشید الحسن صاحب نبیرہ نواب سید نورالحسن خاں مرحوم (فرزند اکبر نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم) مقیم حال کراچی سے اولاد کی سی محبت تھی انہوں نے ان کو بیٹی کی طرح رکھا تھا۔ یہ رشتہ بھی انہیں کی پسند اور کوشش سے ہوا تھا۔ اور بچی کی ماں کے زندہ ہونے کے باوجود حقیقی ماں کی طرح اس کی شادی کی تھی۔ انہوں نے نواب صاحب مرحوم کا وہ دور دیکھا تھا اور ان کی اور ان کی بیگم صاحبہ کی شفقتیں سب آنکھوں کے سامنے تھیں کہ ہم لوگوں کو اپنی اولاد ہی کی طرح سمجھتے تھے اس لیے ان کو اس رشتہ سے بڑی خوشی تھی، کئی برس سے یہ بچی جو ماشاء اللہ اب کئی بچوں کی ماں ہے۔ سلمہم اللہ تعالیٰ رائے بریلی نہیں آئی تھیں وہ یہاں سے بھی ان کے بچوں کو برابر تحفے بھیجتی تھیں، قاری صاحب کا جب خط آیا کہ ہم لوگ آنے والے ہیں۔ تو انہوں نے سنتے ہی کہا کہ اب ہم سے کیا ملاقات ہوگی۔؟

ہمشیرہ مرحومہ جس دن لکھنؤ پہنچیں اسی دن مجھے ناگپور، اورنگ آباد اور پونہ کے دورہ پر روانہ ہونا تھا میں ۷ار جنوری کی شام کو دارالعلوم سے گھر آیا کہ ان کو سلام کرتا، دعائیں لیتا سفر پر روانہ ہو گیا۔ اس وقت کوئی علامت فوری خطرہ اور تشویش کی نہ تھی میں دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا چلتے وقت مجھے حسب معمول رخصت کیا اور والدہ مرحومہ کی عادت کے مطابق "اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ" پڑھ کر خدا کی حفاظت میں کیا، کیا معلوم تھا کہ شعور و ہوش کی حالت میں ان سے یہ آخری ملاقات ہے۔

قصہ مختصر دوران سفر میں مجھ پر واپسی کا ایسا شدید تقاضا ہوا کہ اپنے مزاج و عادت کے خلاف کسی کا اصرار غالب نہ آیا اور آگے کا سارا پروگرام ملتوی کر کے اورنگ آباد سے دہلی بذریعہ ہوائی جہاز اور دہلی سے کانپور بذریعہ ٹرین اور کانپور سے بذریعہ کار ۲۵ر جنوری کو بعد مغرب لکھنؤ پہنچا، محبی ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی اور عزیزی مولوی معین اللہ صاحب ندوی

نائب ناظم ندوۃ العلماء ہمراہ تھے، موٹر سے قدم رکھتے ہی یہ چیز بجلی بن کر گری کہ وہ بالکل بے ہوش ہیں۔ کئی مریضوں کا حال دیکھ چکا ہوں اور ایک طبی گھرانے سے تعلق ہے، اس لیے اس کے آخری نتائج بجلی کی طرح آنکھوں کے سامنے آگئے، پھر یہ دو دن اور تین راتیں کس طرح گزریں اس کو تفصیل سے سنانے کا یارا نہیں، زندگی کے سخت ترین دنوں میں ان کا شمار ہے، انسان کی بے بسی، زندگی کی بے حقیقتی، دنیا کی بے ثباتی اللہ کے ارادہ کی قاہری اور فرمانروائی سب حقیقتیں منکشف ہو گئیں، بالآخر ۲۸/جنوری ۱۹۷۶ء کو صبح تقریباً دس بجے اسی گھر میں جس میں انہوں نے باپ اور بھائی کے سایہ میں بچپن سے جوانی اور کہولت، اور غم وخوشی کے بہت سے دن گزارے تھے جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور جگر کا یہ مصرع بالکل حسب حال ہوا۔ ع

"عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا"

اسی دن خدا کی اس امانت کو جو ہم سب کو بہت عزیز تھی، وطن آبائی کے راستہ وطن اصلی تک پہونچانے کا سامان کیا گیا کہ "اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی" اور اسی دن ۲۸/جنوری کو بعد نماز عصر ایک کثیر جماعت کے ساتھ جس میں علماء طلباء اور صلحاء کی بڑی تعداد تھی، نماز جنازہ پڑھی گئی اور ان کو ان کی شفیق ماں کے پہلو سپرد خاک کر دیا، جن کی ہم سب میں ہم سب سے زیادہ انہیں نے خدمت کی تھی، ایک طرف ان کے باکمال نامور باپ، دوسری طرف ان کے شفیق ومشفق بھائی ڈاکٹر سید عبد العلی مرحوم اور بیچ میں خاندان حسنی وقطبی کی برگزیدہ ترین شخصیتیں حضرت شاہ علم اللہ حسنی نقش بندی اور حضرت سید محمد عدلؒ وغیرہ ہیں۔(۱) اللہ کی رحمتیں سب پر اور اس کا درود وسلام اس کے حبیب سید المرسلین شفیع المذنبین پر جن کی بدولت صراط مستقیم، راہ نجات اور علو درجات کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

(۱) اور ان کے بعد پھر اسی میں ایک گوشہ میں مرحومہ کی ہی قطار میں، بہن امۃ العزیز مرحومہ اور دوسری جانب کی قطار میں بھانجہ مولانا سید محمد ثانی حسنی اور ایک طرف بھتیجہ مولانا سید محمد الحسنی درمیانی قطار باب الداخلہ کی جانب عزیز ترین بھائی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ آسودہ خواب ہوئے۔ (م)

اپنی ہمشیرہ مرحومہ کی یاد میں چند تأثرات

از: مولانا سید ابوبکر حسنی (۱)

دنیا کے کسی حصہ میں چلے جایئے، مشرق ہو کہ مغرب شمال ہو کہ جنوب آپ کو ہر جگہ ایک بات قدر مشترک ملے گی۔ اور وہ ہے علم وعمل کا تضاد، یا یوں کہیے کہ قول وفعل میں عدم مطابقت۔ کوئی قوم ہو، ادنیٰ کہ اعلیٰ، اس عیب سے خالی نہیں، افراد پر نظر ڈالیے تو ہر شخص میں یہی عیب نمایاں ہوگا۔ الا ماشاء اللہ

یہی عیب ساری دنیا کے فساد کی جڑ ہے، جس طرف نظر دوڑایئے! ہر طرف یہ حقیقت آشکارا ہو کر سامنے آجائے گی۔ ہر شخص کی زبان اور دل اور، ظاہر کچھ، باطن کچھ، سچائی کی ترغیب دے گا۔ خود جھوٹ بولے گا، امانت داری کے وعظ کہے گا اور خود خیانت کرے گا، ظلم وجور کے مصائب بیان کرے گا، خود ظلم کرنے میں مطلق عار نہ محسوس کرے گا، بڑوں کی عزت کی تلقین کرے گا، خود توہین کرے گا، چھوٹوں سے محبت کی نصیحت کرے گا، خود نفرت کا سلوک کرے گا، پڑوسی کے حقوق پر گوہر افشانی کرے گا، خود حقوق کا ذرا لحاظ نہ کرے گا، غیبت کرنے

(۱) مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی مرحوم کے فرزند اور مولانا شاہ سید ابوالقاسم ہنسوی خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے نواسہ تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے ساتھیوں میں اور بے تکلف تھے عمر میں آٹھ نو مہینے بڑے تھے دار العلوم ندوۃ العلماء میں اس زمانہ میں تعلیم حاصل کی جب وہاں مولانا عبد الرحمٰن نگرامی استاد تھے ان سے بھی پڑھا، لکھنو یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور ایم اے عربی کیا پھر کانپور میں حلیم کالج میں کچھ مدت پڑھایا پھر دہلی میں آل انڈیا ریڈیو سے منسلک ہوئے اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی سے بحیثیت اسٹنٹ پروفیسر ریٹائر ہو کر مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، معذوریوں کی وجہ سے اس سے سبکدوشی اختیار کر لی، انتقال تکیہ کلاں رائے بریلی میں ہوا اور وہیں آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے، آپ نے حج کی سعادت بھی حاصل کی اور ندوۃ العلماء لکھنو کی مجلس نظامت ومجلس انتظامی دونوں کے رکن تھے۔ (م)

والوں، چغلخوروں، افترا پردازوں پر سخت سے سخت تنقید کرے گا، خود کو ان تمام عیوب سے مبرا سمجھے گا، صبر کے فضائل پر گھنٹوں تقریر کرے گا، خود بے صبری میں اپنی آپ مثال ہوگا، شکر کے محاسن پر دفتر کے دفتر سیاہ کرے گا، خود ناشکری کے آخری حد کو پہونچ چکا ہوگا، دوسروں کے فرائض وواجبات گنائے گا، اپنے فرائض بھول جائے گا، قربانی وایثار دوسروں کے لیے واجب شمار کرے گا اور اپنے لیے ناروا و بے محل، خود بخیل ہوگا، دوسروں کو سخاوت کی دعوت دے گا، خود لالچی ہوگا، دوسروں کو طمع نہ کرنے کی نصیحت کرے گا، خود مغرور ہوگا، دوسروں کو تواضع اور انکساری کے درس دے گا۔ اور یہ حال ہم ایسے عام لوگوں کا ہی نہیں، بلکہ ساری دنیا ایسے انسانوں سے پٹی پڑی ہے، یوروپ وامریکہ، روس وچین کا ذکر چھوڑیئے! وہ لوگ گئے گزرے ہیں۔ مشرقی ممالک پر نظر ڈالیے۔ ہندوستان ہو کہ پاکستان، عرب ہو کہ انڈونیشیا،، ہر جگہ ایسے ہی انسان ملیں گے، کہیں لاکھوں میں ایک آدھ انسان ملے گا جسے آپ حقیقی معنوں میں انسان کہہ سکیں، دوسرے معنوں میں جسے آپ مومن کہہ سکیں جس کا ظاہر و باطن ایک، علم و عمل میں یکسانیت، قول وفعل میں یگانگت، صابر بھی شاکر بھی، متواضع بھی اور غمگسار بھی، سخی بھی اور خوددار بھی، جس کو خوف حشر ہو اور جزا وسزا کے ڈر سے تھراتا ہو، اللہ کا خوف بھی ہو اور اس سے عشق بھی، رسول اللہ ﷺ سے محبت بھی ہو اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری میں اپنی نجات سمجھتا ہو، حال وقال ایک ہو قیل وقال کی کوئی گنجائش نہ ہو، نمازوں میں لذت محسوس کرتا ہو اور فرائض وسنن کے علاوہ نوافل کی کثرت پر عامل ہو، اس کی دعاؤں میں گریہ وزاری ہو، نفلی روزوں تک کا اہتمام ہو، کلام مجید کی تلاوت کا شوق ہو، اور اس پر مداومت، اوراد و وظائف اس کا معمول ہو، ضیافت ومہمان نوازی اس کی عادت ہو، باتوں میں نرمی زبان شیریں اور دل پاک وصاف ہو، سلامتی اس کے مزاج میں ہو، حکیم ودانا ہو غصہ کو پیتا ہو۔ نرم جو اور نرم خو ہو، جسے دیکھ کر فرشتہ یاد آجائے۔ ایسے اوصاف عالیہ کا جب بھی خیال آتا ہے۔ بلاشبہ اپنی بہن مرحومہ یاد آجاتی ہے۔
اللہ اللہ کتنی خوبیوں کی مالک تھیں، انہیں بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور دور سے بھی، گفتگو بھی کی، برتا بھی، پاس اٹھا بیٹھا بھی، دعائیں کرائیں بھی اور دعائیں لیں بھی، مجمع صفات

وکمالات تھیں۔اللہ تعالیٰ نے کیسا کیسا انہیں نوازا تھا، کیا کیا کہوں اور کیا کیا بتاؤں، نہ حسد، نہ بغض، نہ کدورت نہ رنجش، نہ شکایت نہ حکایت، نہ انتقامی جذبہ، نہ مخالف سے پرخاش، عفوودرگزران کا شیوہ، دل نازک ونرم، اور خوف خدا ایسا کہ آندھی آئی، ہوا تیز چلی، بجلی چمکی، بادل گرجا کہ انہوں نے مصلّٰی سنبھالا، نفلوں پر نفلیں پڑھے جارہی ہیں، رورو کر دعائیں مانگ رہی ہیں، گڑگڑا رہی ہیں، استغفار و درود پڑھ رہی ہیں، کبھی سورۂ یٰسین کا ورد ہے تو کبھی کسی اور سورۃ کا، کسی کل قرار نہیں، تا آں کہ مصیبت ٹل نہ جائے۔

کوئی بیمار ہوا، یہ عیادت کو جارہی ہیں، دوا بتارہی ہیں، دلاسا دے رہی ہیں، بیمار کو سکون آگیا ہے۔مگر یہ ہیں کہ اسی طرح بے چین۔کوئی بی بی اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ گئیں۔یہ انہیں صبر کی تلقین کررہی ہیں، ہمت بڑھارہی ہیں اوران کی دل جوئی کے سامان مہیا کررہی ہیں۔

خوشی کا موقع ہے تو اللہ کا شکرادا کررہی ہیں، زبان و دل ہی سے نہیں بلکہ سجدۂ ایزدی اور کلام الٰہی کے ورد سے بھی، خواتین کے اجتماعات بھی کررہی ہیں اور میر محفل بنی گوہرافشانی فرمارہی ہیں۔غریب وامیر، جوان وبوڑھے، چاروں طرف سے کھنچے چلے آرہے ہیں۔پرکشش شخصیت اور حد درجہ محبوب ومقبول ان کے شب وروز پر نظر ڈالیے تو کسی وقت انہیں آپ خالی بیٹھا ہوا نہ پائیں گے۔کہیں گھر کی دیکھ بھال ہے تو کبھی مہمانوں کے آرام کی تدبیریں ہو رہی ہیں۔ان کے رہنے سہنے، سونے جاگنے، ناشتہ کھانے کا بندوبست کیا جارہا ہے اوراسی فکر میں غلطاں وپیچاں ہیں۔یہی نہیں کسی کو تعلیم دے رہی ہیں۔تو کسی کی تربیت میں لگی ہوئی ہیں، کسی کو مشورہ دے رہی ہیں تو کسی کو نصیحت، پریشان حال آیا تو مدد ہورہی ہے، کسی کو تعویذ دے رہی ہیں تو کسی کو پھونکا ہوا پانی، ساتھ ساتھ عیادت بھی ہے اور مزاج پرسی بھی، استقبال بھی ہے اور وداع بھی، وقت بچا تو تصنیف وتالیف میں لگ گئیں۔اور جس ذات پاک نے انہیں ان اوصاف کا حامل بنایا اس کی حمد وثنا میں دفتر کے دفتر سیاہ کرڈالے، نعتیں کہنے پر آئیں تو کتنی نعتیں کہہ ڈالیں۔آخر کب تک۔وقت موعود آہی گیا ان کی روح کو تو تسکین ماشاء اللہ مل گئی۔ہم مگر تڑپ کر رہ گئے۔اللھم اغفر لھا وارفع درجاتھا۔

مل گیا زادِ سفر مجھ کو سفر سے پہلے

از: مولانا سید محمد الحسنی

بانی مدیر مجلّہ ''البعث الاسلامی''، لکھنؤ (۱)

ہماری پھوپھی امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ کا حادثۂ وفات اماں بی (والدہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی) کے حادثۂ وفات سے کسی طرح کم نہ تھا۔ بعض وجوہ اور حیثیتوں سے اس سے زیادہ جاں گداز اور جاں سوز تھا۔

افسوس کہ انہوں نے بھی ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ کی شب کو داغ مفارقت دیا اور اپنے مالک حقیقی سے جاملیں غفر اللہ لھا ورحمھا رحمۃ واسعۃ) ''ان للّٰہ ما اعطی ولہ ما اخذ و کل شیء عندہ باجل مسمّی۔''

اماں بی کے انتقال کے بعد ان کی جانشین اور ان کی دولت کی امین ہمارے گھرانے اور خاندان کی خواتین میں وہی سمجھی جاتی تھیں (الحمد للہ یہ دولت ہمارے گھر میں اب بھی موجود ہے اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی اور ان کی ہمشیرہ محترمہ سیدہ امۃ العزیز صاحبہ مدظلہا کا وجود آج ہم سب کے لیے باعث برکت اور سایہ رحمت ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است
خم و خم خانے با مہر و نشاں است

(۱) مولانا سید محمد الحسنی فرزند مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی صاحبؒ تذکرہ کے برادرزادہ اور خانوادۂ حسنی کے چشم و چراغ، افسوس کہ ۱۳ رجون ۱۹۷۹ء مطابق رجب ۱۳۹۹ھ کو چند گھنٹوں کی علالت کے بعد لکھنؤ میں انتقال کر گئے اور وہ خلا چھوڑ گئے جو پُر نہ ہو سکا اور اسی روضۂ حضرت شاہ علم اللہ حسنی میں مدفون ہوئے جہاں حضرت شاہ صاحب اور ان کی اہلیہ صاحبزادے شاہ آیت اللہ اور پوتے حضرت شاہ عدلؒ اور جس میں ان کی یہ پھوپھی اور اور والد و دادا مدفون تھے اور پھر ان کی دوسری پھوپھی اور چچا مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی بھی مدفون ہوئے۔ غفر اللہ لھم و رحمھم رحمۃ واسعۃ (م)

اطال اللّٰہ بقائھما و نفعنا ببر کاتھما)

لیکن کس کو اندازہ تھا کہ وہ اس قدر اچانک اور اتنی جلد ہم سے رخصت ہوں گی اور ان کے فیوض و برکات کا سایہ جس سے بڑی ڈھارس رہتی تھی ۔ ہمارے سر سے اٹھ جائے گا ۔ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ کا تعارف اپنی والدہ ماجدہ کی طرح (بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ) اپنی کتابوں، مضامین، اشعار، نعتوں اور ماہ نامہ رُضوان کی وجہ سے جس کی وہ شریک ادارت تھیں ۔ خاندان سے باہر بھی بہت تھا ۔ ملک کے علمی و دینی حلقے، دیندار گھرانے، بزرگوں اور علماء و مشائخ سے تعلق رکھنے والے، دین کے دردمند اور عورتوں میں دینی زندگی کی بقاء و احیاء کے فکر مند، اصحاب علم و اہل دل اکثر ان سے واقف اور ان کی دینی خدمات کے معترف تھے ۔ اس کا صحیح اندازہ ان کے انتقال کے بعد ہوا. ان کے فیض و برکت کا دائرہ کتنا وسیع تھا، اور ان کی تصنیفات اور تحریروں سے کہاں کہاں فائدہ اٹھایا گیا. اور کس طرح دل کھول کر ان کے لیے ہر جگہ دعائیں ہوئیں اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا ۔

عم مخدوم و معظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے اپنے مفصل اور دردانگیز مقالہ میں (جس کو اشکبار ہوئے بغیر پورا پڑھنا مشکل ہے اور جس کا صحیح اندازہ انھیں کو ہوسکتا ہے ۔ جن کے دل پر کبھی کوئی چوٹ لگی ہو. اور وہ محبت کے اداشناس ہوں ۔ اور محبت کی زبان سمجھتے ہوں، بلاشبہ ایک ایسے ہی فراق اور خودی کے موقع پر حضور ﷺ کی چشم مبارک سے آنسو بہتے ہوئے دیکھ کر ایک صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں میں رکھتا ہے ۔) ان کی پوری کہانی آپ کو سنائی ہے، یہاں اختصار کے ساتھ ان تین چیزوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلانا مقصود ہے، جن پر مذکورہ بالا مقالہ سے بھی روشنی پڑتی ہے ۔ جو ان کی کتاب زندگی کے جو ۲۸ ر جنوری ۱۹۷۶ء کی صبح کو ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی جلی عنوان بن سکتے ہیں ۔

ایک ان کا صبر، مسلسل مجاہدہ اور نفس کشی بلکہ بے نفسی ہے جو اس کتاب زندگی کی ہر صفحہ

بلکہ سطر سطر سے نمایاں ہے اور جس کا صحیح اور پورا اندازہ ان کے قریب رہنے والوں ہی کو ہوسکتا ہے۔

دوسرے ان کا درد و سوز جوان کے اشعار، نظموں، مناجاتوں اور نعتوں سے پوری طرح عیاں ہیں، بلکہ چھلکا جارہا ہے، تیسرے ان کی محبوبیت و دلنوازی جس نے خاندان کے بچہ بچہ کو بلکہ ان کی سب ملنے والیوں کو ان کا گرویدہ اور اسیر بنالیا تھا۔ان کی پہلی صفت میں ہمیں قرآن مجید کی اس آیت کا ظہور نظر آتا ہے۔

"وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ "(۱)

اس آیت میں خود حضور ﷺ کو ارشاد ہورہا ہے کہ تم ان لوگوں کی رفاقت کو مضبوط پکڑلو۔جو صبح شام اللہ تعالیٰ یاد، عبادت ودعا میں مشغول رہتے ہیں اور صرف اسی کی خوشنودی اور رضا کے طلبگار ہیں.اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کے ان مخلص، پاک باز اور اطاعت گزار بندوں کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا ہوگا جن کا یہ وصف بیان کیا گیا ہے،اور خود حضور اکرم ﷺ کو ان کی رفاقت کی ہدایت کی جارہی ہے۔

امۃ اللہ تسنیم صاحبہ میں ہمیں دعاو عبادت اور اخلاص وللہیت کا یہ پرتو نظر آتا ہے.جس کا بیان ابھی گزرا ہے ان کے دو ہی کام تھے دعا و نماز اور دوسروں کی خدمت و خیر خواہی ،صحیح مشورہ ورہنمائی اور خدا سے عاجزانہ عرض و نیاز۔اس میں ان کے یہاں کوئی اونچ نیچ اور نشیب وفراز نہ تھے کہ آج کچھ ہے کل کچھ ،صبح کوئی کیفیت ہے شام کو کوئی کیفیت ،اور اسی یکسانی،اعتدال،استقلال یکسوئی اور متاع دنیا سے بے رغبتی اور کنارہ کشی کے ساتھ زندگی کے آخری ایام تک اس جادہ حق پر ثابت قدم رہیں اور اسی حال میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

ان کے لیے اس یکسوئی کا انتظام خود بخود قدرت کی طرف سے ہوتا گیا۔اب وہ تھیں اور قلم و دوات اور کاغذ،حمد و مناجات،تصنیف و تالیف اگر کچھ وقت بچتا تو وہ بچیوں کی تربیت و نگرانی میں گزرتا،اس پورے طویل عرصے میں ان کو کبھی سامان راحت اور اسباب

(۱) سورہ کہف آیت نمبر ۲۸

زینت کی طرف توجہ کرتے ہوئے بلکہ اس کی طرف نگاہ ڈالتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔انہوں نے اس ایک زیاں پر (اگر اس کو زیاں کہنا صحیح ہے) بڑے نفع کا سودہ کرلیا تھا جس کو مفتی صدرالدین آزردہ نے اپنے اس نفیس اور مشہور شعر میں بیان کیا ہے

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

شروع سے صلاح اور توجہ الی اللہ، امانت اور خشیت الٰہی ان کی فطرت وشرست میں داخل تھی۔عمر کے ساتھ اس میں برابر جلا ہوتی گئی۔آخر میں انہوں نے ایک اور دردسر جان بوجھ کر خرید لیا تھا اور وہ بھی کھانے پینے کی ضروری اشیاء کی تجارت یہ ''دوکان'' (رواجی معنی میں نہیں) انہوں نے دوسروں کی خدمت اور آخرت کا نفع کمانے کے لیے کھولی تھی اور یہ کام بھی وہ دعا اور عبادت کی طرح کرتی تھیں۔اسی جذبے، اسی دلسوزی فکرمندی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اس کے لیے وہ مقروض ہوتیں، پریشان ہوتیں مشغولیتوں اور معمولات میں خلل واقع ہوتا۔لیکن یہ سب کچھ وہ خنداں پیشانی کے ساتھ برداشت کرتیں.اور اگر کبھی از راہ ہمدردی ان کو اس کا مشورہ دیا جاتا کہ وہ اس کام کو چھوڑ دیں تو اس کو قبول نہ کرتیں۔

جمادے چنددام جاں خریدم
ولے مازاں کہ بس ارزاں خریدم

صبح شام کی عبادت اور لکھنے پڑھنے کی مشغولیت اور جذبہ دعا وذوق عبودیت کے ساتھ ان کا دن اسی مبارک وبے غرضانہ خدمت میں گذرتا۔جس کو بہت سے لوگ دنیا یا کم درجہ کی دینداری سمجھتے ہیں۔اور یہ نہیں جانتے کہ اس دعا وعبادت میں تو ریا وعجب کا شائبہ بھی ہوسکتا ہے لیکن یہ عبادت اپنی شکل کی وجہ سے اکثر اس خطرے سے محفوظ رہتی ہے۔

یہ ان کی بے نفسی، صدق واخلاص اور صبر وعزیمت کا ایک بڑا امیدان تھا جس کو

انھوں نے بڑی ہمت اور استقامت کے ساتھ طے کیا اور دونوں کام اس طرح کئے کہ کبھی ایک دوسرے کی حق تلفی یا کمی وزیادتی نہ ہوئی، یہ ان کے اخلاص اور حسن نیت کی برکت تھی جو ہر شخص کو آسانی سے میسر نہیں آتی۔

ہر ہوسنا کے نداند جام و سندان باختن

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ۔ (۱)

اس کے علاوہ انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ کی اپنے آرام وراحت سے آنکھیں بند کر کے جس طرح خدمت کی اور اپنی جنت بنالی، وہ اسی عنوان کے تحت آتا ہے۔ ان کے پاس اگر کچھ اور توشہ اور زادسفر اس کے علاوہ نہ ہوتا تو ان کے لیے انشاءاللہ کافی تھا لیکن اس زادسفر کے ساتھ اس زادسفر نے بھی ان کے نامہ اعمال کو اور روشن کیا ہے جو حدیث نبوی کے ایک مقبول ومعروف مجموعہ ''ریاض الصالحین'' کا دلنشیں وسلیس ترجمہ ہے۔

جس سے بلا مبالغہ ہند وبیرون ہند کے ہزاروں بندگان خدا نے فائدہ اٹھایا ہے اور جس کا ہندی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے اور مقبول ہوا ہے۔

صبر ومجاہدہ کی اس زندگی کے دوسرے واقعات سے صرف نظر کرتے ہوئے (جس کا اصل اندازہ ان کے اہل خاندان ہی کر سکتے ہیں، اور اس کا امتیاز سمجھ سکتے ہیں)

ان کی دوسری خصوصیت کی طرف آیئے جو دراصل قرآن مجید کی اس آیت کی تصویر اور حقیقتاً اس نسبت گرامی کا عکس ہے جو ان کو حاصل تھی.

''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُو وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا'' (۲)

(بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کو رحمٰن محبوبیت عطا فرمائے گا)

ان کے ایمان ویقین اور پاکیزہ ومومنانہ زندگی کی تاثیر سب سے زیادہ ان کی اسی محبوبیت اور ہر دلعزیزی اور شان دلنوازی میں ظاہر ہوئی۔

---

(۱) سورہ رحمٰن آیت نمبر ۱۹، ۲۰ (۲) سورہ مریم آیت نمبر ۹۶

رسول اللہ ﷺ کے مکارم اخلاق اور فضائل وشمائل کے تذکرہ میں آتا ہے کہ ہر شخص سمجھتا تھا کہ آپ سب سے زیادہ اسی کو چاہتے ہیں، پیروی اور اخلاص کی برکت سے یہ وصف امۃ اللہ تسنیم صاحبہ میں پوری طرح موجود تھا۔ خاندانوں میں ایسے افراد شاذ ونادر ہوتے ہیں جن پر سب متفق ہوں اور ان کی محبت کا دم بھرتے ہوں اور ان کا کلمہ پڑھتے ہوں، کسی نہ کسی پہلو سے، کسی نہ کسی کو شکایت ضرور ہوتی ہے۔ کبھی بجا، کبھی بے جا، لیکن اس خیال کے باوجود کہ خاندان کے ہر فرد اور اکثر قدرداں خواتین کی نظروں سے یہ سطریں گزریں گی، ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جس کو ان سے کسی حیثیت سے کوئی تکلیف پہونچی ہو۔ اس کے برعکس خاندان کا ہر رکن حتی کہ بچے اور بچیاں سب یہ سمجھتے تھے، وہ ان کو سب سے زیادہ چاہتی ہیں یا ان کا سب سے زیادہ خیال کرتی ہیں، ان کا چہرہ دیکھ کر صاف نظر آتا تھا کہ ان کا سینہ ہر کینہ سے پاک ہے یہ ان کی روح کی بالیدگی اور دلآویزی تھی جو ان کے میٹھے اور محبت بھرے بول، ان کے چہرے کی بشاشت، ان کی مخلصانہ نصیحت، ان کے خیر خواہانہ مشورے۔ غرض کہ ان کی نقل وحرکت، نشست وبرخاست، ہر چیز سے نمایاں تھی۔ غریب عورتیں اور ملازمائیں خاص طور پر ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتی تھیں۔ عزیز بچے اور بچیاں ان کا حکم بجالانا اپنی سعادت سمجھتے تھے اور محض تعمیل حکم کے جذبے ہی سے محبت اور لذت کے ساتھ ان کا کام کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی شدید علالت کے دوران اسپتال میں ان بچوں نے وہی کیا جس کی ان سے توقع تھی۔ ان کی غفلت وبیہوشی کے زمانے میں جس کا سلسلہ تین روز جاری رہا انہوں نے اس طرح جی جان سے ان کی خدمت کی جیسے وہ سب کچھ دیکھ رہی ہوں بلکہ ان کو شاباشی اور دعائیں دے رہی ہوں، اس کا راز یہی محبوبیت اور خون کے رشتہ سے زیادہ دین کا رشتہ ہے۔ جوان کی فطری دینداری، سچی مذہبی زندگی، خدا سے گہرے تعلق اور حسن نیت نے ان کے اندر پیدا کر دی تھی۔

ہمارے خاندان اور گھرانے کی متعدد بچیاں تربیت و تعلیم کے لیے یکے بعد دیگرے ان کے زیر نگرانی اور زیر سایہ رہتیں اور اس لطف و محبت سے آشنا ہوتیں جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، ان کو تعلیم بھی ملی، محبت و شفقت بھی، دینی رہنمائی اور نگرانی بھی اور سب سے بڑھ کر وہ نمونہ بھی جو سیکڑوں کتابوں اور تقریروں سے زیادہ موثر اور سبق آموز ثابت ہوتا ہے اور عمل کا داعیہ پیدا کرتا ہے۔

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ "(۱)

(آپؐ اللہ کی عطا کی ہوئی رحمت سے ان کے لیے نرم ہیں، اگر آپؐ درشت خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے۔)

یہ نرم خوئی اور نرم دلی اگر ایمان و احتساب اور تعلق مع اللہ کے جذبے کے ساتھ کسی میں پیدا ہو جاتی ہے تو دلوں کو مسخر ہوتے دیر نہیں لگتی اور اس کی مقبولیت و محبوبیت ایک مسلمہ حقیقت بن جاتی ہے۔

لیکن ان کی یہ محبوبیت اور دلآویزی اور دلنوازی، ایک طرف حسن اعتدال سے عبارت تھی، دوسری طرف اس دردوسوز اور دل کی آنچ سے گرم و سوز تھی۔ جس کا زیادہ اندازہ ان کی مناجاتوں عرض حال اور ان کی تصنیفات وواردات سے ہوا۔ جس سے ان کا کلام لبریز ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ چھلک رہا ہے۔

اعتدال و میانہ روی میں جس کو حدیث میں اقتصاد سے تعبیر کیا گیا ہے اور جس کے متعلق ایک جگہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ("اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ") اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے زیادہ پسندیدہ کام وہ ہے جو برابر کیے جائیں خواہ ان کی مقدار و تعداد کم ہو۔ وہ اپنے برادر معظم مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) جن کو وہ بھائی صاحب کہتی تھیں بہت مشابہ اور ان کے ذوق سے بہت قریب تھیں۔ اصابت رائے

---

(۱) سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۵۹

سلامتی طبع، توازن واعتدال اور کم سخنی میں ان کا کم وبیش وہی طرز و مسلک تھا۔

جہاں تک ان کے اشعار کا تعلق ہے ان کے مطالعہ ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کسی چوٹ کھائے دل سے نکلے ہیں خاص طور پر ان کی مناجاتوں میں جب وہ اپنے خدا سے عرض حال کرتی ہیں اور ناز و اعتماد کے ساتھ اس کے در رحمت پہ صدا دیتی ہیں۔

یا رب در رحمت پر دیتی ہوں صدا کب سے
سائل ہوں ترے در کی کرتی ہوں دعا کب سے

نمونہ کے طور پر ان کی دو تین مناجاتوں سے کچھ اشعار آگے پیش کیے جائیں گے اور اس امید میں کہ شاید اللہ کے کچھ بندے اس کو اپنی دعا و عرض مدعا کا ذریعہ بنائیں اس کا ثواب ان کی روح کو اس عالم میں پہنچے جہاں اس سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں اور جس کے بھیجنے والے بھی اس سے کچھ کم فائدہ میں نہیں رہے۔

☆☆☆

بیٹھی ہوں ترے در پہ نہیں مجھ کو خبر بھی — نالوں زمرے جانے کیا ہے کچھ اثر بھی
بے چین ہوں، بے تاب ہوں، امداد طلب ہوں — آسان ہو مشکل جو کرے ایک نظر بھی
چپ چپ پہ میری غیروں کے دل پانی ہوئے — اے ابر کرم تجھ پہ کچھ اس کا ہے اثر بھی
انجام کی ہے فکر کہ آرام ہے مفقود — حاصل ہو خوشی وہ کہ نکل جائے یہ ڈر بھی
اٹھے ہیں میرے ہاتھ بھروسہ ہے کرم کا — اے تیری قسم تجھ کو دیکھ ذرا ادھر بھی
بے دل نہ ہو، دربار تو اب دیکھ کھلا ہے — ہوتا ہے کرم تجھ پہ ذرا دیر ٹھہر بھی

☆☆☆

بنا دل کو علم اور حکمت کا مرکز — ذہانت ذکاوت فراست کا مرکز
عطا کر مجھے اب وہ ایمان کامل — کہ روشن ہو جس سے سراپا مرا دل
کہ چمکوں وہاں بدر کامل کی صورت — جو دیکھے کہے نور کی ہے یہ مورت

تو اب مجھ کو وہ جام الفت پلا دے جو تیری محبت میں بے خود بنا دے
زباں پر ہو ہر دم ترا ذکر جاری رہے ذکر سے بس زباں تر ہماری
تمنا مجھے بس ترے دید کی ہو خوشی جیسی لوگوں کو یاں عید کی ہو
دم واپسیں ترا کلمہ ہو جاری زباں ایک لحظہ نہ بندہو ہماری
اسی ذوق اورشوق میں جان نکلے مرا آخری یہ بھی ارمان نکلے
تمنا ہے تسنیم کی رب اکبر کہ دونوں جہاں میں ہو انجام بہتر

ان مناجاتوں میں کیا تاثیرتھی اوران سے کن کن لوگوں نے کہاں کہاں فائدہ اٹھایا۔اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کس کو ہوسکتا ہے لیکن اس سلسلہ کا ایک دلچسپ واقعہ جو میرے ساتھ پیش آیا۔یہاں لکھا جاتا ہے

کئی سال پہلے کی بات ہے کہ مزدلفہ سے منیٰ واپسی میں ہجوم اور گاڑیوں کی کثرت سے راستہ بالکل بند ہوگیا تھا ہماری بس بہت آہستہ آہستہ کھسکتی تھی اور بہت دیر کے لیے کھڑی ہوجاتی تھی پیاس اورانتظار کی شدت سے سب کا براحال تھا ہمارے ساتھ ایک صاحب تھے جو عالم ہونے کے ساتھ تاجر بھی ہیں اور بہت مخلص شخص ہیں آخر میں انہوں نے اپنے تھیلے سے ایک مختصر سی کتاب نکالی اور کہا کہ میں اپناوظیفہ شروع کرتا ہوں اوروہ وظیفہ یہ ہے کہ جب اس طرح کی کوئی پریشانی ہوتی ہے اورکام پھنس جاتا ہےتو میں ایک مناجات پڑھتا ہوں اس کے پڑھتے ہی اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ فورا کام بن جاتا ہے میں نے پوچھا آخرکس کی مناجات ہے نام توبتایئے۔کہنے لگے ایک امۃ اللہ تسنیم صاحبہ ہیں یہ ان کی مناجات ہے،ان کومعلوم نہ تھا کہ میراان سے رشتہ کیا ہےانہوں نے مناجات نکالی پڑھنی شروع کی اوراللہ کا کرنا کہ پڑھتے ہی پڑھتے اچانک راستہ صاف ہوا اور ہماری گاڑی آسانی کے ساتھ آگے روانہ ہوئی۔حالانکہ اس سے قبل راستہ اس پیچیدگی کے ساتھ بند تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید یہیں شام ہوجائے اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ ان کی مناجاتیں لوگ کیسے کیسے مقدس

مقامات میں اور کن کن حالات میں پڑھتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو کیا فائدہ پہونچتا ہے۔ پورا یقین ہے کہ آج یہ صدقہ جاریہ ان کے کفارہ سیئات رفع درجات اور بے اندازہ و بے حساب اجر و ثواب کا ذریعہ بن رہا ہوگا۔

جنوری کے وسط میں ہم لوگوں کے اصرار سے بڑی آرزوؤں کے ساتھ لکھنؤ آئیں۔ یہ خیال تھا کہ جو تکلیفات چل رہی ہیں یہاں ان کے علاج کی زیادہ سہولت ہے، علاج کا سلسلہ شروع ہوا اور ابتدائی طور پر کچھ فائدہ بھی محسوس ہوا۔ انتقال سے چار روز پہلے بے ہوشی کا پہلا دورہ پڑا، یہ رات کا آخری پہر تھا اور ہم لوگوں کے لیے ان کے سلسلہ کا پہلا تجربہ اور اچانک واقعہ۔ قریب کے ایک ڈاکٹر کا فوری علاج ہوا اور چار پانچ گھنٹے کے اندر ہوش میں آگئیں، ہم لوگوں نے اطمینان کی سانس لی اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ ہوش میں آنے کے بعد جب ذرا اطمینان ہوا تو کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھا ہم سب کچھ سن رہے تھے لیکن بول نہیں سکتے تھے، ہر چیز بے حس و بے حرکت تھی، بس دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، تم لوگوں کی ساری پریشانی ہم دیکھ رہے تھے لیکن کچھ کہہ نہ سکتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد گھر کے چھوٹے بچوں کو بلا کر کچھ پیسے بھی دئے اور کچھ صدقہ بھی کیا۔

لیکن یہ عارضی وقفہ تھا، عصر کے قریب بے ہوشی کا دوسرا اور سخت حملہ ہوا۔ جناب ڈاکٹر عبدالحلیم صاحب پروفیسر میڈیکل کالج (۱) کے اصرار پر اور محب گرامی ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی (۲) کے مشورہ سے اسپتال میں داخلہ ہوا جہاں ڈاکٹر عبدالحلیم صاحب کی عنایت سے ہر طرح کی فوری امداد اور طبی سہولت حاصل ہوئی۔ ڈاکٹر قریشی صاحب کو چھوڑ کر وہ ہمیشہ آڑے وقت کام آتے ہیں، میڈیکل کالج کے فاضل شدہ اور زیر تعلیم نوجوان مسلم ڈاکٹروں اور خاص طور پر ڈاکٹر متین الزماں (جو ان کے معالج بھی تھے) ڈاکٹر محمد علی، ڈاکٹر تنویر احمد صاحبان

(۱) (ڈاکٹر عبدالحلیم صاحب اب میڈیکل کالج سے ریٹائر ہوگئے ہیں، وہ ایک ہمدرد اور مخلص ڈاکٹر کے طور پر معروف ہیں۔
(۲) (ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب فیملی ڈاکٹر تھے اور ملی رہنماؤں میں سے ایک، اب ان کے جانشین ڈاکٹر محمد شعیب قریشی صاحب ہیں)

نے محض اپنے دینی جذبہ اور علم دین وخدمت دین کی قدر واحترام کی وجہ سے آخری لحات تک جس طرح ہاتھ بٹایا اور شہر کے مخلص دینی بھائیوں نے جس تعلق کا ثبوت دیا وہ ان کی مقبولیت کی دلیل ہے اور ایک علاحدہ داستان ہے۔

بالآخر وقت آخر آپہونچا اور ان کے آخری سفر کی پہلی منزلیں نظر آنے لگیں اس وقت سانس سے اور کبھی کبھی زبان کی حرکت سے بھی صاف محسوس ہوتا تھا کہ ذکر میں مسلسل مشغول ہیں، اللہ تعالی کی رحمت کاملہ سے قوی امید ہے کہ ان کی عارضی تکلیفوں نے جو دو تین روز ان کو رہیں ان کے لیے لافانی نعمتوں اور لازوال ولامتناہی راحتوں کا پورا سامان کر دیا ہوگا۔

"نُزُلًا مِنْ غَفُوْرٍ رَحِیْمٍ"

مہمانی ہے غفور رحیم کی طرف سے

یہ احساسات اور تاثرات ان ہی کی ایک مناجات پر ختم کئے جاتے ہیں جس میں شاید انہوں نے اپنے اسی آخری عمر کی تصویر کھینچ دی ہے اور اپنے اس زاد سفر کا بھی ذکر کر دیا ہے جو وہ اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔

بہت بے لطف اور بے کیف گزری زندگی اتنی
کٹے اب تیری طاعت میں ہے باقی زندگی جتنی

اطاعت ہو شعار اپنا ،عبادت ذوق بن جائے
میرا ہر ہرقدم یا رب سراپا شوق بن جائے

جیوں تیری طلب میں اور مروں تیری محبت میں
یہ پوری زندگی گزرے الٰہی تیری مدحت میں

مجھے اتنی محبت دے بنوں تصویر الفت کی
سراپا شوق بن کر توڑ دوں زنجیر فرقت کی

یہ روح کنج قفس میں پھڑپھڑائے اور مچل جائے
تجھی کو یاد کرتے کرتے میرا دم نکل جائے
مرے رب مہرباں ہو جا تجھے صدقہ کریمی کا
یہ کلفت پیش خیمہ ہے تری ذرہ نوازی کا
رہے تسنیم ہر لحظہ ترے ہی ذکر میں شاغل
تری بندہ نوازی سے یہ درجہ اس کو ہو حاصل

نانی مرحومہ عائشہ بی کی یاد میں

از: مولانا سید سلمان حسینی ندوی(۱)

(۲۷؍محرم الحرام ۱۳۹۶ھ ۳۰؍جنوری ۱۹۷۶ء)

۱۶؍جنوری ۱۹۷۶ء ۱۴؍محرم الحرام ۱۳۹۶ھ بروز سنیچر جس روز چھوٹے نانا (حضرت مولانا علی میاں) کا سفر پونا، ناگپور اور اورنگ آباد بسلسلہ پیام انسانیت ہونے والا تھا، اسی روز صبح نانی مرحومہ ''عائشہ بی'' (یعنی ہمارے نانا ڈاکٹر عبدالعلی علیہ الرحمۃ کی سگی بہن) لکھنؤ بسلسلہ علاج تشریف لائیں، وہ کئی مہینوں سے رائے بریلی میں بیمار چل رہی تھیں، کمزوری، کسل، اور پسینہ آکر جسم میں ناطاقتی پیدا کر دیتا ہے، کچھ تو عمر کا تقاضا اور کچھ محنت اور خصوصاً دماغی محنت کی وجہ سے جسم میں قوت بھی بہت کم تھی بلڈ پریشر بہت گھٹ جاتا تھا۔ ابا میاں (ڈاکٹر عبدالعلی صاحبؒ) کے زمانے میں وہ لکھنؤ میں رہتی تھیں اور ابا میاں کی شفقت کا مرکز تھیں ان سے عربی بھی پڑھی تھی، خود پڑھنے لکھنے کی بہت شوقین تھیں، فطری شاعرہ تھیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ریاض الصالحین کا ترجمہ زاد سفر بہت شستہ اور سلیس کیا اور ''باب کرم'' اور ''موج تسنیم'' ''دیار حبیب'' وغیرہ نعت ومناجات کے درد اثر مجموعے ان کے قلم سے نکلے اور بیسیوں مضامین رسالہ رضوان میں ان کے شائع ہوئے۔ یہ تو علمی پہلو تھا، باقی زہد واتقا میں بھی طاق تھیں، نمونہ اسلاف تھیں، حضرت مولانا کی والدہ محترمہ مرحومہ ''اماں بی'' کی صحیح جانشین تھیں، ان کے ایام حیات میں ان کی بہت خدمت کی، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کو مخدومہ بنادیا،

(۱) مرحومہ عائشہ بی کے برادر اکبر مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء کے حقیقی نواسہ اور مشہور ومقبول داعی، معلم، خطیب، مصنف اور قائد ورہبر شخصیت۔ (اطال اللہ بقاء، لاعلاء کلمتہ ولنصرۃ دینہ الاسلام والمسلمین (م)

اسی کمرے میں رہتی تھیں جس میں اماں بی رہتی تھیں، جب بیمار نہ ہوتی تھیں تو پابندی سے ہر دوشنبہ کو تبلیغی جلسہ گھر پر کرتی تھیں جس میں ''پروا'' ''میدان پور اور شہر کی عورتیں شریک ہوتی تھیں، تقریر نہ کرتی تھیں لکھ کر پڑھتی تھیں، زندگی بے داغ ودھبہ تھی۔

چھوٹے نانا کے ساتھ ۴۷ء میں انہوں نے حج کیا جبکہ چھوٹے نانا اسوقت اپنی والدہ محترمہ کو لے جارہے تھے، لیکن عائشہ بی آئیں اور رونے لگیں کہ ہم بھی چلیں گے، تو چھوٹے نانا نے کہا کہ ہم آپ کو ضرور لے جائیں گے، آپ کے بغیر نہ جائیں گے اس وقت ۴۷ء کا زبردست ہنگامہ چل رہا تھا لیکن انہوں نے جون میں سفر کیا اور یہ واقعہ ماہ اکتوبر میں پیش آیا، خیر! اس سفر میں اللہ تعالی کی بہت نصرتیں شامل حال رہیں۔

ایک طویل زمانہ سے وہ تجردانہ زندگی گزار رہی تھیں، تصنیف وتالیف اور شعر کی صورت میں دعا ومناجات اور مدح نبی کریم ﷺ محبوب مشغلہ تھا، اس سب کے ساتھ ساتھ وہ ایسی غیور بھی تھیں کہ ان کو کسی پر بار بننا گوارا نہ تھا اس لیے حضرت خدیجہؓ کی سنت ادا کرتے ہوئے تجارت کرتی تھیں، تکیہ اور میدان پور وغیرہ ان کی تجارت کا دائرہ تھا آج جب کہ شریف عورتیں اس قسم کے کاموں کو اپنی ناسمجھی سے عار سمجھ بیٹھی ہیں انھوں نے عمل کرکے اس کی اہمیت وافادیت پر متنبہ کیا، ان کو اردو کا اچھا ذوق تھا، چھوٹے نانا کہتے ہیں کہ ہمارے اندر اس کا ذوق پیدا کرنے میں ان کو بھی خاصا دخل ہے، وہ حضرت مولانا مدنی (۱) سے بیعت تھیں ذکر وشغل کی پابند تھیں تہجد وغیرہ لازمی تھی ہم اور احمد (۲) وغیرہ رائے بریلی جب جایا کرتے تھے (اس بیماری سے پہلے) تو بلا کر مٹھائی حلوہ اور جو کچھ ہوتا وہ دیتی تھیں، اماں بی کے بعد سب خاندان والے ان کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے وہ پانی پر دم کرتی تھیں، سفر کرتے وقت گھر کے مسافروں کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر دم کرتی تھیں،

---

(۱) یعنی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ متوفی ۱۹۵۷ء-۱۳۷۷ھ

(۲) مضمون نگار کے خالہ زاد بھائی اور بہنوئی ڈاکٹر سید احمد الحسنی ندوی علیگ صدر مولانا محمد ثانی حسنی سوسائٹی رائے بریلی (م)

اخیر اخیر میں جب بھی رائے بریلی جانا ہوتا تو تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھتے ،لیکن ان کی طبیعت بجھ سی گئی تھی ، بیماری نے کسی کام کا نہ رکھا تھا ،مگر پھر بھی بہت کام کرتی تھیں ، یہ تھیں اپنے زمانہ کی رابعہ بصریہ جن کا قصہ ارتحال آج میں لکھ رہا ہوں ۔

سنیچر ۱۶؍جنوری کو لکھنؤ آئیں اور رات کو چھوٹے نانا ناگ پور وغیرہ کے سفر پر روانہ ہو گئے ، جو بحمد اللہ کامیاب رہا۔ ناگپور میں الحاج عبدالکریم صاحب پاریکھ کی دعوت پر تشریف لے گئے تھے ،حضرت مولانا نے مخلوط اجتماعات میں تقریریں فرمائیں ۔

اس وقت عائشہ بی کی طبیعت بڑی حد تک ٹھیک تھی ،یعنی تشویش کی کوئی بات نہ تھی اور چھوٹے نانا نے ان سے کہا تھا کہ ہم انشاء اللہ ایک ہفتہ میں آجائیں گے اور آپ کو ڈاکٹر خان کے یہاں لے جائیں گے ۔

خیر جمعہ کا دن بھی گذر گیا اور کوئی بات پیش نہ آئی بس درمیان میں طبیعت اس طرح خراب ہو جاتی تھی کہ رات کو بہت پسینہ نکلتا اور بہت ہی سستی اور کسل لاحق ہو جاتا ۔

سنیچر کی صبح اچانک مولانا طلحہ ابن شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب تشریف لائے اور ہم سب لوگوں کا رائے بریلی ان کی معیت میں جانا طے ہوا ،صرف ماموں جان محمد میاں(۱) اور اچھے ماموں رابع (۲) لکھنو میں رہ گئے ہم لوگ چار بج کر چالیس منٹ پر ٹرین (تربینی) سے روانہ ہوئے وہاں سات بجے پہونچے ، رات گزاری ، پھر اتوار کو ایک بجے پنجاب میل سے میں ،مولانا طلحہ صاحب ،ابو اور اچھے ماموں واضح (۳) لکھنو آئے اور مجھے مولانا طلحہ صاحب کی معیت میں کانپور جانا تھا اس لیے بس اسٹیشن ہی سے پونے پانچ بجے کانپور والی بس سے رونہ ہوئے ،کانپور سات بجے پہونچے ، وہاں اجتماع اچھے پیمانے پر مدرسہ جامع العلوم میں

---

(۱) یعنی مولانا سید محمد الحسنی مرحوم متوفی ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء)

(۲) یعنی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ حال ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

(۳) حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی حال معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہورہا تھا اسی مدرسہ میں حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ نے پندرہ سولہ سال درس دیا ہے، آج کل مولوی عبید اللہ اسعدی، مولانا مرتضٰی ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ (متوفی ۱۹۹۵ء) صاحب کے صاحبزادے میرے درجہ حفظ کے ساتھی یہاں مدرس ہیں، (۱) بہرحال اجتماع دوشنبہ کی صبح کو نو بجے ختم ہوا اور مولانا طلحہ صاحب کی دعا ہوئی، پھر ایک صاحب کے یہاں چائے کی دعوت پر گئے، انھیں میں سے کسی کی کار پر، ہاں وہ جمیل صاحب کانپوری کی کار تھی جن کے یہاں دوپہر کے کھانے پر مولانا طلحہ صاحب کی دعوت تھی اور ان کے طفیل میں ہم بھی وہاں سے ساڑھے بارہ پر فارغ ہوگئے اور انھیں کی کار پر سیب وسنترے تفکھاً کھاتے ہوئے تقریباً ڈھائی بجے لکھنؤ پہنچے گھر پر پہنچ کر یہ صاعقہ اثر خبر ملی کہ عائشہ بی میڈیکل کالج اسپتال میں ہیں اور سب گھر والے وہیں ہیں۔ بس عصر سے پہلے ہی ہم بذریعہ رکشہ میڈیکل کالج پہنچے اور دیکھا کہ عائشہ بی بیہوش پڑی ہیں ماموں جان (مولانا سید محمد الحسنی) ان کا پیر سنبھالے بیٹھے تھے، گلوکوز چڑھایا جارہا تھا انجکشن لگ رہے تھے دل دھک سے ہوگیا ماموں جان نے تفصیل یہ بتائی کہ اتوار کے روز ساڑھے چار بجے وقت سحر سے صبح آٹھ بجے تک غشی طاری رہی پھر ٹھیک ہوگئیں، پھر اتوار کو چار بجے شام کو بیہوش ہوئیں اور اب دوشنبہ کی شام کے چار بج رہے ہیں بعد میں جو تفصیلات معلوم ہوئیں وہ درج ذیل ہیں۔

چار گھنٹہ کا پہلا دورا جو پڑا تھا، اس میں دیکھنے والوں کے لیے تو وہ موت کے مثل تھا اور گھر میں ایک سناٹا سا چھا گیا، آپا امامہ جوان کی تربیت میں سالوں رہیں رونے لگیں تھیں (۲) لیکن جب انہیں ہوش آیا تو انھوں نے ماموں جان سے خوب باتیں کیں اور بتایا کہ وہ سب باتیں سن رہی تھیں لیکن بولنے کی سکت نہ تھی، وہ دل سے ذکر کررہی تھیں لیکن زبان پر باوجود

---

(۱) موصوف اس وقت جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ میں شیخ الحدیث اور مجمع الفقہ الاسلامی انڈیا کے سکریٹری ہیں

(۲) دونوں کو ایک دوسرے سے بڑا گہرا تعلق تھا اس لئے برداشت کے باہر رہا، اب یہ بھی اپنے مالک حقیقی کے حضور میں ہیں اور ان کا حال بھی ضمیمہ کتاب ہے، (محمود)

کوشش کے ذکر جاری نہیں ہو پا رہا تھا جس کی وجہ سے بے چین تھیں (۱) دوسرا دور انہایت سخت تھا اور وہ موت تک ممتد رہا اتوار کی شام کو چار بجے دورہ پڑا اور ہسپتال میں آٹھ بجے رات کو دل کے مریضوں کے پورشن میں وارڈ نمبر ۸ میں داخل کر دی گئیں۔ ڈاکٹر محمد علی جو جماعت تبلیغ میں جاتے رہتے ہیں اور ڈاکٹر متین الزماں صاحب ڈاکٹر تنویر صاحب اور دو تین مسلمان اور بعض غیر مسلم ڈاکٹرز اور نرسوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور گھر کے افراد اکثر ہسپتال میں تھے۔ چھوٹے نانا اس دوران بجائے ندوہ کے مرکز تبلیغ (جو گھر سے قریب کچہری روڈ پر واقع ہے) میں قیام پذیر، بہت مغموم و مہموم رہے، ہم دوشنبہ کے دن کوئی ڈھائی تین بجے لکھنؤ بذریعہ کار پہونچے اور مرکز کے پاس کار کھڑی کر کے مرکز گئے، چھوٹے نانا اور مولانا معین اللہ صاحب سو رہے تھے ہم لوگوں نے ظہر کی نماز ادا کی اور پھر میں ہسپتال چلا گیا نماز عصر کے کچھ دیر پہلے واپس آیا اور چھوٹے نانا سے ملا خبریں ہسپتال سے یہی ملتی رہیں کہ حالت وہی ہے، بیہوشی ہے، بے چینی ہے، رات کو ہماری امی، چھوٹی گاگا (سکینہ) کا اسپتال میں رہنا طے پایا وہ رہیں، دوسرے دن یعنی منگل کو ہم دارالعلوم پڑھنے گئے، دوران تعلیم عبداللہ (۲) ہسپتال گئے وہاں سے یہی اطلاع لائے کہ کوئی تبدیلی نہیں یہ بات بہت تشویشناک تھی بہرحال اسی طرح رات ہوئی اور اس دوران میں نے یہ لازم ٹھہرالیا تھا کہ مرکز میں چھوٹے نانا کے ساتھ رہوں اور خدمت کے ساتھ بغور مطالعہ کروں کہ ہر موقعہ پر کیا اسوہ و عمل رہتا ہے کیونکہ میں نے ان کو اپنا آئیڈیل اور

(۱) ذکر قلبی کا فائدہ ظاہر ہوا ہر ایک کو اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے اس لئے کہ زبان کام کرنا چھوڑ دیتی ہے لیکن دل اپنا کام آخر تک کرتا رہتا ہے، یہی حال سانس کا ہے، سانس کو بھی ذکر پر اللہ کے نام پر لگانا آخر وقت تک فائدہ دیتا ہے اسی کو پاس انفاس کہتے ہیں، ذکر قلبی اور پاس انفاس یہ دونوں مشائخ و عارفین کے یہاں بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور خواتین کے لئے خاص طور سے زیادہ مفید اور آسان ہیں، لیکن یہ نسخے خود سے نہیں تجویز کیے جاتے مرشد روحانی سے لینے پڑتے ہیں (محمود)

(۲) مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، مضمون نگار کے پھوپھی زاد بھائی اور مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کے صاحبزادے۔ (م)

قابل تقلید نمونہ دل وجان سے مانا ہے بہرحال اس دوران ان پر خاموشی طاری تھی رات کئی حضرات خصوصاً یوسف صاحب آر۔ ایم۔ ایس اور مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی اور مولانا ابوالعرفان خاں صاحب(۱) آگئے تھے اس لیے دیر تک مجلس رہی جس میں لبنانی جنگ پر تبصرہ ہوتا رہا، مولانا نے فرمایا کہ عیسائی ہی سارے فتنوں کی جڑ ہیں یہودیت بھی انہیں کے بطن سے پیدا ہوئی ہے، انہیں نے یہودیت کو زندگی دی ہے اس لیے اس وقت عیسائیوں کے خلاف بیداری کا پیدا ہونا بہت ہی بہتر ہے اگر چہ یہ افسوسناک بات ہے کہ جن کو مسلمان سمجھا جارہا ہے ان میں بڑا طبقہ دروزی شیعوں کا ہے اور یہ فرقہ آغا خانیوں کی طرح ہے وہ حقیقۃً کافر ہیں ، دوسری طرف جو فلسطینی ہیں وہ بھی دین سے برگشتہ اور نعوذ باللہ دین کو خرافات سمجھنے والے ہیں ۔ یہ بھی فرمایا کہ ۱۹۷۲ء میں انورالسادات نے عیسائیوں کے دباؤ میں ان کی یہ بات منظور کر لی تھی کہ ان کے خلاف مسلمان کوئی تبلیغ نہ کریں اس سے وہاں کے علماء بہت مضطرب تھے اب خدا جانے یہ قانون اٹھایا نہیں اٹھا۔

رات کے ساڑھے نو بجے اور کھانے سے فارغ ہو کر سب اپنے اپنے گھر آگئے، میں آکر تھوڑی دیر بعد سو گیا صبح قریب سوا پانچ پر میں ہلکی نیند میں تھا کہ دروازہ کی کنجی کھٹکھٹائی گئی اور مولانا رابع صاحب کی آواز آئی، ابو اٹھ کر گئے اور وہیں دروازہ پر کوئی بات ہوئی جسے باوجود کان کھڑے کرنے کے اپنے بستر سے میں سن نہ سکا لیکن میرے دل میں یہ بات آنے نہیں لگی کہ یہ انتقال کی خبر ہے، تھوڑی دیر بعد کئی حضرات گھر میں آگئے اور میں بیت الخلاء گیا

(۱) یہ دونوں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بڑے اساتذہ میں تھے، مولانا ابوالعرفان خاں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے صدر کلیۃ الشریعۃ اور مولانا برہان الدین صاحب صدر شعبہ تفسیر و ناظم مجلس تحقیقات شریعہ ندوۃ العلماء ہیں، مولانا ابوالعرفان خاں صاحب نے ۱۹۸۸ء میں انتقال فرمایا۔ (م)

(۲) الحاج جناب سید محمد مسلم حسنیؒ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے بڑے داماد مضمون نگار کے خالو اور مرتب کتاب کے دادا محرم الحرام ۱۳۳۲ھ کو پیدا ہوئے اور ۲ رصفر المظفر ۱۴۳۳ھ کو تکیہ کلاں رائے بریلی میں وفات پائی۔

(۳) الحاج سید مصباح النبی حسنی ابن سید سراج النبی مولانا ابوالخیر حسنی مرحوم کے بھانجہ۔

آوازوں سے پہچانا کہ ماموں جان (محمد میاں)، خالو میاں (مسلم) (۲) ماموں مصباح (۳) اور بھیا مصطفیٰ (۱) (جورات کو ہسپتال میں رہے تھے) اور اچھے ماموں رابع وواضح اور ابو (۲) سب نے گھر میں وضو کیا اور خود اپنی جماعت کی اور روانہ ہو گئے، خیر میں اپنی مسجد میں نماز پڑھنے گیا ادھر ابو مرکز نماز پڑھانے نہیں گئے تو چھوٹے نانا کو فوراً یقین سا ہو گیا کہ یہ واقعہ ہونے والا ہے لیکن امید وبیم عجیب چیز ہے، ٹیلیفون آیا تھا کہ طبیعت بہت خراب ہے اب ہمارے دل سے وہ بات تو نکل گئی لیکن پھر بھی کھٹکا لگا رہا، نماز بعد بھائی صاحب حسن (۳) سے بتایا، اور افتخار احمد (۴) کو بتایا اور یہ طے کیا کہ ہم لوگ ہسپتال چلیں، میں اور بھائی صاحب رکشہ پر ہسپتال پہونچے جیسے ہی کمرے میں داخل ہونے کا ارادہ کر رہے تھے کہ اچھے ماموں نکل کر آئے اور کہا کہ چھوٹے نانا کو اب جا کر اطلاع دیدینی چاہیئے کیونکہ اب کوئی امید نہیں ہے (یہ ان کے کلام کا مفہوم ہے) افتخار سائیکل پر دوڑے گئے اور ہم اور عبداللہ (۵) کمرہ میں داخل ہوئے، سکرات کا عالم تھا، نہایت کرب وبے چینی تھی، ایک گلوکوز دوسری طرف آکسیجن چڑھائی جا رہی تھی، انجکشن لگائے جا رہے تھے انجکشنوں سے ہاتھ نیلا پڑ گیا تھا ان کی آنکھیں دائیں بائیں حرکت کر رہی تھیں اور کان لگا کر ماموں جان نے سنا تو انہوں نے بتایا کہ صاف

---

(۱) سید محمد مصطفیٰ حسنی بن سید حسن مجتبیٰ

(۲) یعنی مضمون نگار کے والد مولانا سید محمد طاہر حسینی منصور پوری مظفر نگر کے سادات بارہہ سے تعلق ہے، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کی دوسری بیٹی انہیں منسوب ہوئیں، ندوۃ العلماء میں مددگار ناظم رہے، ۷۲ رسال کی عمر میں لکھنؤ میں انتقال کیا اور تکیہ رائے بریلی میں مدفون ہوئے۔ (م)

(۳) سید حسن حسنی صاحب، مضمون نگار کے خالہ زاد بھائی اور مرتب کتاب کے والد ماجد۔ اطال اللہ بقاءہٗ

(۴) مولانا افتخار احمد ندوی مضمون نگار کے درجہ کے ساتھی اور لکھنؤ میں محلّہ کی مسجد میں اس وقت کے امام۔ (م)

(۵) مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، مضمون نگار کے پھوپھی زاد بھائی اور مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کے صاحبزادے۔ (م)

محسوس ہوتا تھا'' کہ لآ الہ الا اللہ'' کہتی ہیں اگر چہ کہنے کی قوت نہیں میری والدہ اور چھوٹی گاگا (خالہ سکینہ) ایک کنارے بیٹھی افسردہ وغمزدہ کچھ پڑھتی تھیں، ڈاکٹروں کے چہرے پر پوری مایوسی تھی میں نے ایک کنارے کھڑکی کے پاس جہاں سے ان کو دیکھ رہا تھا ''سورہ یٰسین'' کا ورد شروع کیا تو اخیر دم تک جاری رکھا اور الحمد للہ تکلیف میں نمایاں تخفیف کا مشاہدہ کیا عبداللہ سے میں بار بار کہتا تھا اب اس وقت پڑھنے کا وقت ہے، تدبیر سے معاملہ آگے نکل چکا ہے اس وقت خدا کی طرف کامل توجہ کی ضرورت ہے، وہ بھی پڑھ رہے تھے۔

آٹھ سوا آٹھ پر چھوٹے نانا آئے، ایک کرسی پلنگ کے پاس لگادی گئی، بیٹھے لیکن بے سکت سے ہو گئے اور دائیں ہاتھ پر رخسار رکھ کر کرسی کے بازو پر ٹیک لگا کر مراقب ہو گئے ان کی پریشانی دیکھ کر مولانا معین اللہ صاحب (۱) ان کو باہر لے گئے، عورتوں کو باہر جانے کو کہا گیا، پونے نو بجے سے کچھ پہلے یہ فیصلہ کیا گیا کہ گھر لے جایا جائے، یہاں ٹھیک نہیں اسٹریچر آیا ہم نے اور ابو، اچھے ماموں اور خالو میاں وغیرہ نے اٹھا کر لٹایا، پھر ایمبولنس گاڑی پر سوار کرایا گیا اور اس حصہ میں تین ڈاکٹر بیٹھے جو راستے میں علاج کرتے رہے، اگلے حصے میں ابو، ماموں جان وغیرہ بیٹھے ہم لوگ ندوہ کی کار پر روانہ ہوئے، گھر پر ایک وقت میں دونوں گاڑیاں پہونچیں، گھر تک ہم اور خالو میاں لے گئے اسٹریچر سے پلنگ پر ہم سب کئی آدمیوں نے اتارا اور فوراً ڈاکٹر نے آلہ سے دیکھ کر ایک انجکشن دیا اور ایک دولمحہ کے بعد اس نے پھر دھڑکن معلوم کرنے والا آلہ لگایا اور پھر ڈاکٹر اشتیاق صاحب (۲) کو آلہ دیا انہوں نے دیکھا اور دیکھ کر اداسی میں چلے گئے، یہ اعلان تھا اور خود ان کی حالت اعلان کر رہی تھی کہ وہ پاکباز، نیک سیرت و نیک اخلاق خاتون بس جانے کے لیے اس کی منتظر

(۱) مولانا معین اللہ صاحب ندوی اندوری نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ (متوفی ۱۹۹۹ء اندور)

(۲) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب مرحوم خاندان حسنی کے فیملی ڈاکٹر دوست ملت کے بڑے بہی خواہ اور دیندار شخص اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے علمی کاموں میں معاون ورفیق تھے، مرحومہ عائشہ بی کے بھائی مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کے مطب واقع گوئن روڈ لکھنؤ میں مولانا کی وفات کے بعد عرصہ تک علاج علاج ومعالجہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ (م)

تھیں کہ قبلہ رو ہو جائے قبلہ رو ہونا تھا کہ جان جان آفریں کے سپرد کر دی، سسکیوں میں لوگ رو پڑے، خالہ جان، امی، اچھے ماموں، خالو میاں اور ماموں جان وغیرہ سب ہی کمرہ میں تھے، دل کے آنسو پھوٹ پڑے، چھوٹے نانا مطب میں بیٹھے تھے ان کو اطلاع اس وقت کی گئی جب رائے بریلی لے جانے کے لیے لاش گاڑی کا انتظام کر لیا گیا، مولانا معین اللہ صاحب نے بتایا اور ایک دم سے بے قابو ہو کر چھوٹے نانا روئے، لیکن پھر بھی بہت سنبھلے (یہ تو افتخار کی روایت تھی) اب گھر آئے اور کمرہ میں تشریف لائے کچھ بجھائی نہ دے رہا تھا اور یہاں ایسا گریہ طاری ہوا جس کا میں نے اپنی زندگی میں کبھی مشاہدہ نہ کیا ہچکی سی بندھ گئی اور ہم سب لوگوں کی آوازیں بقدرے بلند ہو گئیں، خصوصیت سے چھوٹے نانا کا رونا دیکھ کر تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں بے قابو ہو گیا اس کے بعد چھوٹے نانا نے اپنے کو سنبھالتے ہوئے لیکن آنسوؤں اور روندھی آواز میں خالہ جان اور امی وغیرہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ناگ پور میں میں نے خواب دیکھا تھا کہ مولانا انعام الحسن صاحب امیر تبلیغی جماعت (۱) کہہ رہے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے پیغام بھیجا ہے، اتنا تو ہم سب سن سکے اس کے بعد پتا نہیں کیا کہا کہ تمہارا انتظار ہے یا جلدی آؤ وغیرہ بہر حال چھوٹے نانا نے پھر کہا کہ اس خواب سے ہم سمجھتے تھے کہ یہ یا تو میری طرف اشارہ ہے یا مولانا انعام الحسن صاحب کی طرف یا پھر (بوبو) کی طرف عائشہ بی کو وہ (بوبو) جو بڑی بہن کے لیے مستعمل ہے کہتے تھے کیونکہ وہ چھوٹے نانا سے دو سال بڑی تھیں یعنی تقریباً ۶۴ سال کی ہونگی اس کے بعد فرمایا کہ مولانا طلحہ جس دن آئے اس دن دوپہر میں میں نے خواب دیکھا کہ حضرت (۲) مجھے پنکھا جھل رہے ہیں اور ہاتھ سہلا رہے ہیں، یہ گویا موت پر تسلی کا اشارہ تھا۔ پھر امی نے کہا کہ رات ہم نے خواب دیکھا کہ میاں (ڈاکٹر سید عبد العلی) کا بستر بندھ رہا ہے کیونکہ

---

(۱) حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی نور اللہ مرقدہ متوفی دس محرم الحرام ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۵ء۔

(۲) حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری مراد ہو سکتے ہیں یا پھر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ۔

عائشہ بی کی طبیعت ابا میاں سے انتظامی صلاحیت، میانہ روی، اور کم گوئی اور سنجیدگی میں بہت مشابہ تھی، چھوٹے نانا اور بوا یعنی چھوٹے نانا کی دوسری بڑی بہن اور مولانا ثانی ومولانا رابع ومولانا واضح کی والدہ کے گھر کا انتظام انہی کے ہاتھ میں تھا، پھر خالہ جان نے کہا کہ حسن (۱) نے رات خواب دیکھا کہ وہ رائے بریلی جارہے ہیں کہ راستہ میں نہایت کڑک بجلی، بارش وغیرہ ہے لیکن رائے بریلی پہونچے تو بہار ہے اور ایک نور کی چادر بچھی ہوئی ہے، بڑا سہانا موسم ہے چھوٹے نانا (۲) اور سب پر گریہ وبکا طاری تھا، چھوٹے نانا نے روتے ہوئے کہا تم لوگوں نے ان کی بڑی خدمت کی، اللہ تعالی تمھیں جزائے خیر دے، تم لوگوں کے سوا ان کا کون تھا، تمھیں ان کی سب کچھ تھیں، چھوٹے نانا یہ کہہ رہے تھے اور ہم لوگوں کے دل پگھل رہے تھے جس کی تصویر نہیں کھینچی جاسکتی، اس کے بعد چھوٹے نانا مرکز گئے، میں ساتھ گیا، استنجا سے فارغ ہوکر وضو کیا اور چار رکعت طویل نماز پڑھی، باہر دالان میں ہی ہم نے گدا لگادیا، ٹیک لگا کر خاموش بیٹھ گئے، لوگ آتے اور خاموشی میں گم ہوجاتے پھر مولانا معین اللہ صاحب باصرار چھوٹے نانا کو کمرہ لے گئے تاکہ چائے پلادیں ایک پیالی چائے اور ایک دو بسکٹ کھائے، ہم نے بھی ایک پیالی چائے اور ایک دو بسکٹ لیے، ابو اور اچھے ماموں وغیرہ موجود تھے بھائی عبدالسلام صاحب چائے بنا کر لائے تھے، پھر مرکز کے پاس گاڑی آگئی، اس کار میں چھوٹے نانا مولانا سید محمد طاہر حسینی منصور پوری مددگار ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ مضمون نگار کے والد ماجد اور مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے داماد اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے خلیفہ، متوفی ۲۰۰۲ء) بیٹھے اور گھر تک ہم نے معیت کی، مطب کے سامنے کار کھڑی کی گئی، اور خالہ جان، بوا اور شاید آپا امامہ، اور اگلی سیٹ پر

---

(۱) مضمون نگار کے خالہ زاد بھائی اور اپنی نسل کے بھائی صاحب، مرتب کتاب کے والد ماجد بارك الله فی حیاته واعماله)

(۲) یعنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی جنھیں سبھی نواسے پوتے نواسیاں پوتیاں اور ان کی اولاد وا کثر افراد خاندان ابا جان کہتے تھے کچھ نے چھوٹے نانا بھی کہا مضمون نگار انھیں میں ہیں (م)

چھوٹے نانا، مولانا معین اللہ صاحب اور خالو میاں بیٹھے، لاش گاڑی پر نعش کے حصہ میں باقی عورتیں، جن میں دھوبن (۱)۔ اور کھانے پکانے والی ملازمہ وغیرہ بھی بیٹھیں اور ہم بھی اس حصہ میں بیٹھے، اگلے حصہ میں ڈاکٹر اشتیاق صاحب مولانا برہان الدین صاحب، ابو، اچھے ماموں، ماموں جان، مولانا مرتضی صاحب (۲) نے تلاوت شروع کی اور رائے بریلی تک پانچ پارے پڑھ لیے اس سے پہلے دس بارہ مرتبہ سورہ یٰسین پڑھ چکے تھے رائے بریلی سے تکیہ تک کا راستہ مشکل سے طے ہوا، شہر ہی سے لوگ منتظر کھڑے تھے جوں جوں تکیہ کے قریب آتے تھے، ایک وارفتگی، اور جذباتی تعلق عورتوں اور مردوں میں دیکھا گھر کے اوپر چھت پر گاؤں کی عورتیں چڑھی ہوئی روتی تھیں، گاڑی جس وقت رکی ہم لوگوں نے نعش اتاری اور گھر لے گئے تو ایک کہرام مچ گیا، ننھی بی (۳) نے چادر اٹھا کر دیکھنا چاہا اور ہاتھ تھرتھرا گیا، سارا بدن کپکپا گیا، پلنگ پر جا پڑیں، ایک عجیب رنگ وغم کی کیفیت تھی اور خصوصیت سے "تکیہ" والوں میں جو ان کے لکھنؤ سفر کرنے پر راضی نہ تھے، عورتیں اور مرد روتے تھے کہ یہ لکھنؤ جا رہی ہیں دیکھیں کب آتی ہیں اور جب اس حالت میں آئیں تو سارا گاؤں بے قابو ہو گیا، ...... ہم لوگوں نے ظہر مسجد میں قصر پڑھی، غسل وکفن کا انتظام ہونے لگا اسی روز صبح نو بجے شرافت حسین صاحب (جو مدرسہ ضیاء العلوم کے ایک مدرس ہیں) کے خسر کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ اعلان کیا گیا کہ عصر کی نماز ساڑھے چار بجے ہوگی اس کے بعد نماز جنازہ ہوگی۔ مخدومہ خیر النساء بہتر مرحومہ کی قبر کی بغل میں تدفین کا انتظام کیا گیا جو ان کی والدہ تھیں، پھر یہ اعلان کیا گیا کہ میدان پور سے کسی کا جنازہ آگیا ہے اس لیے ساڑھے چار سے پہلے ہی نماز پڑھ لی جائے اور اس جنازے کی نماز ادا کر کے یہاں واپس آئیں اور

(۱) دھنو کی اماں نیک دل خاتون تھیں ان کی نیک دلی نے ان کو بیت اللہ شریف بھی دکھایا اور مکہ معظمہ میں کچھ عرصہ رہنا بھی ہوا، ذریعہ مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، اللہ مغفرت کرے۔ (م)

(۲) مولانا سید محمد مرتضی نقوی بستوی مظاہری رحمۃ اللہ علیہ ناظر کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی ندوۃ العلماء لکھنؤ (م)

(۳) اہلیہ محترمہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی خاندان کے اکثر افراد ننھی بی کہتے تھے اور بڑی تعداد صرف بی بی کہتی تھی (م)

پھر عائشہ بی کا جنازہ لے جائیں، خیر نماز سے فارغ ہوکر آئے جس کمرہ میں وہ رہتی تھیں اسی کمرہ میں تکفین کی ہوئی ان کی نعش رکھی تھی، چھوٹے نانا کو بلایا گیا تشریف لے گئے اور منھ قریب کر کے کپڑا ہٹا کر کچھ پڑھ کر پھونکا، پھر منھ کھلا رکھا گیا اور ہم لوگوں نے دیکھا، فوراً دل نے آواز دی کہ.......... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جوانی عود کر آئی ہے اور چہرے پر ایک عجیب سکینت اور نور کی فضا تھی، پھر لوگوں نے نعش اٹھائی اور پلنگ پر رکھی سب سے پہلے چھوٹے نانا نے کندھا دیا اور دروازے سے میدان تک لانے میں سیکڑوں کندھے لوگوں نے دیے، شہر سے، ندوہ سے، اساتذہ وطلبہ کی بڑی تعداد اور آس پاس کے گاؤں سے بڑی تعداد آ گئی تھی، چار پانچ سو افراد ہونگے، چھوٹے نانا نے آہ بھرے، غمزدہ لہجے میں نماز پڑھائی اور پھر کاندھا دینے کی ہر شخص نے کوشش کی، اور چارپائی کا کوئی جز ایسا نہ تھا جس پر لوگوں کے ہاتھ نہ ہوں، ہم لوگ قبر کی طرف دوڑے، ماموں جان اور اچھے ماموں رابع قبر کے اندر اترے اور ابو، اچھے ماموں (واضح) قبلہ کی طرف سے نعش اتارنے کے لیے کھڑے ہوئے، دوسری جانب ہم اور حمزہ بھیا(۱) چادر کا حصہ پکڑے ہوئے، پائیتیں خالو ماما (ثانی)(۲) کھڑے تھے، نعش اتاری گئی پھر افتخار پٹرے اٹھا کر ابو کو دیتے اور ابو(۳) ے ہم لے کر لگاتے جاتے پٹرے لگانے کے بعد چھوٹے نانا کو بلایا گیا، انہوں نے سب سے پہلے مٹی ڈالی پھر ہم سب نے ڈالی، اس کے بعد ہم ابو، اچھے ماموں اور مولانا سعید الرحمٰن صاحب (۴) سرہانے کھڑے ہوئے اور دروازے تک مٹی ڈالنے کے لیے آنے والوں کا

---

(۱) مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی حال ناظر عام ندوۃ العلماء

(۲) حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ عائشہ بی مرحومہ کے بڑے بھانجہ (متوفی ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ ۱۶؍ فروری ۱۹۸۲ء

(۳) مضمون نگار اپنے والد کو ابو کہتے ہیں والد کو عموماً مہذب الفاظ میں ابّو، ابا، میاں، بابا، ابّی کہا جاتا ہے

(۴) مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی حال مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء و مدیر البعث الاسلامی خانوادۂ حسنی کے ایک فرد کی طرح ہمیشہ سے رہے ہیں، مولانا سید محمد الحسنی صاحبؒ کے بڑے قریبی دوست اور ان کے شریک کار دعوت و ادارت البعث الاسلامی و تعمیر حیات رہے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے معتمد علیہ اطال اللہ بقاءہٗ (م)

(۵) صغیر مرحوم تکیہ سے متصل گاؤں پروا کے رہنے والے تھے ان کی والدہ اور ساس وغیرہ عائشہ بی کی خدمت گزار تھیں (م)

تانتا بندھا رہا اس کے بعد صغیر وغیرہ (۵) نے پھاوڑے سے قبر بنانی شروع کی، چھوٹے نانا قبلہ کی طرف رو بہ قبر کھڑے کچھ پڑھ رہے تھے، میں ان کے بغل میں کھڑا تھا اخیر میں سب نے فاتحہ پڑھی اور باہر نکل آئے مسجد کے صحن میں جنوب کی جانب چھوٹے نانا بیٹھ گئے ،اوراد پورے کر رہے ہوں گے، لوگ حلقہ بنا کر بیٹھے رہے پھر مولانا نے فرمایا کہ یہاں بزرگوں کے انوارات ابھی تک ہیں، حضرت رائے پوری یہاں تشریف لائے تھے، مسجد کے جنوب میں فرش پر کھڑے دریا کا نظارہ فرما رہے تھے، اور یہ فرمایا کہ اس سے اچھی بھی کوئی جگہ دیکھی، اور یہ کہ حضرت جب یہاں کے سفر سے واپس ہوئے تو فرمایا تھا کہ رائے بریلی میں اصحاب تکیہ کے بڑے انوارات ہیں، (یا اس قسم کی کوئی اور بات فرمائی۔(۱)

فرمایا کہ حضرت مدنیؒ یہاں تشریف لائے تو مسجد میں داخل ہو کر فرمایا میں خلوت چاہتا ہوں، کوئی آئے نہیں، دروازہ بند کر کے مشغول رہے، قبروں پر تشریف لے گئے فرمایا کہ یہاں ایک چلہ گزارنے کو دل چاہتا ہے ان سے تقریر کی فرمائش کی گئی تو "اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ" کے مضمون پر ایسی تقریر فرمائی کہ گویا سب ابھی دیکھ کر آ رہے ہیں کیسی چھاونیاں ہیں

(۱) اس کی تائید میں "سوانح میاں جی نور محمد جھنجھانوی" کے مصنف مولانا نسیم احمد علوی صاحب کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے یہاں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا ،میرا ارادہ تھا کہ یہاں حضرت سید احمد شہید کے حجرہ میں ایک چلہ کروں، کیونکہ یہاں انوار و برکات بہت ہیں، اس پر حضرت مدنی نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان میں دو جگہ اب بھی ایسی ہیں، جہاں سیکڑوں برس کے بعد ابھی بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات جیسے ابھی اٹھ کر گئے ہیں اور انوار کی بارش ہو رہی ہے، ایک حضرت سید صاحب شہید رائے بریلی کا حجرہ اور ایک حضرت میانجی نور محمد صاحب کا لوہاری والا حجرہ، دل چاہتا ہے کہ ان دونوں جگہ چالیس چالیس کا ایک ایک چلہ کروں مگر مصروفیات کے باعث نہیں کر سکتا (میاں جی نور محمد جھنجھانوی ص ۶۷، از نسیم احمد علوی مطبوعہ دار التحقیق والاشاعت اردو بازار لاہور) جب یہ مشائخ حضرت مدنی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں دیوبند رائے بریلی کے سفر کے بعد پہونچ گئے تو اس موقع پر وہاں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی بھی موجود تھے جو اس وقت دارالعلوم دیوبند میں بغرض تعلیم مقیم تھے۔(م)

اور کیا کیا اس عالم میں ہے، حضرت شیخ تشریف لائے تھے، مسجد کے شمال مشرق کے حصہ میں وضو فرمارہے تھے، فرمایا کہ ''جی براہو وے ہے یہاں سے جانے کو'' حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ الہ آباد سے لکھنؤ یا لکھنؤ سے الہ آباد جارہے تھے، رائے بریلی اسٹیشن پر ٹرین رکی، تو اتر کر ٹہلنے لگے، مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری انہی کے ساتھ تھے اور فرمایا: اہل تکیہ کے انوارات یہاں تک محسوس ہورہے ہیں اسی رات یہ خواب دیکھا گیا کہ حضرت شاہ علم اللہ صاحب فرمارہے ہیں کہ مولانا تھانوی اسٹیشن سے گذرے ہیں ان کو تکیہ پر بلاؤ تو انھوں نے آدمی دوڑایا، مولانا تھانویؒ سے درخواست کی تو انہوں نے فرمایا اس وقت نہیں جاؤں گا، شہرت ہوگی کہ ایک بڑے بزرگ نے دعوت دی ہے، اس لیے پھر کبھی (۱) حضرت مولانا الیاس صاحب تشریف لائے تھے، قبروں پر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ سنتے تھے کہ حضرت سید احمد شہید ہی بڑے بزرگ ہیں، لیکن شاہ علم اللہ بھی بڑے بزرگ ہیں، اس پر مولانا معین اللہ صاحب بولے: تھے تو دادا ہی، حضرت آدم علیہ السلام کا بھی کوئی خاص مقام ہی ہوگا۔ (۲)

اذان ہو چکی تھی، نماز کے لیے اندر داخل ہوئے، راڈ جل رہا تھا، ایک چاندنی سی محسوس ہو رہی تھی، مولانا برہان الدین صاحب سے حضرت مولانا نے نماز پڑھانے کو کہا انہوں نے پہلی رکعت میں ''اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰہ'' اور دوسری رکعت میں ''اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَنَهَر الخ'' پڑھا۔ سننے والوں کے لیے ایک عجیب سماں بندھ گیا، مغرب بعد بنگلہ پر سب حضرات پہنچے، مجلس میں حضرت مولانا اپنی بہن مرحومہ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کررہے تھے، دسترخوان لگا، دارالعلوم ندوہ ہی سے یہ کھانا پکوا کر لایا گیا تھا، نان اور آلو کی ترکاری تھی، الحمدللہ اس سادے کھانے میں اس رات جو لطف آیا، وہ اچھے کھانوں میں نہیں

---

(۱) مضمون نگار نے مولانا عزیز الرحمٰن حسنی والد ماجد مولانا سید ابوبکر حسنی کا خواب خیال کیا تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی کے دادا سید خلیل الدین حسنی متوفی ۱۹۳۲ء کا خواب بتاتے تھے، حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی نے اقوال سلف میں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔ (م)

(۲) اس لئے کہ پوری نسل انسانی کی نسبت آدمی ہے، کوئی نبی ہو یا رسول، صدیق ہو یا شہید، وہ ابن آدم ہی ہے۔ (م)

آتا اور باوجود نان کے ثقیل ہونے اور خوب کھانے کے بعد بھی کوئی گرانی محسوس نہ ہوئی، حقیقت میں یہ اس خدارسیدہ پاک بی بی کی برکت ہی تھی اور ہمارے حضرت مولانا کی برکت خود موجود تھی، کھانے کے بعد عشاء تک مجلس رہی جس میں چھوٹے نانا نے فرمایا، مجھے اپنے ماضی سے بہت وابستگی ہے، شاید کسی کو اتنی ہو، میں آج تک والد کو نہیں بھولا، بھائی کو نہیں بھولا (اور یہ کہہ کر گریہ طاری ہو گیا) اور اب مرحومہ کو کیسے بھلاؤں گا(۱) فرمایا کہ والد مرحوم کی زندگی تک یہ پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ بھائی صاحب میں کچھ محبت وشفقت کا ذرہ بھی ہے یا نہیں، لیکن باپ کا سایہ سر سے اٹھا اور وہ میرے باپ بن گئے، کئی مہینوں تک مجھے اپنے پاس پلنگ پر لٹایا ہے اس کے بعد اقبال کے چند اشعار پڑھے ۔

میں کہ میری زندگی کھوئے ہوؤں کی جستجو
میں کہ میری نوا میں ہے آتش رفتہ کا سراغ

اشعار ترتیب سے محفوظ نہ رہے، پھر مرحومہ کی تصنیف اور علمی خصوصیات کا ذکر فرماتے رہے، جس کو میں نے پہلے ہی ذکر کر دیا۔

عشاء کی نماز پونے آٹھ پر ہوئی، نماز بعد کوئی مجلس نہ ہوئی، چھوٹے نانا شمال مشرق کمرہ میں آرام فرما ہوئے اور آرام کیا، بس دکھانے کو لیٹ گئے، محمد معاذ (اندوری ندوی) اور عبدالعزیز بھٹکلی (ندوی) پیر دبانے لگے،(۲) ساڑھے نو بجے ہم لوگ سو گئے، صبح تقریباً سوا پانچ پر میں اٹھا، چھوٹے نانا کمرہ میں باآواز بلند ذکر کر رہے تھے۔ عجیب سوز و گداز تھا، فارسی اشعار بھی پڑھتے۔

(۱) الجزاء من جنس العمل کے تحت اس کا صلہ اس طرح ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت مولانا کے انتقال کے ۱۳ رسال ہو چکے ہیں، اور امت کسی طرح ان کو بھلانے کو تیار نہیں، ان کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے لوگ کھڑے ہو رہے ہیں اور ان پر ریسرچ اور ان کے نام سے مکتبات، مدارس، جامعات کے نام رکھتے ہیں اور نہ جانے کتنے اداروں کا قیام جگہ جگہ ملک و بیرون ملک ہو رہا ہے ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء (محمود)

(۲) یہ دونوں مولانا محمد معاذ ندوی اندوری اور مولانا عبدالعزیز خلیفہ بھٹکلی ندوی مضمون نگار کے ساتھیوں اور حضرت مولانا علی میاں ندوی کے مقربین میں تھے اول الذکر افریقی ممالک میں دعوتی مصروفیات رکھتے ہیں اور مولانا معین اللہ ندوی کے عزیزوں میں ہیں موخر الذکر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاد حدیث و تفسیر اور نائب مہتمم ہیں (م)

مفلسا نیم آمدہ درکوئے تو دست بکشا جانب زنبیل ما
آفریں بردست وبرباز وئے تو بندۂ عیب دار راکس نہ خرد
باہزاراں گناہ خرید مرا

پرسوز ودردانگیز لہجہ میں ذکر، درود، اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے، میں کان لگائے سن رہا تھا، سوا چھ بجے نماز فجر کا وقت آگیا، مولانا برہان الدین صاحب نے نماز پڑھائی، پہلی رکعت میں سورہ رحمٰن، دوسری رکعت میں سورہ واقعہ کا ایک رکوع پڑھا، نماز بعد میں قرآن کریم پڑھتا رہا، پھر بنگلہ پر گیا، وہاں چھوٹے نانا، مولانا معین اللہ صاحب سورہے تھے اور اچھے ماموں رابع، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب، یوسف صاحب (آر ایم ایس) مولانا برہان الدین صاحب اور کانپور سے آئے ہوئے مظفر الحق ندوی صاحب واشتیاق صاحب لاری ندوی صاحبزادۂ مولانا محب اللہ صاحب (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء) حلقہ بنائے بیٹھے تھے، ڈاکٹر صاحب، مرحومہ کے امراض کے ساتھ ساتھ مختلف امراض اوران کی کیفیت پر گفتگو فرمارہے تھے۔ پھر ہم لوگ چائے ناشتہ کرکے لکھنو روانہ ہوگئے، دن میں ندوہ کی سرگرمیاں رہیں پھر وہاں سے رات گزار کر صبح کی تو یہ افسوسناک اطلاع حافظ اقبال صاحب نے دی کہ مولانا عبدالباری ندوی کا ساڑھے چار بجے انتقال ہوا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے ماموں صاحب (ابوبکر) دہلی سے پہونچے، آنکھیں ہاتھ اور ماتھا سوجا ہوا بہت پریشان، کہہ رہے تھے کہ جس دن سے بہن کی غشی کی خبر سنی ہے، تب سے یہ حال ہوگیا ہے، اللہ تعالی اس خلاء کو جو عائشہ بی کے سانحۂ ارتحال سے پیدا ہوگیا ہے پورا فرمائے، جن گوناگوں صفات وکمالات سے اللہ نے ان کو نوازا تھا اس پر انھیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ اوران کی خدمات وحسنات کو شرف قبولیت عطا کرے اور وہ اس کے حسب حال ہوں، ''یَـٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ''

ضمیمہ ۱

تذکرہ امامہ

یعنی والدہ مرحومہ سیدہ امامہ حسنی رحمہا اللہ تعالیٰ
دختر حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی نور اللہ مرقدہ

پیدائش ماحول اور سلسلۂ نسب

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے زیر تربیت جو خواتین پروان چڑھیں ان میں ایک نام والدہ مرحومہ سیدہ امامہ حسنی کا بھی ہے جو حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی کی صاحبزادی اور حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کی نواسی تھیں۔

حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی تک سلسلۂ نسب اس طرح ہے سیدہ امامہ بنت مولانا سید محمد ثانی حسنی بن مولوی سید رشید احمد بن مولوی سید خلیل الدین احمد بن مولوی سید رشید الدین بن مولوی سید سعید الدین صابر بن مولانا غلام جیلانی بن مولانا سید محمد واضح بن مولانا سید محمد صابر بن شاہ آیت اللہ بن حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ۔ مادری سلسلۂ نسب اس طرح ہے، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی بن مولانا حکیم سید عبدالحی بن مولانا حکیم فخر الدین خیالی بن مولانا سید عبدالعلی نصیر آبادی بن علی محمد بن محمد شاہ بن اکبر شاہ بن محمد تقی بن سید عبدالرحیم شہید بن مولانا سید ہدایت اللہ نصیر آبادی بن مولانا سید محمد اسحٰق بن سید محمد معظم (جد مکرم حضرت شاہ علم اللہ حسنی) بن قاضی سید احمد بن قاضی سید محمود نصیر آبادی رحمہم اللہ تعالیٰ، مولانا سید ہدایت اللہ کے صاحبزادے سید عبدالرحیم شہید حضرت شاہ علم اللہ حسنی کے داماد تھے اور اللہ نے ان کے حصہ میں شہادت مقدر فرمائی تھی۔

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے جو ایک طرف سے ان کی دادی اور دوسری طرف سے نانی تھیں ان کو اپنی پرورش اور تربیت میں لے لیا تھا اور ان کی شروع سے نگہداشت کی اور تعلیم وتربیت میں پوری توجہ صرف کی، سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کو ان کی ولادت کی خبر سفر حج ۱۹۴۷ء ۔۱۹۴۸ء (۱۳۶۶ھ۔۔۔۱۳۶۷ھ) کی واپسی میں ممبئی میں ملی تھی، اس وقت انہیں جو خوشی ہوئی اس کو ان کے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ''ممبئی ہی میں محمد ثانی حسنی سلمہ کے یہاں پہلی ولادت کی اطلاع ملی تو انہوں نے اس بچی کے لیے جو ماشاء اللہ اب خود دو بچوں (۱) کی ماں ہے کپڑے اور کھلونے بھیجے۔ (۲)

والدہ مرحومہ کی تاریخ پیدائش ۲۹ /ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۳/نومبر ۱۹۴۷ء ہے۔ جمعرات کا دن تھا، تکیہ کلاں رائے بریلی میں پیدا ہوئیں اور وہیں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی والدہ ماجدہ اور بہنوں کے زیر سایہ پروان چڑھیں اور ان سے علم دین حاصل کیا۔

شخصیت سازی کے بنیادی عوامل

شخصیت سازی کے بنیادی عوامل اور مرکزی عوامل وعناصر پر غور کیا جائے تو سب سے بڑھ کر والدین کے اپنے حسن کردار اور اکل وشرب میں احتیاط اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب واحتراز اور دعاؤں کے اہتمام اور پھر ان کے اپنی اولاد کے لئے دینی تعلیم وتربیت کی فکر اور ان کی اپنی صحیح نیت اور صحیح مقصد سامنے رکھنے کو بڑا دخل ہوتا ہے اور والدین کا صلاح وتدین اولاد پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے، والدہ مرحومہ پر اللہ کا جو بہت بڑا فضل تھا کہ ان کو ایسے والدین ماجدین دے جن کے اندر ان باتوں کا حد درجہ پاس ولحاظ تھا اور ان کے شام وسحر ذکر ودعا وابتہال سے معمور تھے۔

---

(۱) اب ماشاء اللہ پانچ ہیں، محمود حسن، مسعود حسن، عائشہ، شامہ، منصور حسن

(۲) پرانے چراغ جلد دوم صفحہ ۳۱۶

خالِ معظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی صاحب (ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ) اپنے والدین ماجدین کا حال بیان کرتے ہیں جو مرحومہ کے بھی والدین ہیں:

''والدین بھی کیسے جس کے شام وسحر اللہ کو یاد کرنے میں گزرتے ہوں اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک ان کی فطرت ہو، کبھی کسی کا دل نہ دکھایا ہو، نہ زبان سے، نہ فعل سے، دوسروں کے حقوق کا لحاظ، اپنے حقوق کا ذکر تک نہ کرنا، اپنی اولاد سے کبھی کسی دنیاوی خواہش کا اظہار تک نہ کرتے ہوں، صرف ان کی دینی حالت اور کیفیت کی فکر کرنا'' (۱)

خالِ معظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی صاحب نے جس بات کی نشاندہی کی ہے وہ ان دعاؤں ومناجاتوں سے بھی سمجھی جا سکتی ہے جو مولانا محمد ثانی حسنی نے منظوم کہیں اور وہ ان کے کلام میزاب رحمت میں شائع ہو چکی ہیں۔

امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی تربیت میں:

پھر جب والدہ مرحومہ شعور کی عمر کو پہونچیں اور سیکھنے کی صلاحیت ظاہر ہونے لگی تو امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے اس کی طرف توجہ کی کہ اپنے ساتھ رکھ کر پہلے ایمان وعقیدہ اور دین کی ضروری باتیں بتائیں اور پھر قرآن مجید اور حدیث نبوی کی ضروری تعلیم دی اور نبیوں اور بزرگوں کے قصوں سے تمام کاموں میں دین کو ترجیح دینے کا مزاج بنایا، شروع میں ان کی تعلیم اس طرح رہی کہ کلمے اور مسنون دعائیں سکھائیں اور پھر سیرت کی معلومات سے واقف کرایا اور اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس سوالات اور جوابات کے ذریعہ کرایا، والدہ مرحومہ لکھتی ہیں:

''میری عمر چار پانچ برس کی رہی ہوگی جب انہوں نے مجھے سارے کلمے اور مسنون دعائیں اور حضور ﷺ کے والد والدہ، دادا، چچا، ازواج مطہرات، صاحبزادیوں، صحابیوں کے نام اور تعداد سب حفظ کرا دیے تھے''۔ (۲)

---

(۱) رضوان ستمبر ۱۹۹۹ء (۲) رضوان مئی ۱۹۷۶ء

امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کو اور جن سے گہرا تعلق تھا اور جن کی تعلیم وتربیت کا خصوصیت سے انہوں نے اہتمام کیا اور اولاد کی طرح رکھا، ان میں ایک کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے لکھا ہے کہ ''ان کو اپنی خالہ زاد بہن کی لڑکی فاطمہ سلمہا اہلیہ عزیز گرامی قاری سید رشید الحسن صاحب (نبیرہ نواب سید نورالحسن خاں مرحوم) مقیم حال کراچی سے اولاد کی طرح محبت تھی، انہوں نے ان کو بیٹی کی طرح رکھا تھا، یہ رشتہ بھی انہیں کی پسند اور کوشش سے ہوا تھا اور بچی کی ماں کے زندہ ہونے کے باوجود حقیقی ماں کی طرح ان کی شادی کی تھی'' (۱)

ان کے علاوہ اپنی بھتیجیوں بھانجیوں اور ان کے علاوہ اور بھی خواتین کی تربیت کی اس طرح ان کے یہاں متعدد لڑکیاں رہتی تھیں، اور ان سے قرآن مجید، حدیث شریف پڑھتیں اور علم سیکھتی تھیں اور ان کا گھر ایک بہترین تربیت گاہ بن گیا تھا۔

امۃ اللہ تسنیم مرحومہ دینی اجتماع ہفتہ وار دوشنبہ کو کرتی تھیں اس میں کوئی مضمون، کوئی کتاب سناتیں یا وعظ کا انداز اختیار کرتیں، اس کے ساتھ وہ تفہیم کا انداز اس طرح بھی اختیار کرتیں کہ جن کو وہ دین کی بنیادی باتیں سکھا چکی ہوتیں ان چھوٹی بچیوں سے وہ شرکاء اجتماع کو سنواتیں، یہ تجربہ بھی والدہ مرحومہ پر کیا۔ وہ لکھتی ہیں:

''عورتوں کا جو اجتماع وہ کرتی تھیں اس دن جو کچھ وہ سناتیں اس کے بعد مجھے بلاتیں اور سوالات شروع کرتیں، تمہارا رب کون؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمھارے نبی کون؟ اور جو کچھ بتا چکی تھیں سب کچھ پوچھتی رہتیں، میں سب بتاتی رہتیں، پھر عورتوں سے فرماتیں، سنئے! یہ سب اسے خود سے نہیں آگیا ہے، یہ سب بتانے سے آیا ہے، اسی طرح اگر آپ اپنے بچوں کو سکھائیں تو کون بچہ ہوگا جو نہ سیکھ سکے گا''۔ (۲)

اللہ سے محبت جو عشق وفنائیت کے درجہ کی ہو اور اس کے رسول سیدنا حضرت محمد

---

(۱) پرانے چراغ ۳۲۳/۲

(۲) از رضوان نمبر مئی ۱۹۷۶ء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق جو ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر ہو، ایسے دلنشیں انداز میں پیدا کراتیں کہ اس کی حلاوت نصیب ہو جائے۔ اس میں وہ بیت اللہ شریف، دیارِ حبیب ﷺ کا تذکرہ کرتیں اور اس طرح کہ سننے والا اڑ کر پہونچ جائے، والدہ مرحومہ ان کی اس کیفیت کو اس طرح بیان فرماتی ہیں:

"اتنے اچھے طریقے سے خدا اور اس کے رسول کا ذکر کرتی تھیں کہ بچے کے دل میں اچھی طرح سے نقش ہو جائے، حج و زیارت کرنے کے بہت دنوں بعد تک رات میں بٹھا کر وہاں کے حالات سناتی تھیں اور اس طرح سے سناتی تھیں کہ سننے والے کو لطف آ جاتا، میں اس وقت بہت چھوٹی تھی مگر اتنا لطف آتا تھا کہ کہ آج اس کا مزہ آتا ہے، اکثر یہ بات بہت مزے لے لے کر سناتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میں تم سے وہاں کے حالات بیان کروں تو تم میرے اوپر سے پھاند جاؤ اور کہو کہ میں نے سمندر پار کر لیا ہے، اپنے نبیؐ کے یہاں پہونچ گئے"۔(۱)

معلمین اخلاق کا اس پر اتفاق ہے کہ کھانے پینے میں شریک کر کے اس کے ذریعہ تعلیم و تربیت بہترین اور موثر انداز میں کی جاسکتی ہے خاص طور سے چھوٹے بچوں اور بچیوں کے اوپر یہ تجربہ بڑا مفید اور موثر ثابت ہوا ہے، امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے والدہ مرحومہ پر یہ تجربہ بھی آزمایا اور اس راستہ سے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت دل میں راسخ کرنا چاہی، چنانچہ یہ بات بھی والدہ مرحومہ کے ذہن سے کبھی محو نہ ہوسکی۔ وہ لکھتی ہیں:

"عائشہ بی کو ہر بات میں دین کا خیال رہتا تھا چاہے وہ کھانے کا معاملہ ہو یا کوئی اور بات ہر وقت یہ بات ان کے پیش نظر رہتی تھی کہ کس طرح اللہ کی اور نبیؐ کی محبت دل میں سمو دوں۔ بچپن میں ایسا ہوتا تھا کہ وہ خود مجھے کھانا کھلاتی تھیں، شوربے میں روٹی توڑ کر بھگو دیتیں، اور کہتیں دیکھو، تمہارے نبی کو جو چیز پسند ہوا کرے اس سے کبھی انکار نہ کیا کرو"۔(۲)

---

(۱) بحوالہ سابق　　(۲) بحوالہ سابق

قصوں حکایات اورواقعات کے ذریعہ تربیت کے انداز کواس طرح بیان کرتی ہیں

''میرا سارا وقت ان کے پاس گزرتا، نبیوں کے قصے، بزرگوں کے حالات سناتی رہتی تھیں ہر رات کو یہ معمول تھا جب انہوں نے قصے کہنے شروع کیے تو ترتیب سے شروع کیے۔ پہلے دن حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کرتیں، دوسرے دن حضرت نوح علیہ السلام کا اسی طرح ترتیب سے کہتی ہوئی نبی آخرالزماں حضور ﷺ پر ختم کرتیں پھر اس کے بعد صحابیوں اور صحابیات کا نمبر آتا پھر تابعین کا، اس کے بعد بزرگوں کے حالات ترتیب سے سناتیں، اور اس طرح سناتی تھیں کہ لطف آجاتا تھا اور ساری ماؤں کی تاکید کرتی تھیں، کہ اپنی بچیوں اور بچوں کو پہلے دین کی ہر بات سے واقف کرادو قصے کہانیاں بھی کہو، تو اس کا لحاظ رکھو کہ کوئی غلط بات نہ ہو، جب کسی کو نصیحت کرتی تھیں، تو فرماتی تھیں کہ ایک بزرگ کے پاس ایک بچہ کو اس کی ماں لائی کہ حضرت یہ گڑ بہت کھاتا ہے اس کو روک دیجیے! ان بزرگ نے فرمایا کہ کل آنا، وہ عورت حیران ہوئی کہ یہ کیا بات ہے، خیر دوسرے دن وہ آئی، آج ان بزرگ نے بچے کو منع کیا کہ بیٹا گڑ نہ کھایا کرو، وہ مان گیا ماں نے پوچھا کہ حضرت! کل کیا بات تھی سمجھ میں نہیں آئی فرمانے لگے کہ کل تک میں خود اس عادت میں مبتلا تھا، اس لیے کیسے منع کر سکتا تھا، میری بات وہ نہ مانتا اسی طرح فرماتی تھیں، پہلے اپنے میں اچھائیاں پیدا کرو، پھر دوسرے کو نصیحت کرو، اسی لیے ہر فرد ان کا احترام کرتا تھا۔(۱)

تعلیم وتربیت میں ان کے حکیمانہ طریقہ کو اس طرح بیان کرتی ہیں:

''عائشہ بی کا یہ نظریہ ہمیشہ رہا کہ لڑکیوں کو گھومنا نہیں چاہیے ان کی اجازت کے بغیر میں کہیں نہیں جاتی تھیں وہ فرماتی تھیں کہ دل مارنے کی عادت ڈالو جو جی چاہے وہ کر گزرو یہ ٹھیک نہیں ہے اگر تربیت کے لیے سمجھتیں تھیں کہ یہ کام مضر ہے تو اجازت نہیں دیتی تھیں، دوسری طرف محبت غالب آجاتی تھی، اس کا بدل یہ کرتی تھیں کہ کوئی بہت دلچسپ قصہ کہانی

---

(۱) بحوالہ سابق

وغیرہ سنانے لگتیں اس وقت مجھے قصے سننے کا بڑا شوق تھا اس میں مجھے بہت مزا آتا، ہر فرد یہ سمجھتا کہ اس کی سب سے بڑی خیر خواہ وہی ہیں، کبھی ان کی بات کا کسی نے برا نہ مانا کبھی انہوں نے کسی پر نکتہ چینی نہیں کی نہ کبھی کسی کو سب کے سامنے سمجھایا اگر کسی کی بات بری لگی تو اکیلے میں سمجھا دیا کہ سب کے سامنے شرمندہ کرنے سے کیا حاصل، ان کی انہیں خوبیوں کی وجہ سے خاندان کے سارے لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔

انہوں نے بچیوں کو پڑھانا شروع کیا خاندان کی بہت سی لڑکیوں نے ان سے پڑھا، اپنی ماموں زاد بہن کی لڑکی حبیبہ بی مرحومہ(۱) کو پورے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھایا، جس کو پڑھایا بہت محبت و تعلق سے پڑھایا" (۲)

والدہ مرحومہ نے امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے اندر ایک محبت کرنے والی ماں کا دل اور ایک حکیم مربی کا دماغ اور ایک داعی اور مجاہد خاتون کا حوصلہ اور اللہ کے لیے مر مٹنے کا جذبہ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت و تعلق میں محویت محسوس کی تھی والدہ مرحومہ نے ان اوصاف وخصوصیات سے پورا فائدہ اٹھایا انہوں نے اپنے تعلق سے لکھا ہے کہ:

"میرے ساتھ ان کا تعلق ایسا رہا جیسا ایک ماں کا اپنی اولاد سے ہوتا ہے کوئی غلط بات دیکھی تو فوراً تنبیہ کی ہمیشہ اس کی فکر کی کہ ساری مسنون دعائیں مجھے یاد رہیں، اور باقاعدگی سے پڑھتی رہوں۔ حزب الاعظم کی دعاؤں کی بہت تعریف کرتی تھیں، نماز انہی نے سکھائی اور نماز وقت سے پڑھنے کی بہت تاکید کرتی تھیں "سورۂ ملک" بہت تاکید سے یاد کروائی تھی کہ اسے روز پڑھا کرو، یہ قبر کے عذاب سے نجات دلاتی ہے"۔(۳)

---

(۱)(سیدہ حبیبہ مرحومہ سید سراج النبی حسنی مرحوم کی صاحبزادی اور مولانا سید محمد عامر حسینی ہنسوی مرحوم کی اہلیہ تھیں، چالیس سال کی عمر میں ۱۹۷۷ء میں اپنی ان مربی خالہ کی حیات میں میں وفات پائی، تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں، دو صاحبزادے سید محمد عرفان ندویاور سہیل احمد ندوی حافظ قرآن اور دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہیں اور سید فضیل احمد انجینیر ہیں اور سعودی عرب میں مقیم ہیں، رحمہا اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ۔

(۲) از مضمون عائشہ بی رضوان خاص نمبر مئی ۱۹۷۶ء (۳) بحوالہ سابق

ان کے ایک اور وصف کو جس سے والدہ مرحومہ نے خاص طور پر فائدہ اٹھایا اس طرح بیان کرتی ہیں:

''علم کے معاملہ میں چاہتی تھیں کہ بہنوں کو علم گھول کر پلادیں، فرماتی تھیں کہ علم حاصل کرلو، مجھے دیکھو میں نے کس طرح عربی پڑھی، اپنے شوق سے پڑھی جس سے موقع ملا اس سے پڑھا، بھائی صاحب سے (میرے نانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب) علی سے (ابا جان مولانا علی میاں) اور جو ملا اس سے پڑھا، کہنے لگیں کہ ہر کام کا مجھے شوق تھا، کوئی کام کسی کو کرتے دیکھ لوں چاہے بنائی کا ہو یا کڑھائی کا ہو فوراً اسے سیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا کہ یہ کام مجھے آئے، جب تک اسے سیکھ نہیں لیتی تھی اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتی تھی ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ مجھے قالین بننا آتا ہے تو رات میں مجھے نیند نہیں آئی کہ صبح ہو تو سیکھوں، صبح ان سے سیکھ لیا، پھر بُنا کسی میں اچھی خوبیاں دیکھ کر اتنا رشک پیدا ہوتا تھا کہ خوبیاں مجھ میں ہو جائیں۔(۱)

عائشہ بی کے تعلق سے شفقت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

''وہ میری دادی ہونے کے علاوہ میرے لئے ایک شفیق ومحبوب مربی ومعلم کی حیثیت رکھتی تھیں، ان کے جانے سے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ایک عزیز ترین نعمت چھن گئی، ان کی شفقتیں زندگی بھر یاد آتی رہیں گی، ان کی نصیحتیں ان کی دعائیں،(۲)

والدین ماجدین اور خاندانی بزرگوں کی شفقتیں

والدہ مرحومہ نے ان مبارک ہستیوں کی آغوش میں تربیت پائی اور ان کو اس کا موقع بھی ملا کہ وہ اپنی دادی صاحبہ کی والدہ ماجدہ اور پورے خاندان کی سرپرست مخدومہ خیر النساء بہتر (والدہ مرحومہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) سے بھی استفادہ کریں اور خدمت کی سعادت حاصل کریں اور آپس کے تعلقات اور محبت دیکھیں، آپس

---

(۱) بحوالہ سابق

(۲) بحوالہ سابق

کے تعلقات کو انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ ہماری حقیقی دادی امۃ العزیز صاحبہ جو بحمداللہ بقید حیات ہیں اور ابا جان (مولانا علی میاں) اللہ ان دونوں کی عمر میں برکت عطا فرمائے، یہ ہمارے خاندان کے لیے بہت بڑی نعمت ہیں ان دونوں بہنوں اور ان دونوں بھائیوں میں بے مثال محبت دیکھی میں اپنی دادی امۃ العزیز صاحبہ سے کوئی بات پوچھتی فوراً وہ جواب دیتیں۔ عائشہ سے پوچھو اگر وہ کہیں تو ٹھیک ہے(۱)

امۃ اللہ تسنیم مرحومہ اپنی والدہ ماجدہ خیر النساء بہتر صاحبہ کی خدمت میں رہتیں ان کے ساتھ والدہ مرحومہ کو بھی یہ سعادت حاصل ہوتی، ذکر خیر (حالات زندگی مخدومہ خیر النساء بہتر صاحبہ) مولفہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی میں ہے کہ ''امامہ سلمہا سے جو اکثر ان کی خدمت میں رہتیں اور تیمار داری کا کام انجام دیتیں وہ بہت مانوس تھیں اپنے پاس بٹھا کر مناجاتیں سنا کرتیں''۔

عمۂ محترمہ سیدہ ریحانہ حسنی (۲) کا اور والدہ مرحومہ کا بچپن اور نوعمری کا زمانہ ایک ساتھ گذرا اور اسی گھر میں گذرا جو محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی تربیت گاہ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا گھر تھا جس کی سرپرست مخدومہ خیر النساء بہتر مرحومہ تھیں، وہ ان کے فطری جواہر اور اپنے ان بزرگوں کی خدمت کو اپنے مضمون میں اس طرح بیان کرتی ہیں

''سیدہ امامہ حسنی مجھ سے عمر میں دو سال بڑی تھیں، ہم دونوں کا بچپن کا زمانہ ایک ساتھ ہی گذرا، ہم لوگ زیادہ تر اپنے خالو میاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے گھر پر یکجا ہوتے تھے، اس وقت ہمارے خاندان کے بڑے بڑے بزرگ بقید حیات تھے،

---

(۱) بحوالہ سابق

(۲) سیدہ ریحانہ حسنی اہلیہ محترمہ جناب مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنوی مہتمم دارالمبلغین لکھنؤ و جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند و رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند و قائد تحریک مدح صحابہ لکھنؤ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی اہلیہ مرحومہ کی حقیقی بھانجی ہیں اور انہی کے ساتھ رہتی تھیں ان کو بھی ان بزرگ خواتین کی صحبت اٹھانے اور خدمت کا موقع ملا۔

اماں بی محترمہ خیر النساء بہتر والدہ ماجدہ حضرت مولانا علی میاںؒ بھی حیات تھیں، جو ہمارے پورے خاندان کی سرپرست تھیں اور دنیا کی عظیم ترین خاتون تھیں جن کی پاکیزہ زندگی اکابر کے لئے نمونہ بنی ان کی خدمت کرنا ہم لوگوں کے لئے زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھا، میں اور امامہ آپا مرحومہ اماں بی کی کہی ہوئی مناجاتیں پڑھ پڑھ کر ان کو سناتیں اور ان سے دعائیں لیتیں، آپا مرحومہ بچپن ہی سے سنجیدگی، نرم گفتار اور نیکی میں ممتاز تھیں، شرم وحیا ان کا سب سے بڑا زیور تھا کسی کی برائی کرنا یا سننا بہت دور کی بات تھی حسد، جھوٹ وغیرہ سے ان کا دامن بالکل پاک تھا، اپنے بڑوں کی عزت وخدمت سے ان کو شغف تھا، چھوٹوں سے محبت اور ان کا خیال کرنا ان کا مزاج تھا، اسی لئے وہ ہر دلعزیز تھیں'' (۱)

اس طرح والدہ مرحومہ کے اندر یہ ذوق دعا ومناجات بھی آیا اور خود بھی ان کا خاصا خاصا وقت دعاؤں میں گذرنے لگا، اپنے لیے، اپنے بڑوں کے لیے، اپنی اولاد کے لیے، بھائیوں بہنوں اور دوسروں کے لئے بھی، یہ ذوق حاصل کرنے میں والدہ مرحومہ کو خاندان میں دوسرے بزرگوں کے ساتھ خود اپنی والدہ ماجدہ کو دیکھ کر بڑی مدد ملی، خال معظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی مدظلہ نے اپنی والدہ کا وصف اس طرح بیان کیا ہے ''والدہ مرحومہ کی دعاؤں سے خاصا تعلق تھا، ہر نماز کے بعد طویل دعائیں کرتیں، بعض اوقات صبح کی نماز کے بعد ان کو دعاؤں میں اس طرح گریہ وزاری کرتے دیکھا کہ دیکھا نہ گیا۔ (۲)

ان شخصیتوں سے جن کا ذکر آیا والدہ مرحومہ نے خاص طور پر بڑا دینی علمی واخلاقی فائدہ اٹھایا اور ان سب کی پوری شفقت اور توجہ حاصل کی اور جب لکھنو قیام ہوتا تو انہیں اپنے نانا مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور نانی خاتون بی بنت مولانا سید ابوالقاسم حسینی ہنسوی کو دیکھ کر بہت کچھ سیکھنے کو ملا اور ان کی محبتیں حاصل کیں، پھر والدین ماجدین، والد صاحب

---

(۱) (ملاحظہ ہو ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد ۲۰۰۵ء ۱۴۲۶ھ

(۲) (رضوان ستمبر ۱۹۹۹ء)

مولانا سید محمد ثانی حسنی جو ایک صاحب دل اور صاحب قلم عالم اور بزرگ تھے اور والدہ صاحبہ سیدہ خدیجہ بنت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی جو کہ صاحب دعا اور بڑی فہیم خاتون تھیں اور ماموں مولانا سید محمد الحسنی، چچا مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور اپنی خالاؤں سے بہت سے دینی اور دنیوی امور میں فائدہ اٹھایا، اور لکھنے پڑھنے کی وہ اعلیٰ صلاحیت پیدا کر لی کہ ۱۱ر برس کی عمر میں وہ مضمون لکھنے لگیں اور ان کا پہلا مضمون رضوان لکھنو میں ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا اور پھر تو متعدد مضمون ان کے قلم سے نکلے، رضوان کے اجراء سے پہلے خاندان کی یہ خواتین ماہنامہ ''مسلمہ'' امرتسر میں مضامین لکھ کر بھیجتیں جو اس میں شائع ہوا کرتے تھے۔

ماہنامہ رضوان کی ادارت میں شرکت:

سیدہ امۃ اللہ تسنیمؒ کے انتقال کے بعد والدہ مرحومہ کو ان کے والد مولانا سید محمد ثانی حسنی نے اپنے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مشورے سے ماہنامہ ''رضوان'' میں ان کی جگہ شریک ادارت کیا اس کی وضاحت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے رضوان کے ایک شمارے میں اس طرح فرمائی ہے کہ:

''ہمارے خاندان کے بزرگ اور سر پرست خال مکرم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی کی تجویز پر ''رضوان'' کی معاونت ادارت کے لیے عزیزہ امامہ حسنی اور عزیزہ میمونہ حسنی (بنت مولانا محمد رابع حسنی) کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ان دونوں نے محترمہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کی تھی اور ان دونوں پر مرحومہ کی بڑی نظر عنایت رہی ہے اور ان کو اپنی بیٹیوں کی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر رکھا اور تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا، ان کے کوئی اولاد نہ تھی، یہی ان کی اولاد اور مرکز توجہ رہی ہیں ان دونوں کے مضامین بھی اکثر رضوان میں شائع ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان دونوں کو اس علمی اور قلمی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے اور ان کے قلم، عمر و ایمان اور

صحت وعافیت میں برکت دے اور مرحومہ کا نعم البدل بنائے۔(۱)

مولانا محمد ثانی حسنی نے جس تعلق کو ظاہر کیا اور اس کے اثرات کی طرف جو اشارہ کیا ہے والدہ مرحومہ نے اس کا پورا اعتراف کیا اور لکھا ہے کہ: ”عائشہ بی جو امۃ اللہ تسنیم کے نام سے مشہور تھیں جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور اپنے مالک سے جا ملیں میری دادی ہونے کے علاوہ میرے لیے ایک شفیق ومحبوب مربی اور معلم کی حیثیت رکھتی تھیں ان کے جانے سے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ایک عزیز ترین نعمت چھن گئی ان کی شفقتیں زندگی بھر یاد آتی رہیں گی۔ ان کی نصیحتیں ان کی دعائیں ہر جگہ رہنمائی کریں گی، میں انھیں عائشہ بی کہتی تھی انہوں نے عائشہ بی ہی کہلوایا، چھوٹی بہنیں اور ساتھی لڑکیاں بھی عائشہ بی کہتی تھیں“(۲)

نکاح

والدہ مرحومہ کا رشتہ ان کے خالہ زاد بھائی سید حسن حسنی صاحب زید مجدہ پسر جناب الحاج سید محمد مسلم حسنی علیہ الرحمۃ سے طے پایا، مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کو شادی کی تاریخوں سے مطلع کیا اور دعا کے لیے لکھا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ باہر سفر پر تھے وہ شرکت کے لیے تشریف لائے اور ہر کام سادگی سے اور شادی بیاہ کی رسموں سے پاک صاف رکھا گیا، خاندان کے بعض لوگ بڑا اہتمام چاہتے تھے لیکن حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور ان کی دونوں بہنیں امۃ العزیز صاحبہ اور امۃ اللہ تسنیم صاحبہ دین وسنت کے معاملہ میں لچک نہیں رکھتے تھے، انہوں نے سب کے ذہنوں کو صاف کیا اس سے پہلے مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سب صاحبزادیوں کی شادی ایسی ہی سادگی سے کی تھی، اب وہ نہیں تھے اس لیے ان کے بھائی اور بہنوں کی سرپرستی میں یہ کام انجام پایا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی حضرت

(۱) (رضوان مارچ ۱۹۷۶ء)

(۱) رضوان خاص نمبر مئی ۱۹۷۶ء

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کو اپنے مکتوب (۲۷/ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ ---۲/مارچ ۱۹۷۰ء) میں تکیہ رائے بریلی سے اطلاع دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

مشفق محترم مخدوم و معظم دامت برکاتہ والطافہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا، جناب والا سے رخصت ہوکر براحت تمام لکھنو پہونچا اور جمعہ پڑھ کر اسی دن رائے بریلی چلا آیا کہ اگلے ہی دن خاندان میں ایک تقریب تھی جس میں شرکت کا میں نے وعدہ کرلیا تھا، جناب والا کے مکاتیب گرامی مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مولانا سعید الرحمٰن اور محمد ثانی سلمہ کو پہونچادیے، مولوی سعید الرحمٰن اور محمد ثانی ان شفقت ناموں سے بہت خوش ہوئے اور گھر میں اس تہنیتی خط کو سب نے پڑھا اور سنا اور اس کو فال نیک سمجھا اللہ تعالیٰ ہر طرح مبارک و مسعود فرمائے بعض رسوم کی اصلاح اسی تقریب سے ہورہی ہے۔(۱)

والدہ مرحومہ کے والدین کے لیے یہاں جو اجر کی بات ہے کہ حدیث شریف سے ایسے ماں باپ کی بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے جو اپنی بیٹی کی پرورش کریں اور دین سکھائیں پھر صحیح جگہ ان کا رشتہ کرکے رخصت کریں ان کی دادیوں امۃ العزیز مرحومہ اور امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے لیے بھی بڑی اجر کی بات تھی کہ دونوں کو اصل اولاد کی طرح محبت اور تعلق تھا اور دونوں کو ہی ان سے بڑی راحت پہونچتی تھی اور امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے ان کو اپنی آغوش میں لیکر پروان چڑھایا تھا۔ لیکن انھوں نے ان خوشی کے لمحات میں محبت اور اس کے ارمان نکالنے پر دین و سنت کے تقاضوں کو غالب رکھا اور اسی سے انہوں نے خوشی درخوشی حاصل کی۔

---

(۱) مکتوبات مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی جلد دوم ص، ۳۶۹ ط دار عرفات رائے بریلی

منظوم جہیز

ان کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے اس موقع پر ایک بہترین تحفۂ منظوم، ہدایت نامہ کے طور پر دیا، جو ہر لڑکی کے لیے جو سسرال جارہی ہو بہترین مشعل راہ ہے وہ اشعار ملاحظہ ہو۔

اے امامہ مری لخت قلب و جگر — راحت جان و دل میری نورِ نظر
خوش نصیبی سدا لے تمہارے قدم — تم پہ ہر دم خدا کا ہو فضل و کرم
ہر نفس خوش رہو اپنی سسرال میں — دے خدا برکتیں صحت ومال میں
تم بنو اس نئے گھر میں انجم نگر — تم بنو مطلع نجم و شمس و قمر
تم سے اس گھر میں بادِ بہاری چلے — نکہتیں لے کے گل کی سواری چلے
گھر تمہارے قدم سے ہو جنت نشاں — ہر نظر سے تمہاری ہو برکت عیاں
ہر زباں پر تمہاری ہی توصیف ہو — جو کرو کام تم اس کی تعریف ہو
ہر نفس اپنے شوہر کی دمساز ہو — ہمدم و ہم جلیس اور ہمراز ہو
ان کو اپنے ہنر سے تونگر کرو — ہم نشینوں میں ان کو مؤقر کرو
گھر بساؤ نیا عقل و تدبیر سے — دل لگاؤ سدا اس کی تعمیر سے
شرم وغیرت کا دامن نہ چھوڑو کبھی — تم کسی حال پردہ نہ توڑو کبھی
پست رکھو سدا اپنی آواز کو — مت کرو ظاہر اپنے کسی راز کو
تم ہمیشہ رہو پاکیزہ قلب و نظر — پاک رکھو زباں اپنی شام و سحر
اپنے عیبوں پہ رکھو ہمیشہ نظر — تم سے اوروں کو نہ پہونچے کوئی ضرر
کام لیتی رہو صلح جوئی سے تم — دور بھاگو سدا عیب جوئی سے تم
تم کسی کے کہے میں نہ آؤ کبھی — لب پہ حرف شکایت نہ لاؤ کبھی

دامن اپنا بچاؤ خرافات سے   تم کنارہ کرو ہر بری بات سے
تم شب وروز اللہ کا نام لو   تم سدا عقل و تدبیر سے کام لو
دل لگا کر خدا کی عبادت کرو   روز قرآن کی تم تلاوت کرو
نندوساس وسسر سب کی عزت کرو   ہوسکے ان کی خدمت تو خدمت کرو
اپنے سارے عزیزوں کا رکھو خیال   ہو کسی کو نہ تم سے کبھی کچھ ملال
جو ملے تم کو اس پر قناعت کرو   کم سے کم پر ہمیشہ کفایت کرو
بغض وکینہ کو دل میں نہ لاؤ کبھی   تم کسی دم نہ غصہ میں آؤ کبھی
جو کرو کام اس کام کو سوچ لو   اس کے آغاز وانجام کو سوچ لو
تم رہو اور حسن (۱) مل کے باہم دگر   جیسے ہو جاتے ہیں مل کے شیر و شکر
ایک کو دوسرے سے محبت ملے   بات سے بول سے دل کو راحت ملے
بخشے اللہ وہ دونوں کو زندگی   جس میں ہر ہر نفس پر ہو فرخندگی
تم رہو شادماں اور شاداں حسن   خوب مہکے تمہارے دلوں کا چمن
ہے خدا سے دعا نیک اولاد ہو   ایسی اولاد ہو جس سے دل شاد ہو
حسن صورت ملے حسن سیرت ملے   علم دیں کا ہو حامل بصیرت ملے
عمر بھر تندرست وسلامت رہیں   وہ سلامت رہیں باکرامت رہیں
گھر تمہارے سدا بادِ رحمت چلے   لے کے ہر ہر نفس خیر و برکت چلے

شاخ در شاخ گلشن کی شاداب ہو
ذرہ ذرہ چمن کا دُرِ ناب ہو

---

(۱) راقم الحروف کے والد ماجد سید حسن حسنی صاحب ابن سید محمد مسلم حسنیؒ مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی صاحب (برادر اکبر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) کے نواسہ ہیں اور حج بیت اللہ شریف سے ۱۴۲۵ھ میں اپنی اہلیہ مرحومہ کے ساتھ مشرف ہو چکے ہیں (بارک اللہ فی حیاتہ)

اولاد کی تعلیم وتربیت

بہترین معلمہ وقت سے جس نے تعلیم حاصل کی اور عظیم والدین ماجدین اور خاندان کی دوسری مبارک ہستیوں کے سایہ میں جو پروان چڑھیں جس کا اظہار خود انہوں نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ ”اور یہ میری خوش نصیبی رہی اور ہے کہ اللہ نے محبت کرنے والی ہستیاں بخشیں اللہ تعالی مجھے قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(۱)

اب اللہ نے ان کو اولاد کی شکل میں تربیت گاہ دی، جہاں تک میرا تعلق ہے تو یہ محاورہ اس پر صادق آتا ہے کہ انہوں نے میرا قلم پکڑ کر لکھنے کی مشق کرائی اور یہ ترغیب دیتیں کہ ماموں جان (مولانا سید محمد الحسنیؒ) کو آئیڈیل بناؤ انہوں نے ابا جان حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تحریروں کو بار بار ایک دو بار نہیں دس دس بار پڑھا اور اس کو پی لیا، ان کے خطوط دیکھو ان کا طرز تحریر دیکھو اور اس کی نقل کرو۔ ہمارے عمر کے ساتھی کھیلنے جاتے وہ ہمیں بیٹھا کر یہ فن سکھاتیں ایک بار اس کی صداقت ہم پر اس طرح ظاہر ہوئی۔ میرا معمول شروع سے جب سے شعور کی عمر پائی چھ سال کی عمر سے تو یاد ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو ان کے سفر میں رخصت کرنے اور استقبال کرنے کے لئے گھر کے بڑوں کے ساتھ اسٹیشن یا ایرپورٹ جانے کا تھا اور خال محترم مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کے ساتھ ہولیا کرتا تھا۔ ایک بار جب فکری شعور کا مرحلہ دور تھا حضرت مولاناؒ نے ٹرین میں اپنی سیٹ سے ہمیں قریب کیا اور بڑی بشاشت سے فرمایا کہ ”تم ہماری تحریروں کو ایک بار دو بار نہیں تین تین بار پڑھو یہاں تک وہی سوچنے لگ جاؤ اور اسی طرح لکھنے لگ جاؤ“۔

اسی طرح والدہ مرحومہ اخلاقیات کی طرف توجہ دلاتیں اور گناہوں سے بچنے پر بہت زور دیتیں، تنقید، تبصرے، غیبت، جھوٹ، چوری، بے حیائی کے کاموں اور باتوں کی بہت

---

(۱) رضوان خاص نمبر مئی ۷۶ء

قباحت اور نقصانات بیان کرتیں، دوسروں کی عیب جوئی، کسی کی برائی اچھالنے یا دوسروں سے کہنے، ظلم وزیادتی، کھانے پینے میں بے احتیاطی سے بچنے کو بار بار کہتیں اور اللہ سے ڈراتیں اور حرام مال اور ظلم کے نقصانات کے بارے میں کہتیں، کہ نسلوں تک اس کے بڑے بڑے اثرات پڑتے ہیں، آخری درجہ کی بات ہے کہ کسی کو دکھ پہنچ کر نفع حاصل ہو رہا ہوتا تو وہ نفع حاصل نہ ہونے دیتیں اور جن مواقع میں خیر کی امیدیں زیادہ ہوتیں لیکن گناہوں میں پڑنے کے اندیشے بھی ہوتے تو ان مواقع سے بالکل دور رہنے کو کہتیں ایک بار ایسے ہی کسی موقع کے تعلق سے اس حد تک راقم سے کہہ دیا کہ اگر اس موقع پر گئے تو پھر تمھیں عاق کردیں گے، انگریزی تہذیب ولباس سے نفرت انہیں کی وجہ سے ہوئی وہ اس کی قباحت مختلف طریقوں سے ذہن ودماغ میں بٹھاتی رہتیں اور محبت کے بارے میں ان کا نظریہ غیر اللہ کی نہیں اللہ اور اللہ والوں کی محبت دل میں بٹھانے کا تھا، اس لیے حج کا شوق دلاتیں، اہل اللہ اور بزرگوں اور خاندان کے بڑوں کی خدمت میں ہدیہ اور تحفہ پیش کرنے کا جذبہ بھی پیدا کرتیں اور کسی کو سخت سست کہنے پر بے چین ہوجاتیں کہ کہیں اس کے دل کو ٹھیس نہ پہونچ جائے۔ اور معافی مانگنے کو کہتیں اور جب تک معافی نہ منگوالتیں انہیں سکون نہ ملتا اذیت رسانی سے ان کو اس قدر وحشت اور گھبراہٹ ہوتی تھی کہ ان کو اور ان کی اولاد کو کوئی خیر حاصل ہو رہا ہوتا تو وہ یہ اطمینان کرلینا چاہتیں کہ دوسرے کو تکلیف یا نقصان پہونچ کر تو حاصل نہیں ہو رہا ہے ان کو شوق تھا کہ مرے ذمہ حدیث شریف کے اسباق ہوں، جب اس کا انتظام ہوگیا اور اس کی اطلاع دی کہ آج تو انہیں بڑی خوشی حاصل ہوگی، فرمایا جس کے ذمہ یہ کتاب پہلے تھی ان کو تکلیف تو نہیں پہونچی اگر ایسا ہے تو ان کو واپس کردو۔

نمازوں کے تعلق سے جب تک وہ یہ اطمینان نہ کرلیتیں کہ نماز پڑھ لی ہے اور جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھی ہے انہیں اطمینان نہ ہوتا اور پھر دیر تک نصیحتیں واقعات کی روشنی میں کرتیں۔

وہ بیعت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے تھیں اور ان کے تعلیم کردہ تسبیحات و معمولات پر بھی کاربند رہتیں اور ہمیں بھی اس کا شوق دلاتیں، لیکن اس کے لیے حکم نہیں دیتیں، البتہ انھوں نے حضرت مولانا کی محبت ایسی دل میں بٹھادی تھی کہ کسی اور شخصیت سے وہ تعلق ہو ہی نہیں سکتا تھا، آخر یہ سعادت راقم کے حصہ میں آئی کہ ان کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کرے اس سے انہیں بڑی خوشی حاصل ہوئی، حضرت مولانا کے انتقال کے بعد ان کا اشارہ حضرت مولانا کے خواہرزادے اور جانشین ان کے عم محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی طرف رجوع کا تھا، اور حضرت کے انتقال کے دوسرے ہی دن فرمادیا کہ ''تم جیسے ابا جان کی خدمت کرتے تھے اور جیسا تعلق رکھتے تھے اب یہ تعلق عمو جان (یعنی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی) کے ساتھ رکھو''۔

دینی غیرت اور ملی حمیت اس قدر تھی کہ الیکشن کا زمانہ تھا، ووٹ دینے کے سلسلہ میں صاف کہہ دیا فلاں کو نہ دینا اس کا جس پارٹی سے تعلق ہے اس نے مسلمانوں کو بڑا نقصان پہونچایا ہے۔

اس بات سے بھی منع کرتیں کہ اپنے محاسن بیان کر کے خود منھ میاں مٹھو بننا ہے اور اس کو بہت ہی برا سمجھتیں کہ اپنی کمزوریاں اور معائب دوسروں سے بیان کیا جائے۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھرے۔ آج کسی قابل ہوا تو انہی کی دعا تعلیم و تربیت کا ثمرہ ہے۔

تربیتی خطوط

نانا جان مولانا سید محمد ثانی حسنی کے انتقال کے بعد والدہ مرحومہ اپنی دادی سیدہ امۃ العزیز صاحبہ اور والدہ ماجدہ کے پاس ٹھہر گئیں تھیں اور ہم لوگوں نے تکیہ سے متصل مدرسہ ضیاء العلوم میں داخلہ لے لیا اس طرح سے یہ تین سال والدہ مرحومہ کی نگرانی میں گزرے پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء منتقل ہو گئے اور وہ خطوط کے ذریعہ دریافت حال کرتیں

خط لکھنے کی تاکید فرماتیں اور اہم باتوں کی طرف توجہ دلاتیں جن سے دین ودنیا دونوں میں کامیابی گویا فلاح دارین حاصل ہو، غیر متوقع طریقہ پر یہ خطوط مل گئے ان کی افادیت کے پیش نظر نقل کرتا ہوں۔

محمود کو ملے

۱۴۰۶ھ عزیزی محمود سلمہ

السلام علیکم

خدا کرے تم سب بعافیت ہو، تمہارے جانے کے بہت دن بعد تمہارا خط ملا، تم سے ہم نے کہا تھا کہ خط جلدی جلدی بھیجا کرو، یہ خط تمھیں اس لیے لکھ رہے ہیں کہ اب تمہاری پڑھائی تو شروع ہوگئی ہوگی، اب خوب ہی دل لگا کر پڑھنا اور پچھلے سال کی طرح نہ پڑھنا کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ خوب پڑھ رہے ہو اور پڑھائی کچھ نہیں ہوئی، پڑھنا کہ دھیان کے ساتھ اور دلچسپی کے ساتھ، جب دلچسپی سے پڑھوگے تو وہی دماغ میں محفوظ رہے گا، دیکھو! اس وقت کی کاہلی سے بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور بڑا ہی پچھتاوا ہوتا ہے، اب کی سے امید ہے کہ تم نے سبق سیکھ لیا ہوگا، اللہ تعالیٰ تمھیں پڑھنے کا خوب شوق عطا فرمائے اور بہت شوق اور دلچسپی سے علم حاصل کرو، علم حاصل کرنے میں تمھیں راحت معلوم ہو، پڑھنا تمہارے لیے بوجھ نہ ہو تم ہمیں خط لکھو اور تفصیل سے لکھو، امّا جی (۱) کو تم بیمار چھوڑ کر گئے تھے مگر تم نے ایک خط خیریت معلوم کرنے کے لیے ان کو نہ بھیجا اب امّا جی کو خط بھیجو، تمھیں خود ان باتوں کو خیال کرنا چاہیے، عائشہ تمھیں ایک خط بھیج چکی ہے، اب یہ خط وہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیج رہی ہے تمہارے سمجھ میں تو وہ خط شاید بہت کم آئے مگر اپنی بہن کا خط سمجھ کر جواب ضرور دینا اور تمھیں نان خطائی بھیج رہی ہے، بلال کو دعا کہنا، عمیر، عمار بھی کو دعا کہنا، بڑوں کو سلام کہنا۔

تمہاری امی

(۱) یعنی میری دادی صاحبہ سیدہ حمیرا مرحومہ بنت مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی وفات ۱۲/۳۰/۱۴۱۴ھ-۱۱/۶/۱۹۹۴ء

محمود کو ملے

عزیزی محمود سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خدا کرے تم سب بعافیت ہو، تمہارا خط ملا خوشی ہوئی مگر تم نے بہت دن بعد خط بھیجا، جب ہم نے کئی لوگوں سے کہلوایا تب تم نے خط بھیجا تم کو جلدی جلدی خط بھیجنا چاہیے اور پورے حالات لکھنا چاہیے کہ پڑھائی وغیرہ کیسی چل رہی ہے، دل لگا رہتا ہے، اڑتی اڑتی خبر ملی کہ امتحان کا نتیجہ تم لوگوں کے حق میں نہیں رہا، تم نے کچھ نہ لکھا، تم سے اتنا ہم کہتے ہیں کہ خوب دل لگا کر پڑھو، خوب محنت کرو تب ہی انشاء اللہ کامیاب رہو گے، یہ ششماہی امتحان ہے، عقل ہوگی تو اب سالانہ میں محنت کر جاؤ گے، فرسٹ آنے کی کوشش کرو گے، جب ہی کامیاب ہو گے اور اگر یہ سوچا کہ بس کامیابی مل جانی چاہیے، جیسے نمبر آئیں تو پاس ہونا بھی مشکل ہو جائے گا امید ہے کہ اب تم عقل سمجھ سے کام لو گے اور ہر لڑکے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے، اور ابا (۱) کو ضرور خط لکھا کرو، دعا کے لیے لکھ دیا کرو، بوا (یعنی والدہ مرحومہ کی دادی) اور بی بی (یعنی نانی صاحبہ مرحومہ) سب دعا کہتی ہیں تمہاری اچھی خالہ (۲) چھوٹی پھوپھی (۳) دعا کہتی ہیں تمہارے بھائی بہن سلام کہہ رہے ہیں، آمنہ (والدہ عزیزی محمد میاں سلمہ) کو بہت بہت دعا کہنا، دلہن ممی (۴)، چھوٹی گاگا (۵) وغیرہ کو سلام اپنے ماموں جان (۶)، ماموں جی (۷)، بلال (۸) عمار (۹) سب کو دعائیں۔

اپنے کھانے پینے کا خیال رکھا کرو آج کل سیب کا مربہ کھالیا کرو اس سے دماغ کو فائدہ ہوگا۔

تمہاری امی

---

(۱) یعنی میرے دادا صاحب سید محمد مسلم حسنی مرحوم وفات ۲ر صفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۸ر دسمبر ۲۰۱۲ء رائے بریلی

(۲) ہمشیرہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی جو راقم کی چچی ہیں

(۳) والدہ مولوی سید معاذ حسینی ندوی

(۴) اہلیہ مولانا محمد الحسنی مرحوم

(۵) والدہ مرحومہ کی خالہ والدہ مولانا جعفر حسنی

(۶) مولانا سید محمد حمزہ حسنی

(۷) مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی

(۸) مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی)

(۹) مولانا سید عمار حسنی ندوی

محمود کو ملے۔ تاریخ درج نہیں

عزیزی محمود سلمہ

بہت بہت دعائیں

خدا کرے تم سب بعافیت ہو۔ تمہارا خط ملا، خوشی ہوئی، ایسے ہی جلدی جلدی اپنی خیریت لکھتے رہا کرو، دل لگا رہتا ہے، تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ اب تمہارا امتحان قریب ہے، امید ہے کہ تم خوب دل لگا کر پڑھ رہے ہوگے، کسی چیز میں گھبرانا نہیں، جس کتاب میں تم اپنے کو کمزور سمجھ رہے تھے امید ہے کہ اب تمہاری کمزوری دور ہوگئی ہوگی، خوب محنت کر جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو انشاء اللہ کامیابی ملے گی۔

آج کل تو تمہاری اماں جی اور ابا بھی وہیں ہیں ان سے ملنے جاتے ہوگے، مطالعہ خوب کیا کرو، خط کا مضمون بھی خوب اچھا لکھا کرو۔

بلال، (۱) عمیر (۲) کو دعا کہنا، اچھی امی، (۳) اما جی (۴) اور امابی (۵) کو سلام کہنا اور سب کو سلام کہنا، تمہارے بھائی بہن سلام کہتے ہیں، بریرہ (۶) اور ان کی ننھی منی بہن (۷) کو بہت دعائیں۔

اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھے نمبروں سے کامیاب کرے۔

تمہاری امی

---

(۱) مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

(۲) مولانا سید محمد عمیر حسینی ندوی

(۳) سیدہ رقیہ بی اہلیہ مرحومہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ جنہیں راقم اچھی امی کہتا تھا

(۴) دادی صاحبہ مرحومہ سیدہ حمیرا حسنی دختر مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی

(۵) سیدہ فاطمہ والدہ مرحومہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی جو کہ میرے والدین کی حقیقی خالہ تھیں

(۶) اہلیہ مولوی سید معاذ حسینی ندوی

(۷) سیدہ بتول حسنی اہلیہ مولوی محمد یوسف بن مولانا سید سلمان حسینی ندوی، اب خود ان کا ایک منا حسین اور ایک منی فاطمہ اور زینب ہے۔

محمود کو ملے۔ تاریخ درج نہیں

عزیزی محمود سلمہ

السلام علیکم

تمہارا خط ملا، بہت خوشی ہوئی، اسی طرح اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کرو، امید ہے کہ تمہاری پڑھائی اچھی چل رہی ہوگی، تمہارے جانے سے بہت تمہاری کمی محسوس ہوئی، تمہارے بہن بھائی بھی بہت تمھیں یاد کرتے ہیں۔

تم سے ہم نے کہا تھا کہ جانے کے بعد اماجی اور ابا کو بھی خط لکھنا، اور تم سلام بھی خصوصیت کے ساتھ نہیں لکھتے، سلام نام لے کر خصوصیت کے ساتھ لکھا کرو۔ ایک آدھ خط ضرور بھیجا کرو اپنے کھانے پینے کا بھی خیال رکھا کرو اور پڑھنے میں خوب دل لگاؤ، آج کل عائشہ(۱) کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، نزلہ وغیرہ ہے، موسم ایسے ہی چل رہا ہے، یہاں آنکھ خراب ہونے کی بھی ہوا چلی ہے، سب کو سلام کہنا اور اماجی دعا کہتی ہیں۔ بوا دعا کہتی ہیں تمہارے سب بھائی بہن سلام کہتے ہیں۔

تمہاری امی

محمود کو ملے۔ تاریخ درج نہیں

عزیزی محمود سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے تم سب بعافیت ہو۔ تمہارا خط ملا، خوشی ہوئی، مگر وہ تمہارا خط تم نے اپنے کام کے سلسلہ میں زیادہ لکھا ہے، اب تمہارے امتحان میں دو مہینے رہ گئے ہیں، امید ہے کہ تم اب دل لگا کر پڑھتے ہوگے، اب کی تم فرسٹ آنا، اور اگر کوشش کروگے تو کچھ مشکل نہیں، بلال کو اپنے سامنے رکھو، کہ کیسا کمزور ہے مگر محنت پڑھنے میں تم سے زیادہ کرتا

(۱) راقم کی بہن اہلیہ مولوی عبدالباری فاروقی پسر مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی مہتمم دارالمبلغین لکھنؤ

ہے، جب تم پوری حاضر دماغی کے ساتھ پڑھو گے جب ہی ان شاء اللہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی، یہ دو مہینہ تم چھوٹے ابا(۱) اور اچھے ابا(۲) سے ضرور پڑھ لیا کرو تو انشاء اللہ کچھ فائدہ ہوگا اور دوسری بات یہ ہے کہ جب تک تمہارا امتحان نہ ہو جائے اپنے دوستوں سے خط و کتابت کرنا چھوڑ دو، ہر طرف سے دلچسپی ہٹا کر بس پڑھائی میں دل لگاؤ اور تم کو ہم کتنا لکھ چکے ہیں کہ ابا(۳) کو ضرور خط بھیجا کرو، مگر تم نہیں لکھتے، ابا کو خط بھیجو اور دعا کے لیے لکھتے رہا کرو اور تمہاری دلہن ممی(۴) کہہ رہی ہیں کہ تم کبھی ان کو خط میں سلام نہیں لکھتے، ان کو سلام ضرور لکھا کرو اور وہاں سب کو سلام کہنا۔

تمہاری امی

محمود سلمہ کو ملے

عزیزی محمود سلمہ

بہت بہت دعائیں

امید ہے کہ تم سب بعافیت ہو گے، تمھارے دو خط ملے بہت خوشی ہوئی اسی طرح اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہا کرو دل لگا رہتا ہے اب سردی پڑنے لگی ہے بے احتیاطی نہ کرنا تمھارا کمبل تو بالکل ہلکا ہوگا اب انشاء اللہ تمھیں لحاف بھیج دیں گے تم نے اماجی کو خط بھیجا وہ ان کو ملا نہیں ایک خط ان کے نام اور بھیج دو امید ہے کہ تم دل لگا کر پڑھتے ہو گے رات میں ضرور دیر تک پڑھا کرو یہ ذہن نشیں رکھو کہ تم وہاں پڑھنے ہی کے لیے گئے ہو پڑھنے میں کوئی کوتاہی نہ کرنا اور اپنی صحت کا خیال رکھنا، صحت اچھی رہے گی جب ہی اچھی طرح پڑھ سکتے ہو

---

(۱) والدہ مرحومہ کے چھوٹے چچا مولانا سید محمد واضح رشید ندوی مدظلہ حال معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۲) بڑے چچا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ حال ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۳) دادا صاحب جناب الحاج سید محمد مسلم حسنی

(۴) اہلیہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی حال ناظر عام ندوۃ العلماء

الٹی سیدھی چیزیں نہ خرید کر کھانا اچھی چیزوں میں اپنا پیسہ خرچ کیا کرو، اچھے ابا(۱) اور چھوٹے ابا (۲) سے ضرور ملتے رہا کرو اور جو تمھارے سمجھ میں نہ آئے ان سے پوچھ لیا کرو اس سے تمھیں انشاء اللہ فائدہ ہوگا، علم حاصل کرنے میں کبھی نہ شرمانا ان سب کو سلام ودعا کہنا، مسعود، منصور، عائشہ، شامہ، شیما، سعدیہ، معاذ (۳) تمھیں سلام کہتے ہیں، وہاں سب کو سلام کہنا، خط لکھتے رہنا۔

خدا حافظ

تمہاری امی

تاریخ درج نہیں

دادی مرحومہ سیدہ امۃ العزیز کی شفقت

دادی صاحبہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ کی شفقتوں کا اندازہ ان کے اس خط سے کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے والدہ مرحومہ کی بیماری سے بے چین ہوکر انہیں اور ان کی ساس وخالہ صاحبہ کو لکھا، یہ دونوں خط بھی پیش ہیں۔

اپنی بھتیجی جو والدہ مرحومہ کی ساس تھیں کو خط میں لکھتی ہیں

(۱) نور چشمی حمیرا سلمہا، خدا کرے تم اچھی ہو، یہاں ہم لوگ اچھے ہیں ماشاء اللہ۔

"امامہ کی بیماری کو سن کر بے حد دل بے چین ہوا اللہ تعالی انہیں اچھا رکھے اور قوت وطاقت اپنے فضل وکرم سے عنایت فرمائے، سارا دل انہیں میں لگا ہے، وہ بہت لاپرواہ ہیں، ذرا آرام کی فکر نہیں کرتیں، فی الحال ڈاکٹر نے جو ہدایات دی ہیں انہیں پر

---

(۱) حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء)

(۲) حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء

اول الذکر چاروں بھائی بہن حقیقی ہیں اور موخر الذکر بہن بھائی پھوپھی صاحبہ دام ظلہا کی اولاد ہیں اور ماشاء اللہ سبھی صاحب اولاد ہیں، مسعود کی دو بچیاں امامہ اور لبابہ ہیں منصور کا بچہ یحیی تھا۔ عائشہ کے دو بچے علی اور سودہ ہیں، (۳) شامہ کے حسنین اور محمد ثانی ہیں شیما کی حمیراء اور سعدیہ کے حماد اور صفوان اور معاذ کی رقیہ، عاتکہ اور ایک منی صفیہ ہے۔ (م)

پورے طور پر عمل کرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ احتیاط کریں۔

زہرا، طاہرہ، حسین، احمد حسین (۱) کو دعائیں۔

حمیرا ہمیں پورا اندازہ ہے کہ تم کس قدر پریشان ہوئی ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی خوش کرے اور تمھیں بھی خوشی و مسرت عنایت فرمائے (آمین)   فقط

تمہاری پھوپھی جان

(۲)   نور چشمی امامہ سلمہا اللہ تعالیٰ تمھیں ہمیشہ بعافیت رکھے

تمھاری بیماری کو سن کر دل بہت پریشان ہوا اللہ تعالیٰ تمھیں قوت، طاقت، زندگی، سلامتی کے ساتھ عنایت فرمائے اور ہم سب سے خوشی خیریت کے ساتھ ملائے۔

تم جانتی ہو کہ ہمارا دل کتنا آنے کو چاہا ہوگا مگر تمہارے ابا جی (یعنی والدہ مرحومہ کے دادا سید رشید احمد حسنی مرحوم جو قوت سماعت نہیں رکھتے اور آخر میں بصارت پر بھی اثر پڑا تھا اور ضعف بڑھ گیا تھا) کو چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکتے۔ وہ ماشاء اللہ اب ٹھیک ہیں لیکن ہماری ضرورت پڑتی رہتی ہے، ہم بھی بفضلہٖ تعالیٰ اچھے ہیں، خدا کرے تم اب اچھی ہو، مگر دیکھو اب آرام کرنا اور زیادہ چلنا پھرنا نہیں، محمود سلمہ کیسا ہے، اس کو بہت بہت دعائیں، یہاں سب تمھیں پوچھتی اور دعا کہتی ہیں، تمھارے ابا جی دعا کہتے ہیں۔

تمہاری بوا (۲)

---

(۱) یہ پانچوں سیدہ حمیرا مرحومہ کی اولاد ہیں۔

(۲) والدہ مرحومہ کی دادی سیدہ امۃ العزیز بنت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی (۱۹۰۵ء ۱۳۲۳ھ) میں دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں پیدا ہوئیں، اعلیٰ صفات کی بڑی نیک دل خاتون تھیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ انہیں اپنے لئے بہ منزلۂ ماں کے سمجھتے تھے، ان بھائی بہنوں میں ایسی محبت تھی جس کی مثال دی جاسکتی ہے، اولاد پر بے حد شفیق و مہربان اور اعزہ و اقارب کے ساتھ بڑی صلہ رحمی کرنے والی اور حسن سلوک میں بہت آگے، اذان کے ساتھ نماز میں، اور نماز کے بعد دیر تک مناجات میں رہتیں، لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی عزت و منزلت تھی، ۱۴۱۶ھ میں رمضان المبارک کی تیئیسویں (۲۳) شب میں وفات پائی، تدفین کے بعد ان کے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے فرمایا کہ: ان کی مقبولیت کے کھلے آثار دیکھے، ۹۳ سال عمر پائی، سید محمود حسن مرحوم، مولانا سید محمد ثانی حسنی مرحوم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ ان کے صاحبزادگان ہیں۔

ذوق خدمت خلق

ذوق خدمت والدہ مرحومہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسا ودیعت فرمایا تھا کہ وہ اس میں دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتی تھیں، اور بڑی بشاشت کے ساتھ اس کی انجام دہی کرتیں، اس سے ان کو خوب دعائیں حاصل ہوئیں، تیمارداری بھی جس ذوق و شوق سے انہوں نے اپنے بڑوں کی کی، یہ انہی کا حصہ تھا، ایک ایک کا نام لینے کی ضرورت نہیں، ان کا اصل کمال اس میں یہ تھا کہ وہ اس کو اپنے اوپر بار محسوس نہیں کرتیں، اور اپنا حق سمجھ کر اس یقین کے ساتھ اس میں آگے بڑھتیں، جیسے اس کا پھل انہیں صاف نظر آرہا ہے، اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ تھا کہ جس کے ساتھ ان کو اس کا موقعہ نہ ملتا ان کے ساتھ بڑی خوش اخلاقی سے پیش آتیں، خاندان کی بعض بزرگ خواتین کی معذوریوں اور زمانہ علالت میں انہوں نے جس نیازمندی سے خدمت کی، ان میں مخدومہ خیر النساء بہتر، محترمہ امۃ اللہ تسنیمؒ، سیدہ طیب النساء اہلیہ مرحومہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور خود ان کی دادی مرحومہ محترمہ سیدہ امۃ العزیز صاحبہ اور والدہ مرحومہ، ساس مرحومہ، اور خالائیں اور بعض بہنیں بھی ہیں، والد چچاؤں اور گھر کے دوسرے افراد کی خدمت کے جو لائق طریقے ہوتے تھے وہ اختیار کرکے ہر ایک کی دعاؤں کا حظ وافر حاصل کیا، خاندان میں یا اہل تعلق میں جو بیمار ہوتا، اس کی مزاج پرسی کرتیں، اور اپنی اولاد کو بھی تاکید کرتیں، وہ بھی مزاج پرسی کیا کریں کہ اللہ نے اس میں بڑا اجر وثواب رکھا ہے، ایمان واحتساب جو عمل کی روح ہے، اس کے استحضار کے ساتھ اس کا شوق دلاتیں، اور ترغیب دیتیں، مرحومہ کے عم بزرگوار مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ نے خدمت خلق کے ان کے دائرے کو اس طرح کھینچا ہے۔

تیمارداری کا جذبہ، دادی اور والدہ کی علالت میں ان کی خدمت، خاندان میں کوئی ضرورت مند یا علیل ہوتو اس کی فکر، والد کے انتقال کے بعد اپنے چچاؤں کی اسی طرح خدمت اور محبت کا سلوک جیسے والد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اولاد کی دینی تربیت کی فکر، اور غلط بات پر تنبیہ اور ناگواری کا اظہار، شوہر کی خدمت اور اطاعت میں مثالی کردار، اور تحمل صبر اور شکر کا مظاہرہ۔(۱)

اوصاف وخصوصیات

حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ کو اللہ نے گوناگوں صفات ومحاسن عطا فرمائے تھے۔ جن سے وہ محبوب اور دلآویز شخصیت بن گئے تھے، دادامیاں ڈاکٹر سید حسن مثنی حسنی جنہیں ان کا حق جوار وحق قرابت دونوں حاصل تھا، ان کے اخلاق ومحبت، سلوک ودینداری اور دوسری دینی ومعاشرتی خوبیوں کی بڑی تعریف کرتے اور ان کو یاد کرکے آبدیدہ ہوجاتے، ان کی اہلیہ دادی بی مرحومہ سیدہ رضیہ حسنی کا بھی یہی حال تھا، وہ مزید یہ فرماتیں کہ ان کا پورا اثر امامہ میں آیا ہے، وہ بالکل محمد ثانی ہیں، خاندان کے دوسرے افراد اور اہل تعلق بھی ایسا محسوس کرتے، اور سب سے بڑھ کر مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہ احساس تھا کہ طبیعت ومزاج میں یہ ان سے بہت قریب ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اپنی ان برادرزادی کے نمایاں اوصاف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

”ان کی طبیعت کی نرمی، چھوٹوں کے ساتھ شفقت، بڑوں کا احترام، خود تکلیف اٹھانا اور دوسروں کو تکلیف سے بچانا، سب سے خوش اخلاقی سے پیش آنا، دوسروں کے درد کو اپنا درد سمجھنا، اصلاح ونصیحت کی حامل کتابوں کا مطالعہ، سیرت واخلاق کی خوبی اور اسی کے مطابق اپنے چھوٹوں کو نصیحت ان کی خصوصیات میں شامل تھیں، ان کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی پیدا فرمائی تھی، کہ وہ اپنے بڑوں کی فرمانبردار، چھوٹوں کے ساتھ شفیق، اعزہ اور اہل تعلق کے حقوق کا پورا خیال رکھنے والی اور غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ ہمدردی کرنے والی اور رائج الوقت برائیوں اور غیر سنجیدہ رجحانات سے پرہیز کرنے والی تھیں“۔(۲)

---

(۱) ملاحظہ ہو اقوال سلف جلد ششم ص ۴۰۷، از مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی

(۲) (بحوالہ سابق ص ۴۰۸۔ یادوں کے چراغ حصہ اول تذکرہ امامہ حسنی

اہلیہ محترمہ مولانا عبدالعلیم فاروقی جن کا ان کے ساتھ خاصا وقت گذرا اور بعض معاملات بھی پڑے، وہ لکھتی ہیں:

"کہتے ہیں کہ پھلوں سے بھری ڈالی ہمیشہ نیچے جھکتی ہے مرحومہ سیدہ امامہ حسنی اس کہاوت کی جیتی جاگتی تصویر تھیں اپنے حسن اخلاق سے انہوں نے پورے خاندان کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا، ان کے گھر جانے والا کوئی بھی ہو، اپنا ہو یا پرایا، چھوٹا ہو یا بڑا، ان سے مل کر ان کے گھر سے خوش ہو کر لوٹتا، تصنع اور تکلف سے بہت دور تھیں، اپنے بڑوں سے بات چیت کا انداز جدا، ہم عمروں میں رہنے سہنے کا طریقہ مختلف اور چھوٹوں سے ہم کلام ہونے کا انداز نرالا، اور اچھوتا ہوتا، عزیزوں کی تواضع خاطر داری میں ہمیشہ کشادہ دلی رہتی اور خیر خیرات میں آگے رہتیں"۔(۱)

والدہ مرحومہ کے اندر قرابت داروں کا پاس ولحاظ اور صلہ رحمی کا بڑا خیال تھا، اور والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور تعلق والوں کے ساتھ تعلقات کی استواری کی بھی فکر رہتی، وہ لوگ بھی ان کا خیال رکھتے تھے، حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں راقم کی ان کے مستقر پر باندہ میں حاضری ہوئی، حضرت الگ کمرہ میں لے گئے اور ایک مٹھائی کا ڈبہ دیا اور فرمایا کہ اپنی والدہ کو دے دینا، حضرت کی بڑی صاحبزادی (والدہ مولوی سید غفران ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) شہر رائے بریلی میں رہتی ہیں ان سے والدہ صاحبہ اور ان کو والدہ صاحبہ سے بڑا لگاؤ رہا، حضرت مولانا سید محمد مرتضی صاحب بھی حضرت مولانا محمد ثانی صاحب کے بڑے دوستوں میں تھے، وہ جب رائے بریلی آتے، والدہ صاحبہ اور ان کے بچوں کے لئے کچھ نہ کچھ تحفوں کی شکل میں ضرور لاتے، اور بچوں پر بڑی شفقت فرماتے، والدہ صاحبہ بھی ان کا بڑا خیال رکھتیں، اور ہم لوگوں کو ان کا خیال رکھنے کو فرماتیں۔

(۱) ملاحظہ ہو ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد)

اپنے والد کے بھائیوں اور والدہ کے بھائی اور بہنوں ان سب کا بڑا خیال رکھتیں اور ان کا اور ان کی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کی ہم لوگوں کو تاکید فرماتیں، اپنی عم زاد بہنوں کے تعلق سے حسن سلوک کی بھی وصیت کی اور فرمایا: ہمارا جو حق تم لوگ اپنے اوپر سمجھتے ہو، ویسے ان کا بھی حق سمجھنا، یہ بہنیں خالہ زاد بہنیں بھی تھیں، باقی ان کی دوسری خالہ زاد بہنیں ہم لوگوں کی پھوپھیاں اور چچی تھیں، اس رشتہ سے ان لوگوں کے ساتھ، اور چچا اور ماموں کے ساتھ حسن سلوک کی بھی تاکید کرتیں اور دوسرے اعزہ کے ساتھ بھی ان کے حسب مراتب خیال رکھنے کی تاکید فرماتیں، ان کی ہم عمر قریبی رشتہ کی بہن خالہ جان حفصہ (۱) بیمار تھیں، ہم سے فرماتیں ان کی مزاج پرسی کیا کرو، آکے بیٹھا کرو، عیادت اور صلہ رحمی دونوں کا ثواب ملے گا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی خدمت میں کچھ ہدیہ وتحفہ پیش کرنا بھی ان کا معمول تھا وہ ان کے شیخ بھی تھے اور دادی کی طرف سے دادا نانا کی طرف سے نانا تھے، دین کے معاملہ میں وہ غفلت کا شکار نہ ہوتیں اور ذرا سی بات بھی خلاف شریعت ہم لوگوں میں محسوس کرتیں، تو سخت تنبیہ کرتیں اور کہتیں، ہم اس لئے کہتے ہیں کہ تم لوگ جہنم سے بچو۔

مختصر حالات زندگی

والدہ ماجدہ مرحومہ سیدہ امامہ حسنیؒ نے ایک ممتاز علمی دینی گھرانہ میں تربیت پائی تھی یہ وہ وقت تھا جب مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ (والدہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) خاندان کی سرپرستی فرمارہی تھیں (۲)۔ دوسری طرف ان کی بلند پایہ صاحبزادیاں

---

(۱) مولانا سید ابوبکر حسنیؒ کی صاحبزادی اور مولانا سید محمد خالد حسنی کی اہلیہ۔ والدہ مرحومہ کی زندگی ہی میں وفات پاگئیں ان سے قدیم رفاقت اور انس کی وجہ سے والدہ پر بڑا اثر پڑا تھا، خالہ مرحومہ کا قیام دہلی میں رہا کرتا تھا لیکن علالت کے آخری ایام رائے بریلی میں گذرے اور لکھنؤ میں وفات پائی اور تدفین رائے بریلی میں مولانا ابوبکر حسنیؒ کے پہلو میں تکیہ کلاں میں ہوئی۔ ایک صاحبزادی سیدہ سمیہ ہیں۔ جو مولانا بلال حسنی کو منسوب ہیں۔

(۱) ان کی قابل رشک زندگی سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ''ذکر خیر'' (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب جو مکتبہ اسلام امین آباد لکھنؤ سے شائع ہوتی ہے) کا مطالعہ کافی ہوگا۔

سیدہ امۃ العزیز صاحبہ اور سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ تعلیم وتربیت کا کام کرتیں ادھران دونوں کے عالی مقام بھائی مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء، وحضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہما اللہ تعلیم وتربیت کی فکر کرتے اور نئی نسل کو ایک ممتاز دینی وایمانی نسل کے بنانے کے لیے کوشاں رہتے، نصیحتیں کرتے اور مناسب باتوں کی طرف توجہ دلاتے ان کے بعد کی نسل (جس میں مولانا ڈاکٹر عبدالعلی حسنی کی صاحبزادیاں اور صاحبزادے اور سیدہ امۃ العزیز مرحومہ کے صاحبزادگان تھے) خالص دینی مزاج کے حامل اور علم وعمل سے آراستہ تھی ان کے دامن تربیت سے جو لوگ وابستہ ہوئے ان میں والدہ صاحبہ نے نمایاں مقام حاصل کیا، علم حاصل کیا اور اسلامی صفات سے اپنے آپ کو آراستہ کیا، قلم کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا کام بھی انجام دینے کی کوشش کی، مخدومہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی ان پر خاص نظر عنایت تھی، والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ ان کی ایک لمحہ کی جدائیگی بھی ہم پر شاق گزرتی تھی، جب ۱۹۵۶ء میں خواتین کا رسالہ ماہنامہ رضوان لکھنو سے نکلنا شروع ہوا تو سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ اس کی معاون مدیر ہوئیں، انہوں نے اس میں مضامین لکھنے شروع کئے انہوں نے دوسروں کو بھی اس طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ والدہ صاحبہ نے بھی مضامین لکھنے شروع کیے، ان کے لیے اس میں ایک محرک اور تھا وہ یہ کہ ان کے والد حضرت مولانا محمد ثانی حسنی اس کے مدیر تھے، ان کی خصوصی توجہ بھی رہتی اسطرح گیارا سال کی عمر سے ان کے مضامین اس میں شائع ہونے لگے۔ ۱۹۴۷ء کی ان کی پیدائش ہے ۱۹۵۸ء میں پہلا مضمون شائع ہوا پھر ان کے متعدد مضامین شائع ہوئے۔ سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی وفات پر ''عائشہ بی:'' کے نام سے ایک موثر ومفید مضمون لکھا، ان کا انتقال جنوری ۱۹۷۶ء میں ہوا تھا اس کے بعد ان کی جگہ پر وہ اور ان کی بہن خالہ معظمہ سیدہ میمونہ حسنی شریک ادارت ہوگئیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تجویز کو اس میں دخل تھا، اللہ تعالیٰ نے والدہ صاحبہ کو جو دردمند دل اور صحیح دینی شعور اور فکر عطا کیا تھا اس سے انہوں

نے دوسروں کو دین سے جوڑنے اور اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت میں مدد لی اور ان کو نرم خوئی، صلح جوئی، دلداری خیر خواہی اور محبت وشفقت اور سخاوت وقناعت کی جو صفات عطا ہوئی تھیں ان کی وجہ سے ان کو بڑی ہردلعزیزی بھی ملی وہ اللہ سے تعلق جوڑنے والے کاموں میں آگے بڑھنے اور سبقت لے جانے والی خاتون تھیں، حقوق اللہ کے فکر وخیال کے ساتھ بندگان خدا کی رعایت کرنے اور ان کے حقوق کے خیال کرنے کی طرف خصوصی توجہ دلاتیں، دوسرے کو تکلیف میں دیکھ کر وہ اس طرح پریشان وفکر مند ہوجاتیں کہ جیسے یہ تکلیف خود ان کی ہے اور وہ واقعۃً تکلیف محسوس کرتیں، خدمت گزاری خاص ان کا شغف تھا دعاؤں کا ان کی زندگی میں خوب اہتمام رہا، جس میں کیفیات بھی طاری ہوتیں وہ دعائیں مانگتیں تو پورے یقین کے ساتھ مانگتیں اور مایوس نہ ہوتیں۔ ان کو زندگی میں مختلف صدمات سے گزرنا ہوا جس میں ان کے افراد خاندان بھی شریک تھے، نانا مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی (م ۱۹۶۱ء) کا جب سانحۂ وفات پیش آیا تو ان کی عمر چودہ سال اور نانی سیدہ زہریٰ بی بنت مولانا سید ابوالقاسم حسینی (م ۱۹۵۷ء) کا انتقال جب ہوا تو ان کی عمر دس سال کی تھی۔

پرنانی سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ نے جب وفات پائی تو آپ کی عمر ۲۱ سال تھی دادا سید رشید احمد حسنی صاحب ۱۹۷۵ء میں اور پھر آپ کی سب سے چہیتی شخصیت سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ نے ۱۹۷۶ء میں وفات پائی، ۱۹۷۹ء میں آپ کے ماموں جان مولانا سید محمد الحسنی نے اور ۱۹۸۲ء میں والد ماجد مولانا سید محمد ثانی حسنی نے، ۱۹۸۹ء سیدہ طیب النساء صاحبہ اہلیہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ۱۹۹۳ء میں ممانی صاحبہ اہلیہ محترمہ مولانا سید محمد الحسنی نے ۱۹۹۴ء میں خالہ معظمہ جو ساس بھی تھیں سیدہ حمیرا بنت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی نے ۱۹۹۶ء میں اہلیہ محترمہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ جو آپ کی خالہ اور چچی بھی تھیں اور چند ہی دن کے بعد محبوب ترین دادی سیدہ امۃ العزیز صاحبہ نے وفات پائی، اور جب وہ جان جان آفریں کو سپرد کررہی تھیں تو ان کا سر اپنی انہی پوتی کے گود میں تھا، اور

زبان پر اللہ اللہ جاری تھا، ۱۹۹۸ء میں دوسری خالہ صاحبہ سیدہ فاطمہ (والدہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی) نے وفات پائی اور پھر ۳ راگست ۱۹۹۹ء کو والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ حسنی نے داغ مفارقت دیا، عجیب اتفاق کہ ان کا سر بھی آپ ہی کی گود میں تھا، اور یٰسین شریف اور کلمہ کی تلقین کا عمل جاری تھا،، یہ ایسا صدمہ تھا جس نے آپ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور دل ودماغ اور اعصاب پر سخت اثر ڈالا،، چند ہی مہینے گذرے تھے ماہ رمضان المبارک آگیا اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اپنی علالت کی وجہ سے یہ ایام رائے بریلی کے بجائے معمول کے خلاف لکھنؤ میں گذار رہے تھے اور کچھ افراد خاندان تکیہ کلاں رائے بریلی میں اور کچھ لکھنؤ میں تھے، جس کا اہل خاندان بالخصوص خواتین پر بڑا اثر تھا، حضرت ابا جان نور اللہ مرقدہ (حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے پہلے ابا جان والدہ مرحومہ ہی نے کہا کہ وہ ان کی دادی اور نانا کے بھائی تھے) آخری عشرہ گذارنے کے لئے رائے بریلی تشریف لائے لیکن دو ہی دن گذرے تھے کہ آپ کا بھی سانحہ ارتحال یکا یک جمعہ کے دن جمعہ کی تیاری کے بعد پیش آگیا کون تھا جو متاثر نہ ہوا ہو، پورا عالم اسلام غمزدہ تھا، گھر کی خواتین بالخصوص آپ کے اعصاب بالکل جواب دے بیٹھے تھے اور کوئی دوسرا صدمہ سہنے کی صحت بالکل متحمل نہ تھی اور جو آکسیجن حضرت مولانا کے لئے رکھا گیا تھا وہ ان کے بجائے آپ کے کام آیا، اس کا انتظام حضرت کے معالج ڈاکٹر عبدالمعبود صاحب (مالک گرین کراس لکھنو) نے کیا تھا اسی روز صبح لکھنؤ سے لے آئے تھے، پھر قریبی قرابت داروں میں، ماموں مولانا سید ابوبکر حسنی، خالو مولانا سید محمد طاہر منصور پوری اور بہن سیدہ حفصہ حسنی، خالہ سیدہ رضیہ حسنی اور آخر میں خالاؤں اور چچیوں میں سب سے چھوٹی لیکن بڑی چاہنے والی سیدہ سکینہ حسنی بنت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی (اہلیہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی) نے بھی وفات پائی، چند ہی دن میں آپ کا سفر حج تھا وہاں حاضر ہو کر دعاؤں کے ذریعہ تسلی حاصل کی اور ان تمام صدمات کا مداوا کیا۔

زندگی کا آخری سال اور حج بیت اللہ کی سعادت:

ان کی زندگی کا آخری سال ۱۵ ؍شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ سے ۱۴ ؍شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ کا ہے جو یہاں کی شب برأت سے شروع ہوتا ہے اور جب وہ آخری سانسیں لے رہی ہوتی ہیں تو حرمین شریفین میں اس مبارک رات کے لمحات شروع ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس شب برأت میں انہوں نے تسبیح و مناجات نماز و دعا اور تلاوت کے لمحات گزارے تھے آج ان کے لیے لوگ اس میں مشغول تھے حرمین شریفین میں اسی وقت خبر پہونچ گئی تھی معلوم ہوا کہ سنتے ہی اہل تعلق طواف، دعا، تلاوت میں مشغول ہو گئے جو اہل تعلق مشغول تھے انہیں معلوم ہوا تو ان کی نیت سے کرنے لگے۔

شعبان المعظم کے آخر کے دو ہفتے رمضان المبارک کی تیاری اور پھر حج کی تیاری میں گزارے، حج جس کے لیے وہ برسوں سے بے چین تھیں، اس کا انہیں ایسا شوق تھا جس کے لیے ذرا بھی دیر انہیں بڑی شاق گزر رہی تھی۔ تین سال پہلے اپنے فرزند کو اس مقدس رکن کی ادائیگی اور دیار حبیب ﷺ میں حاضری کے لیے پہلے سے بھیج دیا تھا۔ اب والدہ صاحبہ کی باری والد صاحب (اطال اللہ بقاءہ) کے ساتھ حاضر ہونے کی تھی وہاں حاضری کا شوق بڑھانے والی کتابیں مناسک حج کی ادائیگی کے متعلق واقفیت بڑھانے والی کتابیں مطالعہ میں رکھتیں ، رمضان المبارک میں وہ روزہ نماز تلاوت و دعا اور تسبیح و مناجات میں مشغولی کے ساتھ ایک شغل کا اور اضافہ کر لیتی تھیں وہ یہ تھا کہ میری ایک بہن حافظ قرآن ہے اس کا قرآن مجید سننا اور اس کی فکر کرنا کہ انہیں خوب اچھا یاد رہے اس کے لیے خود وہ محنت کرتیں جو ایک حافظ قرآن رمضان المبارک میں کرتا ہے۔ رمضان میں تراویح کے علاوہ تہجد میں بھی ان سے سنتیں، شب قدر میں کہ اعتکاف کا زمانہ تھا میں نے ان کی اجازت سے اعتکاف کیا، عید آئی کیا معلوم تھا کہ یہ ان کی آخری عید الفطر ہوگی، ہم سب بھائیوں کو اچھے لباس میں نماز عید کے لیے روانہ کیا، عید الاضحیٰ تو ان کی منیٰ (مکہ مکرمہ) میں ہونی تھی، شوال اور ذی القعدہ کا مہینہ تو ایک

حاجہ کے لیے بس حج کی تیاری کا ہوتا ہے، دیکھتے دیکھتے وہ دن بھی آئے اور گزر گئے ندوۃ العلماء کے احاطہ سے حجاج کرام روانہ کئے جا رہے تھے، ان کی روانگی کا دن وہ مبارک دن تھا جس دن نماز جمعہ کی ادائیگی بھی ندوۃ العلماء میں معمول سے ہٹ کر زیادہ بڑے مجمع کو کرنی تھی جن میں حجاج کرام بھی تھے اور ان کو رخصت کرنے کے لیے آنے والے حضرات بھی، والدین ماجدین کو الوداع کہنے کے لیے بڑے شوق اور وارفتگی سے اعزہ واقارب آئے اور دیر تک رہے اس وقت تک رہے جب تک ان کی بس ندوہ سے ایئرپورٹ روانہ نہ ہوگئی۔ بار بار دعا کے لئے کہنا صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی درخواست کرنا، ایسا انداز تھا جو آنکھوں کو نمناک کرنے کے لیے کافی تھا، مولوی توحید عالم ندوی نے ان کے والد کا ان کے چچا مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے نام جب وہ سفر حج پر تھے منظوم خط سنایا تو ایک سماں بندھ گیا، عم مکرم ڈاکٹر سید احمد الحسنی صاحب کہتے ہیں جذبات پر قابو پانا مشکل ہوگیا جی چاہا اسی وقت حج پر چلے جائیں ''بس'' روانہ ہونے سے پہلے ان کے عم معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب قریب آگئے اور ان کی دعا کے بعد بس روانہ ہوئی اب رابطہ کی ایک شکل تھی وہ فون کے ذریعہ تھی، خوب فون کئے گئے، یہ بھی لوگوں میں ان کی مقبولیت کی ایک الگ صورت تھی، حج مبرور عورتوں کے جہاد کا بھی درجہ رکھتا ہے، ہمارا اس وقت بھی رابطہ ہوا جب وہ میدان عرفات میں داخل ہی ہوئیں تھیں یہ ان کا نصیب تھا کہ ان کی سواری مسجد نمرہ کے پاس رکی، انہوں نے اپنے رب کے عشق ومحبت میں ڈوب کر ارکان حج ادا کیے اور محبت رسول ﷺ میں شرسار ہوکر دیار حبیب میں حاضری دی، چالیس نمازیں مدینہ پاک میں مسجد نبوی شریف میں مکمل ادا کیں۔ مکہ مکرمہ ومدینہ طیبہ کے اہل تعلق نے بڑا خیال رکھا۔ کس کس کا نام لیں، کسی ایک کا بھی چھوٹ جائے گا تو ناانصافی ہوگی، وطن واپسی ہوئی محرم الحرام ۱۴۲۶ھ کا آغاز ہوچکا تھا۔ استقبال کے لیے ایسے ہی لوگ پہونچے جیسے الوداع کہنے گئے تھے ایئرپورٹ پر ہی ایک طرف عورتوں میں انہوں نے اور مردوں میں والد صاحب نے دعا کرائی اور ہم سب نے آمین کہا۔

زمزم اور کھجور اپنے ساتھ لائیں اہل تعلق واہل وطن کو اس سے محظوظ کیا، قریبی اعزہ واقارب کے لیے مصلی (جانماز) بھی ساتھ کیا۔ ادھر ادھر کا سامان لانے سے گریز کیا تھا، بچوں کے لیے ان کے مطلب کی کچھ چیزیں بھی ساتھ لیں اور اس کا بڑا خیال رہا کہ کسی بچے کا دل نہ ٹوٹنے پائے۔ عاشورہ محرم آ گیا اس میں روزہ رکھنے کا بھی اہتمام کیا، جس روزہ کی فضیلت اور اس کا بڑا اجر وثواب ثابت ہے۔ صفر کے مہینہ میں اپنی چھوٹی بیٹی کی شادی کی ادھر والد صاحب کی طبیعت خراب چل رہی تھی جس کا تسلسل سفر حج سے ہی تھا ان کی تیمارداری اور خدمت گزاری بھی جاری تھی۔ ماہ ربیع الاول آ گیا ان کے عم معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی آنکھ کا اچانک آپریشن طے ہوا، آپریشن کے بعد ۲۰/۲۵ دن احتیاط کے ایک جگہ رہ کر انہیں گزارنے تھے وہ انہوں نے اپنی بھتیجی کے یہاں گزارے۔ یہ ان کے لیے خوشی کے بہترین لمحات تھے اپنے لئے بڑی سعادت سمجھ کر ان کے اور ان کے مہمانوں کے آرام کا ایسا خیال رکھتیں، کہ اس میں وہ اپنی تکلیف اور بیماری کو بھول ہی گئی تھیں۔ میری مشغولیت رائے بریلی میں ہے، مگر اس موقع پر ہمیں بھی والدہ صاحبہ کی خدمت میں کچھ وقت گزارنے کا اتنا موقع ملا کہ پھر یہ موقع اس مقدار میں نہ مل سکا، ایک دو ماہ کے بعد دادا جناب سید محمد مسلم حسنی صاحب بھی آئے، اور انہوں نے یہاں ایک ہفتہ قیام کیا۔ یہ بھی والدہ صاحبہ کے لیے بڑی خوشی کا موقع تھا۔ گرمی کی چھٹیوں میں اعزہ واقارب جمع ہوئے۔ اس طرح ۲۰/۲۵ دن خوشی کے ایک ساتھ گزارنے کا موقع ملا، سفر حج سے واپسی کے بعد ضیافت وخدمت بھی خوب کی جس کا انہیں بڑا شوق تھا، جنہوں نے حج میں ان کے ساتھ سلوک کیا، ان میں سے جن کا آنا ہوا ان کو انہوں نے اپنا ہی مہمان بنانے کی کوشش کی، یوں بھی والد صاحب کے اپنا ذاتی مکان بنا لینے کے بعد سے والدہ صاحبہ کی یہ بھی کوشش ہوتی، کہ ان کے تعلق والے آئیں تو انہی کے مہمان بنیں، دینی معلومات بڑھانے کا شوق بھی ان میں ادھر بڑھ گیا تھا، چھوٹے بیٹے برادر عزیز مولوی منصور حسن سلمہ عالمیت کے

آخری سال میں تھے جو حدیث کی کتابوں کا سال ہوتا ہے۔ترمذی شریف وغیرہ پڑھ رہے تھے وہ تقاضا کرتیں ذرا آواز سے پڑھو کہ ہم بھی سنیں وہ سنتیں اور سمجھنے کی کوشش کرتیں اس کے علاوہ حدیث کی مشہور کتاب ریاض الصالحین کا ترجمہ زادسفران کے مطالعہ میں پہلے سے رہا کرتا تھا سیرت کی کتابوں کے مطالعہ کا بھی انہیں شوق تھا وہ ان سے واقفیت حاصل کر کے عمل میں لانے کی کوشش کرتی تھیں۔اس طرح ان کا یہ سال،حج کا سال،طلب علم کا سال، خدمت گزاری،مہمان نوازی کا سال،اور اپنی اہم ذمہ داریوں کی ادائیگی کا سال تھا۔

علالت ووفات

دنیا کی فنائیت،زندگی کی بے ثباتی،موت ومابعدالموت کا خیال بڑھ جانا اور اس کے نتیجہ میں ذکر وتسبیح،دعا ومناجات کی طرف خصوصی رغبت کا پیدا ہونا اور اس کے لیے یکسوئی کے لمحات تلاش کرنا یہ ''خاصہ خاصان خدا'' رہا ہے،والدہ صاحبہ کا حال کچھ ایسا ہی ہو چلا تھا،وہ اپنی عمر کو زیادہ نہیں دیکھ رہی تھیں ان کی اس بات کو لوگ اختلاج پر محمول کر رہے تھے،پتہ کی پتھری اور مزید اس سے متصل نلی میں پتھری سے وہ خائف تھیں،جدید علاج میں نلکی میں پتھری توڑ کے نکال لی جاتی ہے۔یہ طریقہ علاج اختیار کیے جانے کی بات طے ہوئی،ایک پرائیوٹ اسپتال میں اس پر عمل درآمد ہوا جو مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوا ،اندر زیادہ زور پڑ گیا اور اندر کی کوئی رگ پھٹ گئی،ڈاکٹروں کا آج کا یہ اصول بن گیا ہے کہ زیادہ کیس لے لیتے ہیں پھر توجہ نہیں کر پاتے،لاپرواہی اور بے توجہی کے ۲۴ رگھنٹے گزر گئے،آخر تھک ہار کے سنجے گاندھی انسٹی ٹیوٹ ریفر کیا وہاں کے معالجین بھی اپنے کو بے بس پاتے رہے،ڈھائی دن وہاں گزرے پھر وقت موعود آگیا،انا للّٰہ وانا الیہ راجعون للّٰہ مااخذ ولہ مااعطی و کل شیء عندہ بِاَجَلٍ مُسَمّیً

علالت کا وقت مختصر رہا مگر ان پر اللہ کا بڑا فضل رہا کہ وہ شدت علالت اور کرب کے

باوجود اپنے مالک حقیقی کی طرف متوجہ رہیں۔گھر مال، اولاد کی طرف نگاہ نہیں رہی، شدید درد تھا، نیند کے انجکشن دیے جارہے تھے ذرا ہوش میں آتیں تو نماز کو کہتیں، زبان پانی نہ پہونچنے کی وجہ سے خشک ہورہی تھی، مگر اسے وہ اللہ کے ذکر سے تر رکھے ہوئے تھیں، ورد زبان اللہ اللہ تھا، بیچ بیچ میں استغفار بھی کرتی جاتیں اور درود شریف بھی، اپنے عم معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو دیکھا تو کہا دعا کیجیے گا کہ خاتمہ ایمان پر ہو آخر میں والد صاحب سے کہا کہ دیکھیے جو کچھ ہے وہ اللہ کے بس اور اختیار میں ہے کسی کے بس اور اختیار میں کچھ نہیں، پھر کہا لوگ ہیں کچھ پڑھ وڑھ رہے نہیں ہم خود پڑھتے ہیں یہ کہہ کر خود ہی یاسین شریف شروع کردی ان کا حال اب یہ ہوگیا تھا کہ اولاد اور بھائی بہنوں کی محبت کو اللہ کی محبت و تعلق میں حائل نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں کہ ایک آدھ کا ہم نے تذکرہ کیا کہ ان کو بلائیں، منع کردیا اور میرے لئے بھی ان کا اسی طرح اشارہ تھا ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

معاملہ یہ تھا مرض بڑھتا ہی گیا جوں جوں دوا کی" کوما (coma) میں چلے جانے کے بعد آخری طریقہ علاج بھی .i.c.u میں رکھ کر کرایا گیا۔.I.C.U میں دیکھنے کے لیے آنے جانے والوں پر خواہ وہ قریبی اعزہ ہوں روک لگائی جاتی ہے مگر ان کے ساتھ یہ خصوصی فضل رہا کہ ان کے قریبی اعزہ ان پر آ آ کر دم کرتے رہے اور پڑھتے رہے خوب قرآن پڑھا گیا۔عیادت کے لیے اہل تعلق دور دور سے آتے جاتے رہے، ڈاکٹر عبدالمعبود خاں صاحب، ڈاکٹر نظر احمد صاحب، ڈاکٹر شمسی صاحب نے ڈاکٹروں کو توجہ دلانے کے لیے آنے کی زحمت کی، آخری دن اتوار کا دن تھا آخری شب دوشنبہ کی شب تھی، صبح دس بجے سے رات دس بجے تک برابر گھر کا کوئی نہ کوئی فرد قریب بیٹھ کر تلاوت کرتا رہا یا دوسرے اذکار و اوراد پر عمل کرتا رہا خال محترم مولانا بلال حسنی صاحب تین چار بار وقفہ وقفہ سے بیٹھے، مولانا جعفر صاحب، مولانا عمار حسنی صاحب، مولانا عبداللہ حسنی صاحب، اور برادران عزیز مولوی مسعود حسنی، مولوی منصور حسنی، مولوی زبیر حسینی، مولوی عبدالباری فاروقی، مولوی

معاذ حسینی، مولوی عمیر حسینی، مولوی اصطفاء الحسن ندوی حافظ عبدالمالک وغیرہ بھی پڑھتے پڑھاتے رہے، مولانا واضح رشید حسنی صاحب مدظلہ (والدہ صاحبہ کے چچا) اور مولانا حمزہ حسنی صاحب کے لیے تھوڑی دیر رکنا بھی برداشت سے باہر تھا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب تقریبا ایک گھنٹہ یا اس سے زائد وقت تک بیٹھے تلاوت وذکر میں مشغول رہے، اور جب روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والی تھی تو راقم کے بہنوئی مولوی حافظ عبدالباری پسر مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی تلاوت سورہ یاسین میں مشغول تھے، کوئی نماز میں مشغول تھا، مشکل گھڑی میں نماز بہت کام آتی ہے، ارشاد ربانی ہے "استعینوا بالصبر والصلاۃ" کہ نماز اور صبر کے ذریعہ اللہ سے مدد چاہو، دعائیں جاری تھیں کہ اللہ خیریت عافیت سلامتی اور خصوصی فضل کا معاملہ فرمائے وہ فضل جو اس کا اپنے مُنعَمْ عَلَیْہِمْ بندوں پر رہا ہے، سکینت ورحمت نورانیت کا جھونکا محسوس ہوا، معلوم ہوا کہ روح پرواز کرگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون، حرم شریف (مکہ مکرمہ اسی وقت اطلاع ہوگئی، وہاں شب برأت تھی، ڈاکٹر خلیل الدین شجاع الدین صاحب (حرم کلینک مسجد حرام مکہ مکرمہ) نے کہا کہ یہاں حرم بھرا ہوا ہے، مبارک رات ہے ہم لوگ ان کے لیے دعا طواف وغیرہ کا عمل کررہے ہیں اور ہم اہل تعلق یہاں حرم شریف میں نماز جنازہ غائبانہ بھی ادا کریں گے اور کچھ اہل تعلق کو جمع کرکے انہوں نے ایسا کیا، مسجد نبوی سے بھائی عبدالرشید حیدرآبادی کا فون آیا اور بھی اہل تعلق کے اسی وقت فون آگئے، رات کو سوا دس بجے انتقال ہوا اسپتال کی ضروری کاروائی کے بعد رات ہی رات جنازہ رائے بریلی پہونچا دیا گیا غسل حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی کی بڑی صاحبزادی صاحبہ (والدہ معظمہ عزیز گرامی مولوی سید غفران ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کی نگرانی میں دیا گیا گھر کی خواتین ان کی معاون تھیں، قبر میں اترنے والوں میں ان کے صاحبزادگان تھے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب نے سب سے پہلے مٹی دی اور آخر تک وہاں

رہے، اہل تعلق بڑی تعداد میں نماز جنازہ میں شرکت کے لیے آئے، تعزیتی فون کثرت سے آئے، دعا اور ایصال ثواب کی خوب اطلاعات موصول ہوئیں، اچھے خواب لوگوں کو نظر آئے، کسی نے خوشنما لباس میں خوبصورت باغیچہ میں دیکھا کسی نے ان سے یہ خوشخبری سنی کہ دوہری شہادت ملی، کسی نے دوبارہ حج کے سفر میں دیکھا، کسی نے یہ خوشخبری ان کی زبانی سنی، ''اللہ نے جنت میں داخل کردیا'' راقم سطور کو اس کا ملال تھا کہ کاش کوئی وصیت کرجاتیں، بالآخر چند ہی دن میں ان کو اس حال میں دیکھا کہ وہ اسے نصیحت کررہی ہیں ''طیش میں نہ آیا کرو'' صبح اٹھکر بڑا مزا آیا کہ یہی میرا خاص مرض تھا اور ایک صحابی کو جنھیں طیش آجایا کرتا تھا، اور انہوں نے وصیت چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ''لا تغضب'' کہ غصہ نہ ہوا کرو۔

اہل تعلق کی ہمدردی اور تاثرات

تعزیت میں آنے والوں میں شیخ وقت حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب نور اللہ مرقدہ اور حضرت الحاج حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہم بھی تھے، ان کا موثر خطاب عورتوں کے لئے ہوا جو ''تعمیر حیات'' اور ''رضوان'' کے شماروں میں شائع ہوچکا ہے، تعمیر حیات، رضوان، المومنات روزنامہ قومی خبریں، روزنامہ اقدام (لکھنؤ) اور روزنامہ ندیم بھوپال میں مضامین بھی شائع ہوئے اور بنگلور حیدرآباد، لکھنؤ، دہلی کے اخباروں نے خبر اور تعزیتی خبریں شائع کیں، گرامی منزلت مولانا امین الدین شجاع الدین صاحب نے تعمیر حیات میں مفصل اور معلومات افزا مضمون تحریر کیا جس میں گھر کے ایک ایک فرد سے گہری تعزیت بھی تھی، اور اس کا قارئین پر اثر بھی پڑا، اس تاثر کا متعدد لوگوں نے راقم سے تذکرہ کیا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے بھی مضمون سپرد قلم کیا جو ''تعمیر حیات'' اور ''رضوان'' میں شائع ہوا، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے مجلۃ البعث الاسلامی (عربی) میں تعزیتی تاثرات ظاہر فرمائے، اور برادر عزیز مولوی خلیل احمد حسنی کا مضمون ''الرائد'' (عربی) حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی

نے اہتمام سے شائع فرمایا، مولوی عبدالوکیل بارہ بنکوی نے بھی اردو میں مضمون لکھا، اور شیخ طریقت حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ نے اپنی کتاب اقوال سلف کے آخری حصہ میں ان کے حالات زندگی اور مقصد زندگی سے متعلق ان کا مضمون شائع کیا، اور یہ روایت بھی پہونچی ہے کہ ڈاکٹر محمد اکرم ندوی صاحب نے کئی جلدوں میں اپنی معرکہ آرا عربی تصنیف میں جو ذی علم خواتین سے متعلق ہے اور پوری تاریخ اسلام سے عطر کشیدہ کر کے اس کو تیار کیا گیا ہے ان کا بھی تعارف کرایا ہے اور ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مرادآباد میں اہلیہ مولانا عبدالعلیم فاروقی کا مضمون شائع ہوا، تعزیتی خطوط اہل تعلق کے ملک و بیرون ملک سے اور اہم شخصیات کے موصول ہوئے، مکہ مکرمہ سے بھی جھونکا آیا، یہ حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ کا شفقت نامہ تھا، بیرون ملک سے محدث جلیل مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مدظلہ (متحدہ عرب امارات) اور قاضی شریعت فقیہ امت جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی (کراچی) اور لیسٹر لندن سے مولانا ولی آدم صاحب خلیفہ حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی یاد فرمائی بڑی تقویت کا باعث بنی، فون کے ذریعہ تو اہل تعلق کی بڑی تعداد نے ایصال ثواب سے مطلع کیا، ہمارے دوست مولانا یحیی نعمانی ندوی لندن میں تھے وہاں سے مرسلہ اپنے مکتوب میں دل پر اثر کرنے والا یہ جملہ لکھا کہ: ''مجھے امید ہے کہ حدیث نبوی کے مطابق ''المبطون شهيد'' کا درجہ ملے گا، یہ بات اور تقویت و تسلی کا باعث ہوئی کہ بعض حضرات نے نام لے کر ایصال ثواب کا یومیہ معمول بنالیا ہے'' فجزاهم الله خير الجزاء''

اللہ ان کے ساتھ اپنے بے پایاں رحم و کرم اور لامحدود فضل و انعام کا معاملہ فرما کر انبیاء و صدیقین شہداء صالحین کے ساتھ ان کا معاملہ فرمائے، ہم پسماندگان کو صبر و استقامت عافیت و سلاماتی اور رضا کے ساتھ قائم و دائم رکھے۔ (آمین)

راقم سطور نے خط کا ایک مضمون تیار کر کے دعا کے لئے بعض خواص ملت کو روانہ

کیا تھا اس کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

"آخری دن جو I.C.U. میں گذرا جہاں کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہوتی مگر والدہ مرحومہ کے سلسلہ میں یہ پابندی تقریباً اٹھ سی گئی تھی، صبح نو، دس، بجے سے رات نو، دس، بجے تک کوئی نہ کوئی وہاں پڑھتا ہی رہا، مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بیٹھے، خال محترم مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب وخال محترم مولانا بلال عبدالحی صاحب وغیرہ نے بھی کافی کافی وقت وہاں بیٹھ کر تلاوت کی، اور آخر میں عشاء کی نماز کے بعد جب ان کی روح پرواز کرنے والی تھی تو ان کے داماد مولوی عبدالباری بن عبدالعلیم فاروقی صاحب (لکھنؤ) سورۂ ملک اور سورۂ یٰسین کی تلاوت کر رہے تھے اور اس انتہائی نگہداشت والے روم کے باہر ماموں جی جعفر، برادرم معاذ، چچا جان خالد وغیرہ تھے اور سبھی دعا میں مشغول، میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا (کہ اب تقدیر تدبیر پر غالب تھی) اس نماز میں جو ہمیں لطف حاصل ہوا، قریبی مدت میں ایسی نماز ہمیں یاد نہیں، سورت شروع کرتا تو بے ساختہ "انا انزلناه في ليلة القدر" زبان پر جاری ہوتی، اور ایسا لگنے لگا تھا کہ یہ رات لیلۃ القدر ہے، بعد میں بلال ماموں نے اپنا تاثر ظاہر کیا کہ انہیں بھی اس وقت نماز پڑھنے میں ایسا ہی لطف آرہا تھا، بلال ماموں نے والدہ صاحبہ کو خواب میں دیکھا کہ بڑے اچھے لباس میں خوب خوش خوش خوشنما باغیچہ میں ٹہل رہی ہیں۔ ہفتہ عشرہ گذرنے پر خال مکرم مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب نے خواب دیکھا کہ وہ بڑے اچھے لباس میں خوب خوش آئی ہیں اور کہہ رہی ہیں، ہمیں دو شہادتیں ملی ہیں یا یہ کہ دو شہیدوں کا مقام ملا ہے، ہماری ایک بہن نے خواب دیکھا کہ وہ دوبارہ حج بیت اللہ کے لئے گئی ہیں، یہ آثار اور خواب افراد خاندان کے لئے تسلی بخش ہوئے۔"

جن خطوط نے زخم پر مرہم کا کام کیا، ان میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا خط خاص طور پر قابل ذکر ہے، مرحومہ کے عم بزرگوار حضرت مولانا

سیدمحمدرابع حسنی ندوی مدظلہ کوتحریرفرمایا:

باسمہ تعالیٰ

۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ　　　　مکرمی ومحترمی زیدمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیروعافیت ہونگے، رمضان المبارک سے قبل جناب کی بھتیجی کے سانحہ ارتحال کی خبرسے دلی رنج وصدمہ پہونچا، خدائے عزوجل اپنے خاص فضل وکرم سے مرحومہ کی مغفرت فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں مقام عطافرمائے۔، اورگھر میں جملہ متعلقین کوصبرجمیل عطافرمائے۔آمین،

مرحومہ کے لئے دارالعلوم دیوبند میں ایصال ثواب کرایا گیا، خداوندکریم قبولیت عطافرمائے، آمین

رمضان المبارک سے قبل شوریٰ کا اجلاس اوراس کی مصروفیت رہی، پھر اپنے مکان بجنور چلاگیا، جس کی وجہ سے تاخیرہوگئی۔ بندہ کی طرف سے اورجملہ خدام دارالعلوم کی طرف سے تعزیت مسنون قبول فرمائیں

اہل خانہ کی خدمت میں بھی سلام مسنون کے بعدتعزیت پیش فرمائیں،

جناب کی صحت کے لئے دعاگوہوں اوراپنے لئے دعاؤں کاخواستگار، امید ہے کہ دارالعلوم دیوبنداوراس بندۂ ناچیزکودعوات صالحہ سے یادفرماتے رہیں گے۔

والسلام

مرغوب الرحمٰن عفی عنہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

جواب میں حضرت مولاناسیدمحمدرابع حسنی ندوی نے تحریرفرمایا کہ:

’’گرامی نامہ سے تقویت حاصل ہوئی، اورمرحومہ کے دیگرمتعلقین کوبھی تسکین

وتقویت ملی، آپ نے خصوصی عنایت فرمائی کہ ایسا تعلق کا خط تحریر فرمایا اور اس واقعہ کو خصوصی اہمیت دی، اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے۔"

مرکز نظام الدین دہلی سے حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلوی مدظلہ نے راقم کو تحریر فرمایا:

"اکابرین اور بزرگوں کی یادگاریں ایک ایک کر کے رخصت ہو رہی ہیں اور کوئی ان کا بدل نہیں آرہا ہے، اللہ جلّ شانہ ہمارے حال پر رحم فرمائے، انتقال کی اطلاع پر بھی ایصال ثواب کیا تھا اور یہ تفصیلی خط پڑھ کر بھی اللہ جل شانہ نے اس کی توفیق عطا فرمائی، آپ کا خط گھر میں اپنی مستورات کو بھی پڑھوا دیا وہ سب بھی آپ کی مستورات کو سلام لکھوا رہی ہیں، تعزیت کر رہی ہیں اور ان سب نے حسب حیثیت ایصال ثواب کیا ہے۔

سب گھر والوں کو درود شریف بھی کی کثرت کی تاکید فرمائیں کہ اس سے قلبی سکون بھی حاصل ہوگا اور خیر و برکت بھی ہوگی، والسلام

محمد زبیر الحسن بنگلہ والی مسجد، ۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ

حضرت مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کو "سلالۂ خاندان رسالت مکرم ومحترم بندہ وفقنا اللّٰہ وایاکم کما یحب ویرضی وثبتنا وایاکم علی ملۃ رسولہ وجعلنا وایاکم سببا لنزول الھدایۃ والنصرۃ الغیبیۃ" سے خطاب کرتے ہوئے آخر میں تحریر فرمایا:

آنجناب کو تو خاندانی اور نسبی اعتبار سے اشد البلاء الانبیاء والی قربت حاصل ہے، ابتلا اور آزمائش تو آپ کے گھر کی چیزیں ہیں، بس اللہ پاک اس سانحہ سے ٹوٹے ہوئے دل کی دعاؤں کی برکت سے امت میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی تیاری کی فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین، والسلام

بندہ ناچیز محمد سعد غفرلہ

۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ از بنگلہ والی مسجد نئی دہلی

اور راقم سطور کے نام ان کا مکتوب ایک پورا ہدایت نامہ ہے اور ہر اس فرد اور کنبہ کے لئے ہے جو ایسے حادثہ سے دوچار ہو اس کی اس عمومی افادیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نظر ناظرین کیا جارہا ہے۔

از بنگلہ والی مسجد بستی نظام الدین اولیاء نئی دہلی

۲۰؍رمضان المبارک ۲۶ھ مطابق ۲۵؍اکتوبر ۲۰۰۵ء

باسمہ تعالی

مکرم ومحترم بندہ وفقنا اللہ وایاکم کمایحب ویرضی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عافیت خواہ بہ عافیت، گرامی نامہ موصول ہوکر کاشف احوال ہوا، آپ کی والدہ محترمہ مرحومہ کی اچانک علالت، آپریشن کی ناکامی، جس کی وجہ سے بعد میں سانحۂ رحلت کی خبر سے بے حد قلق ہوا اللہ پاک مرحومہ کی مغفرت فرما کر درجات عالیہ عطا فرماویں اور آپ جملہ پسماندگان واہل خانہ کو صبر وتحمل کی توفیق عطا فرماویں، آمین انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ کائنات اور اس کے اندر انفرادی واجتماعی پیش آنے والے مناسب اور نامناسب احوال رنج وغم کے ہوں یا راحت وخوشی کے، وجود وعدم کے ہوں یا موت وحیات کے سب مقدرات ہیں اور مکتوب عند اللہ ہیں۔ اتفاق اور اچانک کے الفاظ انسانی دنیا کے ہیں، ورنہ روز اول سے ہی ہر امر مقدر ہے، جو کچھ ہوا، جیسے ہوا، جن حالات میں ہوا، مشیت الٰہی کے تحت ہوا، وقت موعود کے احوال، ایمانی علامات کلمہ واہتمام نماز، ذکر واستغفار، سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت، عقیدۂ صحیحہ کا اظہار، الحمد للہ ثم الحمد للہ قابل صد تسلی وطمانیت قلب ہیں اور بعد الموت کے منامات مبشرات مزید انعامات اور قبولیت کی علامت بھی کچھ بے حد مبارک ہے، اللہ پاک خوب خوب قبول فرمائے، آمین، اچانک سانحۂ ارتحال پر رنج وملال فطری چیز ہے مگر یہ سب صبر وشکر کے ساتھ ہے تو ذخیرۂ آخرت ہے، آپ کے لئے بالخصوص یہ وقت قبولیت کا ہے۔

مرحومہ کے لئے ترقی درجات، پسماندگان کے لئے توفیق حسنات کی خوب خوب دعاؤں کے ساتھ ایصال ثواب کی شکلیں اختیار فرمادیں۔

خاندان رسالت کے حضرات کا تعلق اوران کا حسن ظن ہمارے لئے سرمایۂ حیات اور ذخیرۂ آخرت ہے، اللہ پاک قائم ودائم رکھے، اور طرفین کے لئے دونوں جہان میں سرخروئی کا ذریعہ فرمائے۔ آمین،

فقط والسلام

بندہ ناچیز محمد سعد غفرلہ

ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ

مرحومہ کے بھائی مولانا سید محمد حمزہ حسنی صاحب نے وفات سے متاثر ہوکر ماہنامہ رضوان میں جس کے وہ مدیر ہیں اور مرحومہ معاون مدیر تھیں یہ اداریہ قلمبند کیا:

اپنی بہنوں سے:

سیدہ امامہ حسنی کی وفات

''ماہنامہ رضوان'' کی معاون مدیر اور بانی رضوان حضرت مولانا محمد ثانی حسنی کی صاحبزادی مدیر ''رضوان'' کی بڑی بہن حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا واضح رشید ندوی مدظلہ العالی کی چہیتی خدمت گزار، سخاوت مند اور محبت کرنے والی بھتیجی سیدہ امامہ حسنی، تین روز اسپتال میں رہ کر وفات پاگئیں انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ہم پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مرحومہ کے تین بیٹے مولوی محمود حسنی ندوی مدرس مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، مفتی مسعود حسنی ندوی دار الافتاء دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو اور سید منصور حسن حسنی جو عالمیت کے آخری سال میں اور دار العلوم ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم ہیں اور دو بیٹیاں سیدہ عائشہ حسنی

اور حافظہ سیدہ شمامہ حسنی ہیں۔اوران کے شوہر سید حسن حسنی اللہ ان کی عمر میں برکت دے۔

ہم اپنی بہن بھائیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ مرحومہ کے لیے دعاء مغفرت وترقی درجات فرمائیں اور ایصال ثواب سے دریغ نہ فرمائیں۔ہم پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا ضرور فرمائیں،احسان عظیم ہوگا۔"

پندرہ روزہ "تعمیر حیات" لکھنؤ

مولانا امین الدین شجاع الدین استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ورئیس التحریر "تعمیر حیات" لکھنؤ نے "خاتون منزل کی ایک خاتون خانہ دارالحزن سے جوار رحمت میں" کے عنوان سے مضمون سپرد قلم کیا تھا،جس پر لوگوں کے بڑے اچھے تأثرات سامنے آئے تھے،شیخ طریقت حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم نے یہ مضمون پڑھ کر مرحومہ کا حال اپنی کتاب "اقوال سلف" میں شامل کرنے کا ارادہ کیا،اور راقم کو اس کی یہ ذمہ داری سپرد کی،اس میں مرحومہ نے جس عہد میں اور جن لوگوں کے سایہ تلے زندگی گذاری اوران کی زندگی کا جو خاص جوہر تھا سب کا نچوڑ آگیا ہے اس کی اسی افادیت کی وجہ سے اس کو شامل کتاب کیا جارہا ہے۔(۱)

خاتون منزل کی ایک خاتون خانہ
دارالحزن سے جوار رحمت میں

مولانا امین الدین شجاع الدین

۱۹۴۷ء کا وہ سال کہ جس میں ملک آزاد ہوا اور ۱۹۴۷ء کا وہ سن کہ جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا پہلا سفر حج پیش آیا،انہیں مبارک دنوں میں حضرت مولانا محمد ثانی حسنی کے ہاں ایک بچی کی ولادت ہوئی،نام اس کا "امامہ" رکھا گیا،علماء ومصنفین کا گھرانہ جس کے موروثی اثرات بڑے طاقتور ہوتے ہیں،ان پر بھی پڑے،علاوہ

(۱)افسوس کہ مولانا امین الدین شجاع الدین ندوی بھی نہ رہے اور اب وہ مالک حقیقی کے جوار رحمت میں ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

ازیں زادسفر کی مرتبہ امۃ اللہ تسنیمؒ کی نظر کیمیا اثر نے اپنا اثر دکھایا، انھوں نے قلم پکڑنا سکھایا، کم عمری ہی سے مضامین لکھے اور سیدہ امۃ اللہ تسنیمؒ کے سانحہ وفات کے بعد رضوان کی ادارت میں معاونت کی، ازدواجی وخانگی زندگی میں بھی خوشحالی وفارغ البالی دیکھی اور نہ صرف سعادت منداولاد پائی بلکہ ان کے اپنے بچوں اور نونہالوں کو بھی گودوں میں ہنستے اور کھیلتے دیکھا، نہ عمر کچھ ایسی زیادہ تھی اور نہ بیماری کچھ ایسی سنگین کہ خدانخواستہ کوئی کھٹکا لگا رہتا، لیکن مرضی مولیٰ، پت کا ایک آپریشن ہوا اور انہیں تین چار دن کی مختصر علالت میں وقت موعود آ گیا ۱۴ ارشعبان المعظم ۱۴۲۶ھ دس بجے لکھنؤ کے پی جی آئی اسپتال میں انہوں نے بھرے پرے گھر کو چھوڑ کر ملک عدم کی راہ لی اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں موندلیں۔

پلٹ کے کہتی ہیں یہ آنکھوں کی پتلیاں
چلو یہاں سے کہ دنیا کا اعتبار نہیں

دنیا سے رخصت ہوتے ہوتے ماہنامہ ''رضوان'' کی معاون مدیر کی کتاب زندگی، دنیا کی بے ثباتی اور حیات کے مانند حباب ہونے کا ایک سبق پڑھا گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، اطلاع معاً حرم شریف بھی پہونچ گئی وہاں وہ شب، شب برأت تھی، حضرت مفکر اسلام کے عقیدت مندوں نے غائبانہ ناز جنازہ ادا کی اور ادھر ان کے آبائی مقام تکیہ کلاں رائے بریلی میں بعد ظہر ۱۴ ارشعبان کو نماز جنازہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے پڑھائی اور رائے بریلی ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ اللھم اغفرلھا وارحمھا،

موروثی اثرات نسل درنسل منتقل ہوتے ہیں مرحومہ نے مخدومہ خیر النساء بہتر صاحبہ اور سیدہ امۃ اللہ عزیز صاحبہ کی آنکھیں دیکھی تھیں اور نہ صرف ان کی دعائیں لی تھیں بلکہ ان سے پاکیزہ ادائیں بھی سیکھی تھیں، صاحبزادی، مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ جیسے صاحب دل وصاحب قلم کی، ان کی والدہ سیدہ خدیجہ حسنی کہ جن کے والد کو قدرت نے اولاد کی تربیت کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ ذی علم گھرانہ والدین کی شان عالمانہ ومربیانہ اور سونے پر سہاگہ کی

مصداق کہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی براہ راست نظرعنایت اور توجہ اور تعلیم وتربیت میں درد مندی کے ساتھ خصوصی شغف ودلچسپی! حدیث شریف میں ''ریاض الصالحین'' کے ان کے اردو ترجمہ ''زادسفر'' کی بدولت نہ معلوم کتنوں کو حدیث پاک سے شغف کی دولت نصیب ہوئی ہوگی اور جلیل مانک پوری کے اس مصرعہ کے مصداق کہ ع

مل گیا مجھ کو زاد سفر سے پہلے

کی نعمت غیرمترقبہ مرحومہ کو نصیب ہوئی ہوگی جن کی مناجاتیں پڑھ کر آج بھی آنکھیں نم ہوجاتیں اوردل سوزی کی کیفیت سے آشنا ہونا معلوم پڑتا ہے۔

کب سے کھڑی ہوں یارب امید کے سہارے
یہ دن نہ جانے میں نے کس طرح گذارے
بے چین ومضطرب دل جاکر کسے پکارے
وہ کون ہے جو حالت بگڑی ہوئی سنوارے
ہے باب یہ کرم کا خالی نہ پھیر یارب
دینا اگر تجھے ہے پھر کیوں ہے دیر یارب

مرحومہ کو اس درجہ نیک وپاک طینت بندی کی تربیت میسر آئی ،عطر کا ایک معمولی پھاہا ایک ماحول کو معطر بنادے اور یہاں پاک دل وپاکباز خاتون کا وجود مجسم مربی وسرپرست اور معلم ونگراں ہوتو کیوں کر ممکن تھا کہ اثرات نہ صرف مرتب ہوں بلکہ مستقل بھی ہوں اور متعدی بھی ثابت ہوں۔میرے معاون مدیر مولوی محمود صاحب (اللہ ان کو آزمائش کی اس گھڑی میں صبر جمیل دے) نے بتایا کہ والدہ مرحومہ دو باتوں پر خاص طور متوجہ کرتی تھیں،ایک تو یہ کہ اپنی ذات سے کسی پر ظلم اور کسی کی دلآزاری نہ ہواور دوسری یہ کہ حرام لقمہ پیٹ میں نہ جائے ،شریعت مطہرہ اور پھر تاریخ پر جن کی نظر ہے وہ خوب جان اور سمجھ سکتے ہیں کہ اول الذکر اصول کا قوموں اور خاندانوں کے عروج وزوال میں کیا کردار ہے اور ثانی الذکر

اصول کی قبولیت دعا اور انابت الی اللہ میں کیا تاثیر ہے! گویا کہ ان کی دو باتوں میں دنیا وآخرت کی کامیابی وسرخروئی کے اصول سمٹ کر آگئے، مظلوم کی آہ قوموں کے چراغ گل کردیتی اور لقمہ حرام رحمت خداوندی کے رخ کو پھیر دیتا ہے۔

بلا لحاظ مذہب وملت آج بھی شرفاء کے خاندانوں میں اخلاقی قدریں زندہ ہیں۔ مرحومہ اس خانوادہ سے تعلق رکھتی تھیں جس کو حضرت سید احمد شہید سے نسبت کا شرف حاصل ہے، اخلاقی قدریں جب دین داری کی تابع ہوجاتی ہیں تو وہ زیور بن جاتی ہیں جو بہشتی اور جنتی زیور ہوجاتا ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب کے نام مولوی محمود صاحب نے اپنے ایک خط میں مرحومہ کے جو محاسن گنائے ہیں ان ہی کی نقل پر اکتفا کرتا ہوں کہ ماں کے حق میں ایک بیٹے سے زیادہ معتبر راوی اور چشم دید گواہ کون ہوسکتا ہے، لکھتے ہیں ۔ ...." والدہ صاحبہ کو اللہ تعالی نے بڑی خصوصیات وامتیازات سے نوازا تھا، حسن خلق، صلہ رحمی، غریب پروری، نرم دلی، دوسروں کے معائب سے چشم پوشی، اپنے معائب پر نظر، اولاد کی تعلیم وتربیت کا اہتمام، ...."

انما الاعمال بالخواتیم اصل ہے، خاتمہ ایمان پر ہو یہی مطلوب ومقصود اور منتہا ہے اس کیفیت حال بھی مولوی محمود صاحب ہی کی زبانی سن لیجئے ......" اسپتال جانے کے وقت سے ان کی زبان ذکر ودعا اور تلاوت سے جو تر دیکھی وہ ہوش وحواس باقی رہنے تک تر ہی رہی حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ کو دیکھا تو فرمایا: دعا کیجئے خاتمہ بالخیر ہو، قفس عنصری سے روح کے پرواز کا وقت آیا تو ان کے داماد "سورۂ یٰسین" کی تلاوت کررہے تھے اور آخری لمحات میں تو خود ان کی زبان یٰسین شریف کی تلاوت سے تر تھی"۔

مرحومہ گذشتہ سال ہی حج سے مشرف ہوئی تھیں، عرفات کی دعائے ماثور ہے "انا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق " (میں دکھیاری محتاج، فریادی، پناہ چاہنے والی، لرزاں وترساں) دلوں کے احساسات وکیفیات کی کتنی

سچی اور کس قدر حقیقی تصویر کشی ہے اس دعا میں! گذشتہ سال ہی حج سے فارغ ہونے والی مرحومہ بھی امسال حج سے پہلے ہی دعاء مذکورہ میں درج اپنے ظاہری حالات و باطنی کیفیات کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئیں، اللہ تعالی مرحومہ کے ساتھ بھی وہی معاملہ فرمائے جو وہ اپنے نیک بندے اور بندیوں کے ساتھ فرماتا ہے، اور جن کی امتیازی شان خود اس نے بیان کی ہے، "لاخوف علیھم ولاھم یحزنون" اللہ تعالی پسماندگان کو بھی صبر جمیل عطا کرے اور مرحومہ کی حسنات کو قبول کرتے ہوئے ان کے درجات بلند فرمائے۔

شیخ وقت حضرت قاری امیر حسن صاحب دامت برکاتہم کا تعزیتی خطاب:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خلیفہ حضرت قاری امیر حسن صاحب دامت برکاتہم اور حضرت الحاج حکیم محمد کلیم اللہ صاحب جانشین محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی ہردوئی سے والدہ مرحومہ کے سانحۂ وفات پر جو ۱۴ر شعبان ۱۴۲۶ھ کو پیش آیا تھا، تعزیت کے لئے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی مدظلہ کے پاس تکیہ کلاں رائے بریلی تشریف لائے اور حضرت قاری امیر حسن صاحب مدظلہ نے افراد خاندان سے جو تعزیتی کلمات ارشاد فرمائے، عزیز گرامی مولوی سید خلیل احمد حسنی ندوی نے ان کے ان کلمات کو ریکارڈ کیا اور ضبط تحریر میں لے آئے جو پیش خدمت ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ رب العزت کے دربار میں بندوں کے اعمال دو دن پیش ہوتے ہیں پیر کے دن اور جمعرات کے دن اور جمعہ کے دن انبیاء اور والدین کو پیش ہوتے ہیں، یہ جو کچھ بھیجتے ہیں ان کو بتایا جاتا ہے کہ تمھاری اولاد نے اعزاء واقرباء نے یہ بھیجا ہے ان کو خوشی ہوتی ہے۔

اس آیت شریفہ "مَا عِنۡدَكُمۡ يَنۡفَدُ وَمَا عِنۡدَاللّٰهِ بَاقٍ" میں بتلایا گیا ہے کہ ہم سب مسافر آخرت ہیں، کہیں سے ہم آئے ہیں اور کہیں ہم سب کو جانا ہے اس وقت جتنے

لوگ ہیں سو برس پہلے کوئی بھی نہ تھا اور سو برس کے بعد بھی کوئی نہیں ہوگا، یہ درمیانی منزل ہے، اللہ تعالی نے سب کو آخرت کے سفر کے لیے بھیجا ہے ہم سب کا بھی سفر ہوگا اس کا اسٹیشن قبرستان ہے، کس گاڑی سے ہوگا، ہوا کی گاڑی سے، وہ سفر آسان کس سے ہوگا، علم دین سے ، اور طے کیسے ہوگا، اعمال صالحہ سے، اس لیے انسان آخرت میں جانے کے بعد کسی بھی چیز کی حسرت نہیں کرے گا، دنیا ہی میں تیاری ہوسکتی ہے، آخرت میں کوئی تیاری نہیں،

دنیا میں ایک دفعہ سبحان اللہ کہا، اس کے اجر کو دیکھا جا سکتا ہے، چیز بھیجی جانے کے بعد واپس نہیں آسکتی۔

غم کا علاج یہ ہے کہ سوچو مت۔ خیال مت کرو، اس مدت میں غم تو ہوگا لیکن معتدل غم ہوگا، یہ مضر نہیں۔ حد سے زیادہ غم کرنا گناہ ہے۔ اور گناہ بے لذت ہے اور علاج کرنا واجب ہے، اس آیت شریفہ میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ تعالی کے پاس ہے باقی ہے، اس آیت شریفہ میں ایسے ہی غم کا علاج بتلایا گیا ہے اور یہ بیان اس مقدمہ پر موقوف ہے وہ یہ کہ شی مرغوب کے جاتے رہنے سے غم تو لاحق ہوگا مگر کوئی دوسری چیز تم کو مل جائے اور اس کے ملنے کا یقین ہو جائے جو اس شی مرغوب سے بڑھی ہوئی ہے تو پہلی چیز کا غم نہیں ہونا چاہیے۔ کسی کے ہاتھ میں ایک پیسہ ہو اور دوسرا شخص اس کو چھین کر اس کو روپیہ دیدے تو ظاہر ہے کہ پیسے کا غم بالکل ہی نہ ہوگا، بلکہ اگر وہ شخص بدلنا چاہے تو یہ بدلنے پر بھی راضی نہ ہوگا، یہی حالت ہم کو اس آیت میں بتلائی گئی ہے کہ جو چیز ہمارے پاس ہے اور گو ہمیں انتہا درجہ محبوب ہے اور وہ سب فنا ہونے والی ہے اس لئے ہم کو حکم ہے کہ تم ان مرغوبات میں مت رہو، بلکہ جو چیز ان سے اچھی اور باقی ہے اس کی رغبت کرو اس طرح وہ غم مغلوب ہو جائے گا اصل علاج تو یہ ہوا کہ آخرت کے مرغوبات پر نظر کر کے دنیا کے مرغوبات کی طرف زیادہ توجہ مت کرو تو غم غلط ہو جائے گا۔

غم ہلکا کرنے کے لیے عجیب تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالی کے یہاں کی چیزیں باقی ہیں

وہی رغبت کے قابل ہیں اسی لیے یہ بھی سونچو کہ آدمی مر کر کہاں جاتا ہے؟ اب تو وہ "ما عند اللہ" میں داخل ہوگیا اللہ تعالی کے پاس چلا گیا، پہلے "ما عند کم" کا مصداق تھا، اس وقت وہ فانی تھا، اب باقی ہوگیا، کیونکہ اس کی اس موت کے بعد پھر موت نہیں، تو اب مرنے کے بعد پہلی حالت سے اچھی حالت میں پہونچ گیا، پہلی فانی تھی، دوسری باقی ہے، پس ہم کو مرغوب شی، مثلاً ہم کو اپنے محبوب سے اس حیثیت سے محبت کرنی چاہی کہ وہ خدا کے پاس ہے بہ نسبت اس کے کہ ہمارے پاس ہے۔

چنانچہ اس مضمون کو ایک بدوی نے خوب سمجھا اور حضرت عباسؓ کے انتقال پر ابن عباس سے یوں تعزیت کی۔

"اے ابن عباس صبر کرو، تم کو فانی کے عوض اجر باقی ملے گا اور عباس فانی اب باقی ہوگئے ہیں اور زیادہ مرغوب حالت میں ہوگئے اور نہ تمھارا کچھ نقصان ہوا اور نہ ان کا پھر غم کس بات کا"۔

عام طور سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب انسان مرجاتا ہے تو قبر میں اس کو ڈال آتے ہیں وہاں وحشت کدہ میں تنہا پڑا رہتا ہے، مسلمان کا معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ مسلمان کے لیے وہاں بڑی راحت ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ ارواحیں اس کا استقبال کرتی ہیں اور اس کے عزیز و اقارب جو اس سے پہلے چلے گئے ہیں وہ اس سے ملتے ہیں (۱) اور اس سے دوسرے متعلقین کے نسبت دریافت کرتے ہیں، اگر یہ کہتا ہے کہ فلاں تو مر گیا تو وہ کہتے ہیں افسوس دوزخ میں گیا ورنہ وہ ہم سے ضرور ملتا اور اس سے ان کو غم ہوتا ہے۔

غرض موت کے بعد مردے باہم خوش ہو کر ملتے ہیں، لوگ سمجھتے ہوں گے کہ مرنے کے بعد الو کی طرح پڑے رہے ہوں گے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" یہ بات نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ یہ

(۱) والدہ مرحومہ کو بعد میں ان کی بیٹی نے خواب میں دیکھا جس میں انہوں نے عزیز و اقارب سے ملنے کی بات کہی اور خوشی کا اظہار کیا۔)

قبر اس گڑھے کا نام ہے، یہ تو صورت قبر ہے، حقیقت میں قبر عالم برزخ کا نام ہے وہاں سب جمع ہوتے ہیں اور وہ ان پاکیزہ لوگوں کا مجمع ہے، دنیا میں تو جدا ہو سکتا ہے، جیسے کوئی ملازمت سے آئے رخصت لے کر اپنے لوگوں کے پاس، اور جب رخصت ختم ہوگئی تو جدائی ہو جائے گی، وہ چلا جائے گا، تو دنیا کا ایسا اجتماع ہے اور وہاں آخرت کی یکجائی ختم نہیں ہوگی، وہاں تو عیش ہی عیش ہے، بات یہ ہے کہ حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے لوگوں کو موت سے وحشت ہوگئی، ورنہ موت تو لقاء حبیب کے لئے ایک پل ہے کہ اس سے گزرا اور لقاء حبیب ہوگئی، اور لقاء باری تعالیٰ سے کون سی چیز اچھی ہوگی، اللہ والوں کو تو موت کا شوق ہوتا ہے، ان سے پوچھیے کہ موت کیا چیز ہے، حدیث شریف میں ہے کہ "الموت تحفۃ المومن" موت مومن کا تحفہ ہے، کسی حکومت کا سربراہ اور وہ شخص کسی کے پاس تحفہ بھیجے اور گھر والے رونے لگیں تو کتنے افسوس کی بات ہے، میری مراد اس غم سے غم مکتسب ہے، یعنی غیر طبعی، سوچ سوچ کر رونا، نہ کہ غیر مکتسب فطری غم، فطری جدائی کا طبعی صدمہ جو بے اختیار ہوتا ہے اس کا مضائقہ نہیں، سوچ سوچ کر اس کو بڑھانا مذموم ہے، ان مضامین کو سوچ کر اس کو گھٹانا چاہیے، دنیا کی مثال آخرت کے سامنے ماں کے رحم کی سی ہے، جب تک بچہ ماں کے رحم میں رہتا ہے اس کو سب کچھ سمجھتا ہے اس سے کہا جائے کہ تنگ جگہ سے نکل اس سے کشادہ جگہ موجود ہے تو وہ یقین نہیں کریگا، جانے گا جو کچھ ہے یہی ہے مگر جب باہر آتا ہے تو پورا عالم دیکھتا ہے، کہ رحم کو اس سے کچھ مناسبت نہیں اور اب اس سے کہا جائے کہ رحم میں واپس جانا چاہتا ہے تو وہ کبھی منظور نہیں کرے گا، اسی طرح دنیا بمقابلہ آخرت کے بالکل تنگ ہے جب یہاں سے جاؤ گے تو شکر کرو گے اور دنیا میں ہرگز واپس نہ آنا چاہو گے، جب خدا کے ہاں پہونچنے کا وقت قریب آتا ہے تو اس عالم کی چیزوں کا

---

(۱) یہ کیفیات عمر کے آخری مرحلے میں سامنے آتی ہیں، تیمار داران کی بقاو شفا کے لئے کھانے پینے پر اصرار کرتے ہیں وہ کبھی منھ بند کر کے کبھی ہاتھ چلا کر اس سے بچاؤ کی ترکیب کرتے ہیں ڈاکٹر اسے بھی مرض بتاتے ہیں، علماء لقاء رب کے قرب کی علامت بتاتے ہیں (م)

انکشاف ہوجاتا ہے، اس وقت اگر مومن کو حیات بڑھانے والی چیز دے کر کہا جائے کہ اسے کھالو تو بہت مدت دراز تک زندہ رہو گے تو وہ لات مار دے گا چاہے گا میں فوراً مرجاؤں۔(۱)

یہاں ایک طالب علم طاعون میں مبتلا ہوئے لوگ ان کی تسلی کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ یہ نہ کہو اب تو خدا تعالیٰ سے ملنے کو جی چاہتا ہے اور اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت سنائی جاتی ہے، "تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ" کہ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں نہ ان پر کوئی خوف ہے نہ غم، ان کو بشارت ہے جنت کی جس کا ان سے وعدہ ہے۔(۱) اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کے لیے بادشاہ کی طرف سے وزارت کے عہدہ کا پیام آئے اور وہ شخص اپنے گھر سے تخت شاہی کی طرف چلے اس کے گھر والے جدائی سے غمگین ہونگے، مگر وہ خوش ہوگا کہ اگر اس حالت میں بادشاہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ جا! اتنے روز کی مہلت بھی مل سکتی ہے وہ ہرگز راضی نہیں ہوگا اس طرح جب راحت آخرت کی فکر ہوتی ہے اور اس کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس وقت اگر اس سے دنیا میں رہنے کو کہے تو وہ راضی نہیں ہوگا، اس لئے ماعنداللہ سے رغبت کرو اور اس رغبت کی بدولت اللہ والے ہر وقت شگفتہ رہتے ہیں۔ ان کو وہاں کے متعلق قسم قسم کی تمنائیں اور امیدیں لگی ہوتی ہیں غم نہیں ہوتا ہے، غرض موت تو اللہ والوں کا کھیل ہے ان کا تو مشغلہ ہے، اس لئے ہم کو یہ حالت پیدا کرنی چاہیے کہ بجائے غم کے شوق ہو اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ ان مضامین پر غور کیا جائے جو شوق دلاتے ہیں، انشاء اللہ غم کا بھی علاج ہوجائے گا، اور آخرت کا بھی شوق پیدا ہوگا، حق سبحانہ وتعالیٰ نے" ما عند کم ینفد و ماعنداللہ باق"۔ میں اس کا

(۱) بعض نیک بندوں کے نیک خواب کے ذریعہ بھی یہ بشارت صورت بن کر آجاتی ہے، ایک بزرگ صفت کے انتقال سے پہلے ان کے ایک قریبی عزیز نے خواب دیکھا کہ آسمان پھٹا اور انہی کے مکان کی چھت پر نزول ملائکہ ہوا اور زیادہ دن نہیں گذرے کہ ان صاحب مکان نے داعی اجل کو لبیک کہا۔(م)

علاج بتایا ہے، سبحان اللہ! کیا عجیب علاج ہے، اس کا مراقبہ کیا کرو، یعنی سوچا کرو، کہ آخرت میں جو راحت ہے وہ دنیا کی راحت سے کس درجہ بڑھی ہوئی ہے اور مرنے والا ہمارے پاس سے خدا کے پاس پہونچ گیا اور خدا کے پاس رہنا ہمارے پاس رہنے سے بہتر ہے کہ وہ ہم سے کہیں زیادہ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ دنیا میں جتنی محبت تمام جانوروں، آدمیوں، ماؤں کو اپنے بچوں سے ہے کل مجموعی محبت سے بڑھ کر حق تعالی کو اپنے بندے سے ہے اور گو امکان کے درجہ میں وہاں کی عقوبت کا بھی احتمال مرنے والے کے لیے ہے مگر مسلمان عزیز کے ساتھ یہ بدگمانی کیوں کیجائے، کہ وہ خدانخواستہ تکلیف میں ہوگا، نیک گمان رکھو، اور بمقتضائے ''سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ'' اور اس احتمال کے تدارک کے لئے ان کو ایصال ثواب کرتے رہو یہ ہمارے غم کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

تین دفعہ'' قل ھو اللہ'' پڑھنے سے ایک ختم قرآن کا ثواب ملتا ہے اس میں سبھی افراد خاندان اور اس کے تمام لوگوں کو شامل کرینگے سب کو ایک ختم کا ثواب ملے گا۔

قبر پر فاتحہ پڑھنے میں چند سورتیں ہیں جن کی خاص فضیلت آئی ہے، ''الحمد شریف''، ''قل ھو اللہ''، اکثر بارہ مرتبہ، کیونکہ ایک روایت میں بارہ مرتبہ پڑھنے کی فضیلت آئی ہے۔ ''الھٰکم التکاثر، اذا زلزلت''، '' قل یا ایھا الکافرون''، ''قل اعوذ برب الفلق''، ''قل اعوذ برب الناس''، ''سورۂ ملک''، ''سورۂ یٰسین'' قبلہ کی طرف پشت کر کے فاتحہ پڑھنا چاہیے۔

اللہ تعالی مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، اور جو افراد خاندانی گزر گئے ہیں، ان کو بھی جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، ان سب کو اعلی علّیین میں جگہ عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، ہم سب کو اپنا صحیح اور مستحکم تعلق عطا فرمائے، ہر قسم کی پریشانیوں سے نجات عطا فرمائے، اور جو لمحات غفلت میں گزر گئے ہیں،

ان سے درگزر فرمائے اور اپنا صحیح اور قوی تعلق عطا فرمائے، ہم سب کو اپنی محبت ورضا کے اعمال کی توفیق عطا فرمائے اور ناپسندیدہ اعمال سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، "ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم"۔(۱)

(۱) کتاب زیر تصنیف تھی اور مصنف اپنے ان برکۃ العصر اور صاحب قلب صافی بزرگ اور شیخ کامل حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب کے وجود مسعود اور سایۂ عاطفت کی برکات اور دعاؤں وتوجہات سے محظوظ ہو رہا تھا ادھر کتاب کا تصنیفی مرحلہ پورا ہوا اور ادھر عظیم المرتبت بزرگ شخصیت نے کہ جن کی ابھی چند ماہ پہلے ایام حج میں حرم مکی میں صحبتیں ملی تھیں اور ان کی دعائیں حاصل ہوئی تھیں، جمعہ ۲۴؍فروری ۲۰۱۲ء کو ممبئی میں داعی اجل کو لبیک کہا، اللھم اغفرلہ وارحمہ وارفع درجاتہ وادخلہ مع النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔

مناجات

امۃ اللہ تسنیمؔ

بنا کر اپنا مرکز دل میں تو ایسا سما جائے
کہ تجھ کو پاکر یہ بے چین دل تسکین پا جائے
بسا ہو تو نہ جس کے دل میں دل بیکار ہے بالکل
نہ ہو گر باغ میں گل تو وہ گلشن خار ہے بالکل
بہت بے لطف اور بے کیف گزری زندگی اپنی
کٹے اب تیری طاعت میں ہے باقی زندگی جتنی
اطاعت ہو شعار اپنا عبادت ذوق بن جائے
مرا ہر ہر قدم یارب سراپا شوق بن جائے
جیوں تیری طلب میں اور مروں تیری محبت میں
یہ پوری زندگی گزرے الٰہی تیری مدحت میں
مجھے اتنی محبت دے بنوں تصویر الفت کی
سراپا شوق بن کر توڑ دوں زنجیر فرحت کی

یہ روح کنجِ قفس میں پھڑپھڑائے اور مچل جائے
تجھی کو یاد کرتے کرتے میرا دم نکل جائے
مرے رب مہرباں ہوجا تجھے صدقہ کریمی کا
یہ کلفت پیش خیمہ ہو تیری ذرّہ نوازی کا
ہوئی ہوں عمر میں جتنی خطائیں معاف کردے تو
الٰہی ہر برائی سے مرا دل صاف کردے تو
گنہ آلودہ دل کو پاک کردے آبِ رحمت سے
مجھے خلعت ملے بخشش میں تیری بابِ رحمت سے
تری شفقت تو مادر اور پدر سے ہے کہیں زائد
نہ ہو میری پکڑ بالکل نہ ہو کوئی سزا عائد
بچا کر مکرِ شیطاں سے مجھے اپنا ہی راغب کر
ہٹاکر دارِ فانی سے مرا دل اپنی جانب کر
رہے تسنیم ہر لحظہ ترے ہی ذکر میں شاغل
تری بندہ نوازی سے یہ درجہ اس کوہو حاصل